علمدار کربلا

حضرت عباس علیہ السلام

سید نجم الحسن کراروی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمدار کربلا

حضرت عباس علیہ السلام

سیّد نجم الحسن کراروی

الحجاز پبلی کیشنز

27۔ ایف گلشن راوی لاہور 7460260

ضابطہ

ماہ وسال اشاعت : دسمبر ۲۰۰۷ء
ناشر : سرفراز احمد
اہتمام : شکیل احمد
مطبع : گنج شکر پریس لاہور
قیمت : -/۲۰۰ روپے

ISBN: 978-969-8208-86-8

فہرست مضامین

دیباچہ

مجھے تو تاریخ کے اوراق میں ایک ایسی ہستی نظر آ رہی ہے جس کی ولادت کی تمنا حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کر رہے ہیں۔ جس کی شجاعت کی بشارت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ دے رہے ہیں۔ حضرت فاطمہؑ اپنا فرزند فرما رہی ہیں۔ جس کو امام حسنؑ اپنا مددگار بتا رہے ہیں اور امام حسینؑ "نفسی انت" فرما رہے ہیں اور جس کے بلند مدارج کی شہادت امام زین العابدینؑ دے رہے ہیں اور جسے امام جعفر صادقؑ نافذ البصیرت اور عبد صالح فرما رہے ہیں۔ اور جس پر امام آخرالزمان علیہ السلام، سلام بھیج رہے ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ حضرت عباس علیہ السلام امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی تمناؤں سے پیدا ہوئے اور وحدانیت کا کمال کمسنی میں اقرار کیا۔ آپ کا بچپن معصومین کی آغوش میں گزرا۔ جوانی اسلام اور ذمہ داراں اسلامؑ کی امداد میں گزری، شہادت راہ خدا میں واقع ہوئی۔

عباس سر کٹائے دریا پہ سو رہے تھے　　　اہل حرم کی حافظ جنگل میں بے کسی تھی

اسلام اور امام حسینؑ کی حمایت میں شہادت نصیب ہوئی۔ بچپن سے جوانی اور جوانی سے یوم شہادت تک جو اسلامی خدمات کیے ہیں۔ وہ تاریخ کے صفحات میں روز روشن کی طرح واضح ہیں۔ کسے خبر نہیں کہ معرکہ صفین کے سر کرنے میں آپ نے سر و تن کی بازی لگا دی تھی، ولید بن عقبہ والیٔ مدینہ منورہ کے دربار میں آپ کا دلیرانہ عمل اور کردار نا قابل فراموش ہے، مدینہ منورہ سے روانگی۔ مکہ معظمہ میں قیام۔ کربلا میں ورود۔ نصب خیام کا واقعہ طلب آب اور سقائی غرضیکہ اس عظیم سفر میں تادم آخر آپ نے وہ شاندار کردار پیش فرمایا ہے۔ جو تاریخ کربلا میں نمایاں جگہ کا مالک ہے۔

میرا نظریہ

تالیف کتاب کے سلسلہ میں میں اپنا نظریہ ظاہر کردینا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ جو واقعات معلوم الکذب نہ ہوں اور جن واقعات سے ممدوح یا مخاطب کی شان نہ گھٹتی ہو انھیں حوالہ کتب سے پڑھا اور لکھا جاسکتا ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت علامہ سیّد حسین صاحب قبلہ علیین مکان تحریر فرماتے ہیں کہ بیان واقعہ میں "اثارۃ للا حزان علی القتیل العطشان اسناد موثقہ کی پابندی نہیں ہے ولیس الامر منحصراً فی الاحادیث المردیۃ عن اھل العصیۃ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس معاملہ میں جو احادیث آئمہ معصومینؑ سے مروی ہوں بس انھیں پر اعتماد کیا جائے اور مورخین کے قول کو نظر انداز کردیا جائے۔ فالامر موسع فی الروایات کمافی سائر المندوبات بس سمجھنا چاہئے کہ بیان روایات میں سائر مندوبات کی طرح آزادی ہے یہی وجہ ہے جناب شیخ مفید علیہ الرحمۃ جیسی شخصیت نے کلبی۔ مدائنی۔ اربلی۔ اور ابومحنف وغیرہم کے بیانات سے تمسک فرمایا ہے۔ (مجالس مصیحہ ص ۳۴ طبع لکھنؤ)

اس اڈیشن کی خصوصیات

اس اڈیشن میں جن بیزوں پر خصوصی تبصرہ کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہیں (۱) حضرت عباسؑ کی تاریخ ولادت (۲) آپ کی تعداد اولاد (۳) آپ کے جنگ صفین میں کارنامہ اور تبدیلی لباس کی بحث (۴) علمداری کی تاریخ (۵) آپ کی عصمت کی بحث (۶) آپ کا وقار آئمہ طاہرین کی نظر میں (۷) واقعہ کربلا کا پس منظر (۸) مدینہ منورہ سے روانگی کے وجوہ واسباب (۹) تاریخ کوفہ اور کوفہ میں خفیہ سازش (۱۰) کوفہ ۶۱ھ میں شیعیان علی سے تقریباً خالی تھا (۱۱) ایام عشرہ کی ہر تاریخ کا علیحدہ بیان (۱۲) حضرت عباسؑ کے کنواں کھودنے کا شمار (۱۳) حضرت عباسؑ سے شمر کے رشتہ کی حقیقت (۱۴) ایک شب کی مہلت طلبی کے وجوہ اور جمہور مورخین کی رائے سے اختلاف (۱۵) مارد ابن صدیف سے حضرت عباس کی جنگ (۱۶) مورخ طبری کی تنگ نظری پر تبصرہ (۱۷) حضرت عباسؑ کی تدفین (۱۸) حضرت عباس کا مدفن اور تاریخ کربلا (۱۹) حضرت عباس کی عمر شریف (۲۰) حضرت عباسؑ کی نذر۔ حاضری اور سبیل کی وجہ۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ط

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی دل کی گہرائی میں ایک بہادر فرزند کی تمنا

تاریخ کی ورق گردانی کرنے والے جانتے ہیں کہ حضرت ذکریا علیہ السلام کی دعا اور تمنا سے حضرت یحیٰی علیہ السلام پیدا ہوئے۔ قرآن مجید سورہ مریم والنفس المہر م ص ۲۴۳ طبع نجف اشرف اور حضرت فاطمہ بنت اسد کی دعا اور تمنا سے حضرت علی علیہ السلام متولد ہوئے۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ا ص ۲۲ طبع بمبئی) اسی طرح حضرت علی علیہ السلام کی دعا اور تمنا سے علمدار کربلا حضرت عباس پیدا ہوئے ہیں۔

حضرت علیؑ اور جنابِ عقیل میں گفتگو:

یہ ظاہر ہے کہ فرزند رسول الثقلین حضرت امام حسین علیہ السلام پر حتمی واقع ہونے والے حادثہ کربلا سے حضرت علی علیہ السلام بخوبی واقف تھے۔ اور یہ بھی جانتے تھے کہ اس نازک دور میں میرا وجود نہ رہے گا۔ کہ میں اپنے نورنظر کی امداد کرسکوں۔ آپ کو اس موقع پر نہ ہونے کا افسوس اور اپنے فرزند کی مصیبت میں ظاہراً بھی شریک نہ ہونے کا رنج تھا۔ متفکر تھے ہی کہ دل کی گہرائی میں جوش تمنا پیدا ہوا منھ سے نکلا۔ اے کاش! میری کوئی ایسی اولاد ہوتی جو حسین کے آڑے وقت میں کام آتی۔

دل میں تمنا کا پیدا ہونا تھا کہ آپ نے اپنے بھائی حضرت عقیل کو طلب فرمایا۔ اور ان سے کہا کہ اے بھائی مجھے واقعہ کربلا کی تفصیلات معلوم ہیں۔ میرا دل بے چین ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ!

انظر الی امرأةٍ قد ولدتها الفحولة من العرب لا تزوجها فتلدلی غلامًا فارسا یکون عونًا لولدی الحسین فی کربلا. تفتیح الفال ما مقانی باب العباس ص۱۲۸ طبع ایران واسرار الشهادۃ ۳۱۹ طبع ایران ۱۲۷۹ھ و شرع شافیہ لابی نو اس و عمدۃ الطالب ص۳۵۲. ومعہ ساکبہ ص۳۳۷ وناسخ ج۳. ص۷۰۳)

آپ عرب کی کسی ایسی عورت کو تلاش کیجئے کہ جو بہادروں کی نسل سے ہو، تاکہ میں اس سے عقد کروں۔ اور اس کے بطن سے ایسا بہادر لڑکا پیدا ہو جو رزمگاہِ کربلا میں میرے فرزند حسین کی کمال انہاک سے مدد کر سکے۔

حضرت عقیلؑ جو انساب عرب سے واقف تھے حضرت علیؑ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے بولے۔ بام البنین ابکلابیۃ اے علیؑ آپ ام البنین کلابیہ کے ساتھ عقد کریں۔ لیس فی العرب اشجع من آباء ھاولا افرس. اس لئے کہ اس کے آباؤ اجداد سے زیادہ شجاع اور بہادر کوئی نہیں۔ لقد کان لبید یقول فیھم. سنئے لبید شاعر نے ان کے خاندان کی نسبی بلندی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔ ع "نحن خیر عامر بن صعصعہ" ہم ہی خاندان عامر بن صعصعہ میں بڑی عزت و منزلت کے مالک ہیں۔ جس سے کوئی عرب کا باشندہ انکار نہیں کر سکتا۔ اور اے بھائی علیؑ! سنو! من قومھا ملاعب الاسنۃ ابو براء" ام البنین ہی کے خاندان سے ابوالبراء بھی تھے جن کو (ملاعب الاسنتہ) یعنی نیزوں سے کھیلنے والا کہا جاتا تھا۔ الذی لم یعرف فی العرب مثلہ فی الشجاعۃ" جس سے بڑا شجاع سرزمین عرب نے آج تک پیدا نہیں کیا۔ (تنقیح المقال ص۱۲۸ طبع ایران)

جناب ام البنین کا باپ کی طرف سے نسب نامہ:

مورخین کا بیان ہے کہ ام البنین یعنی فاطمہ کلابیہ کا نسب یوں ہے فاطمہ بنت حزام ابن خالد ابن ربعیہ بن لوی بن غالب بن کعب ابن عامر بن کلاب بن ربیعہ ابن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن۔ (تحفہ حسینیہ ج۱ ص۱۷۸، مقتل عوالم ص۹۳، ناسخ التواریخ، ج۶، ص۲۸۷، عمدۃ الطالب ص۳۴۴، ابصار العین ص۲۶، مطالب السؤل ص۲۱۵۔ ابن ابی الحدید ج۱ ص۵۰۶، نجم المقال طبع ایران ۱۲۶۷ھ۔)

جناب ام البنین کا ماں کی طرف سے نسب نامہ:

لسان الملک کہتے ہیں کہ ام البنین کی ماں "لیلٰی بنت شہید ابن ابی بن عامر بن ملاعب الاسنہ بن مالک بن جعفر ابن کلاب تھیں۔ اور لیلٰی کی ماں "ثمامہ" بنت سہیل بن عامر بن مالک ابن جعفر بن کلاب تھیں۔ اور "ثمامہ" کی ماں عمرہ بنت طفیل (فارس قرزل) ابن مالک الاحزم بن جعفر ابن کلاب (رئیس الہوازن) تھیں۔ اور عمرہ کی ماں "کبشہ" بنت عروۃ الرجال بن عتبہ بن جعفر بن کلاب تھیں اور کبشہ کی ماں "ام الخشف کی ماں "فاطمہ" بنت جعفر بن کلاب تھیں۔ اور فاطمہ کی ماں "عاتکہ" بنت عبد شمس بن عبد مناف ابن قصیٰ ابن کلاب تھیں۔ اور "عاتکہ" کی ماں آمنہ بنت وہب بن عمر بن نصر بن حسین بن حارث بن ثعلبہ بن داؤد بن اسد بن خزیمہ تھیں اور آمنہ کی ماں دختر مجد بن صحیۃ الاغر بن اقیس بن ثعلبہ بن عکاشہ بن صعصعہ بن علی بن بکر بن وائل بن ربعیہ بن ترار تھیں۔ اور ان کی والدہ دختر مالک بن قیس بن شیبۃ تھیں۔ اور ان کی ماں دختر ذوالراسین۔ خشین بن ابی ابن عصم ابن شمح بن فزارہ تھیں اور ان کی ماں دختر عمر بن صرمہ بن عوف بن سعد بن دنیا بن بغیض "جوکث فداک" الریب بن غطفان تھیں۔ (ناسخ التواریخ جز ۳۔ ص ۲۰۳ طبع ایران)

علامہ کنتوری لکھتے ہیں۔ "فھی کریمۃ الاصل طیبۃ الولادۃ. جناب ام البنین شریف خانوادہ اور پاکیزہ، بے داغ تھیں۔ ان کا نسب نہایت ہی عمدہ تھا۔ (مائتین ص ۴۴۰)

جناب ام البنین کی خواستگاری کے لئے حضرت عقیل کا جانا:

حضرت عقیل نے حضرت علی علیہ السلام سے جناب ام البنین کی کمال مدح وثنا کرنے کے بعد کہا۔ "اگر اجازت فرمائی وے را خواستگاری کنم" اگر اجازت دیں تو میں خواستگاری کے لئے جاؤں۔ "عقیل را وکیل نمود" حضرت علی نے حضرت عقیل کو وکیل بنا کر کثیر مہر دے کر قبیلہ کلاب کی طرف روانہ فرمایا۔ حضرت عقیل خانہ حزام میں جا پہنچے۔ آپ کو صدر مجلس میں جگہہ دی گئی۔ ادائے مراسم کے بعد "از حزام ام البنین را خواستگار شد" جناب ام البنین کے والد سے ام البنین کی خواستگاری کے لئے سلسلہ جنبانی شروع کی۔ حزام نے پوچھا۔ میری لخت جگر کس کے لئے چاہتے ہو۔ فرمایا۔

"از جہت خورشید سپہر امامت، جمشید سریر کرامت، وقف معارج لاہوت، عارف مدارج ناسوت، ناشر ناموس ہدایۃ۔ کاسر ناقوس، نوایۃ، خطیب منبر سلونی، وارث رتبہ ھارونی نور جمال ازلی، شعاع بے مثال لم یزلی، حضرت علی ولی علیہ السلام برادر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم"

صرمۃ بنت معاویہ (فارس قبیلہ ہوازن بن عبادہ بن عقیل بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ تھیں اور ام الخشف۔)

یعنی میں تاجدار مملکت کمالات' حضرت علی برادر پیغمبر اسلام ﷺ کے لئے خواستگاری کی خاطر آیا ہوں یہ سن کر حزام فرط مسرت سے بے خود ہو گئے۔ اور فوراً یہ کہتے ہوئے داخل خانہ ہوئے کہ میں ابھی ابھی عرض کرتا ہوں۔

جناب ام البنین اور حزام میں گفتگو:

آپ نے گھر میں جا کر جناب ام البنین سے کہا کہ عقیل بن ابیطالب آئے ہیں اور علی بن ابی طالب تیرے خواستگار ہیں۔ بیٹی! تیری کیا رائے ہے۔ ام البنین نے جب یہ سنا "در پیرھن نہ گنجد" بے بے انتہا خوش ہوئیں اور کہا۔ "اختیار در دست پدر است" بابا جان آپ کو اختیار ہے۔ البتہ اتنا عرض کئے دیتی ہوں کہ میرے دل میں پہلے سے یہ تمنا تھی کہ میرا شوہر بے مثل و بے نظیر اور یکتا و بے ہمتا ہو خوشا نصیب کہ ولی مراد بر آنے کے اسباب پیدا ہو گئے۔ میں بالکل راضی ہوں۔ اختیار آپ کے ہاتھ میں ہے۔

حزام گھر سے باہر آئے۔ حضرت عقیل نے پوچھا۔ "حزام کیا کہتے ہو" عرض کی "جو کث فداک" میں آپ کے قربان۔ کہنا کیا ہے علی سے رشتہ قائم کرنے میں سعادت ہے۔ اس سلسلہ سے علی کو فروغ نہ ہو گا۔ بلکہ شرف و افتخار ما باشد' میری خوش قسمتی کا باعث ہے عقیل! جب دن تاریخ درست سمجھو میری نور نظر لخت جگر کو حضرت علی کی خدمت گزاری کے لئے لے جاؤ۔ جناب عقیل نے واپس آ کر صورت حاصل حضرت علی کی خدمت میں عرض کی۔ حضرت علی علیہ السلام نے خوشی کا اظہار فرمایا۔ فتزوجھا امیر المؤمنین " اور ام البنین کے ساتھ عقد کر لیا۔ پھر چند عورتوں کو خانہ حزام میں بھیجا۔ کہ وہاں سے ام البنین کو لے آئیں۔

جناب ام البنین خانہ امیر المومنینؑ میں:

عورتیں گئیں۔ اور جناب ام البنین کو آراستہ و پیراستہ کر کے لے آئیں۔ اور حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔

ام البنین فرماتی ہیں کہ میں ساری دنیا کی عورتوں پر اس بارے میں فخر کیا کرتی تھی۔ کہ ع "کنیز حضرت زہراؑ و زوجہ شاہم" میں فاطمہ زہراؑ کی کنیز اور شاہ کی زوجہ ہوں۔

علامہ قزوینی رقمطراز ہیں:

چوں قدم بآستانہ حضرت نہاد آں عتبہ عالیہ	کہ حضرت ام البنین نے حضرت علی علیہ السلام
رابوسید وارو حجلہ شد اوّل حسنین اکہ بیمار	کے گھر میں داخل ہوتے ہی ڈیوڑھی کو بوسہ دیا

بودند نشانید۔ بدور ہر کدام سہ مرتبہ گردید۔ بعد صورتہا ایشاں رابوسید۔ بوسیدؑ گریئد۔ عرض کرد۔ آقایان من وآقا زادگان من مرابکنیزی خود قبول دارید۔ تصدق شما شوم۔ من آمدہ ام خدمتگار شما باشم۔ رخت و لباس شما بشویم دوست لبینہ مشغول خدمت شما باشم مرانجا و می قبول کنید۔ (ریاض القدس ج ۲ ص ۶۶ طبع ایران ۱۳۳۲ھ[1])

اور داخل حجرہ ہو کر سب سے پہلے حضرت امام حسن و حسین کو جو بیمار تھے اٹھا کر بٹھایا۔ اور دونوں کے گرد تین دفعہ قربان ہوئیں۔ پھر منہ چوما (زلفیں سونگھیں) اور رو کر عرض کی۔ اے میرے آقا اور میرے آقا زادو۔ مجھے اپنی کنیزی میں قبول کرو۔ میں تم پر نثار۔ میں تمہاری خدمت کے لئے آئی ہوں۔ تمہارے کپڑے دھووں گی اور بدل و جان تمہاری خدمت کروں گی۔ تم مجھے اپنی خدمت کے لئے قبول کرو۔

ناظرین کرام! جناب ام البنین کے اس طرز عمل سے حضرت علیؑ کے ساتھ ساتھ روح فاطمہ زہراؑ بھی مسرور ہوگئی اس لئے کہ ان کی دلی تمنا یہی تھی کہ میرے بعد حضرت علی علیہ السلام جو عورت بھی لائیں وہ میرے بچوں کی نگہداشت کرنے والی ہو۔[1]

[1] بعض تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے حضرت فاطمہ زہراؑ کے بعد جناب ام البنین ہی کے ساتھ عقد کیا تھا چنانچہ علامہ علی بن عیسیٰ اپنی کتاب اکسیر التواریخ المعروف بہ سیر الآئمہ ترجمہ کتاب کشف الغمہ طبع بمبی ۱۳۰۸ھ کے ص ۶۲ پر لکھتے ہیں۔ زناں آنحضرت بودہ اند۔ اول فاطمہ زہرا علیہا السلام بود وتا آں معصومہ زندہ بود زن دیگر نخواست۔ بعد از وفات آں حضرت ام البنین دختر حزام بن خالد از بنی کلب نخواست۔ (ترجمہ) حضرت علی کی نو بیویاں تھیں۔ سب سے پہلی حضرت فاطمہ زہرا تھیں۔ سیّدہ عالمیان کی زندگی میں آپ نے دوسرا عقد نہیں فرمایا۔ آپ کی شہادت کے بعد جناب ام البنین بنت حزام سے عقد فرمایا۔ الخ مورخ اسلام مسٹر ذاکر حسین صاحب نے بھی اپنی تاریخ اسلام کی جلد ۳ کے ص ۲۳۹ پر امیر المومنین کی بیویوں اور کنیزوں کی جو فہرست تیار کی ہے اس میں بھی حضرت ام البنین کو دوسرے نمبر پر رکھا ہے۔ لیکن علامہ محمد باقر بن محمد حسن خراسانی قائنی اس کے مخالف ہیں۔ وہ لکھتے ہیں "در بعضے کتب معتبرہ آوردہ اند کہ ام البنین اول زنے بود کہ بعد از وفات حضرت صدیقہ امیر المومنین بعقد خود در آورد۔ وآں را تذکرۃ الخواتین نیز حکایت کردہ بعید است یا وصیت فاطمہ بتزویج (امامہ بنت زینب) (ترجمہ) بعض معتبر کتابوں میں یہ ہے کہ حضرت علی نے وفات سیّدہ کے بعد سب سے پہلے جناب ام البنین کے ساتھ عقد کیا ہے۔ تذکرۃ الخواتین میں بھی تحریر ہے۔ لیکن وصیت حضرت فاطمہ کو دیکھتے ہوئے یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ یعنی آپ نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میرے بعد امامہ بنت زینب کے ساتھ عقد کریں۔

کبریت احمر ج ۳ ص ۱۳۔ طبع ایران ۱۳۴۳ھ۔ علامہ کلینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت علی نے حضرت فاطمہ کے بعد جناب امامہ بنت زینب ہی کے ساتھ عقد کیا۔ (اصول کافی برحاشیہ مراۃ العقول۔ ج ۳ ص ۵۲۲)

حضرت عباس علیہ السلام کی ولادت

علامہ قزوینی لکھتے ہیں کہ حضرت ام البنین خانہ امیرالمومنین میں مقیم رہیں اور بصد مستعدی ہر خدمت کو فرض عین سمجھتی رہیں۔ امیرالمومنین کی دعا اور تمنا بے اثر نہ ہو سکتی تھی۔ لہٰذا وہ وقت آیا کہ عمل کا اظہار ہوا۔ تقریباً ایک سال کی مدت گزرتے ہی ایک چاند سا بچہ آغوشِ مادر میں آ گیا۔ صدائق الانس ج ۲۔ ص ۶۷ طبع ایران۔ علامہ مامقانی رقمطراز ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کے یہاں آنے کے بعد حضرت ام البنین کی گودی بھر گئی۔ واوّل ما ولدت العباسؑ اور سب سے پہلے جو بچہ پیدا ہوا وہ حضرت علی کی تمناؤں کا مجموعہ تھا جس کا نام عباسؑ بن علی رکھا گیا۔ تنقیح المقال ص ۱۲۸ باب العباس من ابواب العین طبع ایران۔

حضرت عباس کی تاریخ ولادت:

علمدار کربلا حضرت عباس علیہ السلام کا ۲۶ھ میں پیدا ہونا متفق علیہ ہے کسی معتبر مورخ نے سن ولادت میں اختلاف نہیں کیا۔ سب یک زبان کہتے ہیں۔ ولد ستہ سنت و عشرین من الھجرۃ آپ ۲۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ابصار العین ص ۲۵ طبع نجف اشرف ۱۳۴۱ھ تنقیح المقال ص ۱۳۸ طبع ایران لیکن تاریخ ولادت میں سخت اختلاف ہے (۱) (۲) جناب مولوی سیّد محمد ضامن صاحبؒ (کراری ضلع الہ آباد) نے اپنے رسالہ جواہر زواہر قلمی کے ص ۱۰۹ھ پر آپ کی تاریخ ولادت ۱۹ جمادی الاوّل ص ۱۱۱ پر بقولے ۱۸ رجب المرجب تحریر فرمائی ہے (۳) جناب مولانا سیّد اکبر مہدی صاحب سلیم جرولی اپنی کتاب جواہر البیان کے ص ۲۳۷ پر بحوالہ محرق الفواد ۲۶ جمادی الثانیہ تحریر فرماتے ہیں (۴) جناب شاہ محمد حسن صاحب صابری چشتی (صوفی) نے اپنی کتاب آئینہ تصوف کے ص ۴۴۶ طبع رامپور ۱۳۱۱ پر ۱۸ رجب تحریر کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

''حضرت عباس علمدار بن علی کرم اللہ وجہ بتاریخ ۱۸ رجب المرجب بروز پنجشنبہ بوقت صبح مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔''

(۵) اہل ایران کے نزدیک آپ کی تاریخ ولادت ۴ شعبان المعظم ہے مشہد مقدس

کے علمی آرگن ندائے ترقی" ماہ شعبان ۱۳۵۰ھ کے ص ۲۲۷ پر مرقوم ہے۔"ولادت باسعادت باب الحوائج قمر بنی ہاشم حضرت بوالفضل العباس را آقایان نجف لیلہ چہارم ماہ شعبان از اسناد معتبرہ موثقہ بدست آوردہ اند الخ (٦) جناب مولوی محمد ظفریاب صاحب زائر نے اخبار اثنا عشری دہلی مئی ۱۹۰٦ء کے صفحہ ۱۱ کالم ۳ پر ۲ جمادی الاوّل تحریر کی ہے۔

تحقیق:

مذکورہ بالا اقوال پر جب تحقیقی نظر ڈالی جاتی ہے تو ۴ر شعبان والے قول کو ترجیح نکلتی ہے۔یعنی اس کے علاوہ دیگر غیر مستند ہونے کی وجہ سے نا قابل التفات ہیں۔اس لئے کہ اس مجلیہ علمیہ میں علمائے نجف کی تحقیق کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ان کے مقابلہ میں غیر موثق اقوال قابل اعتناء نہیں ہو سکتے۔

دیکھئے علماء نے بوقت شہادت آپ کی عمر ۳۴ سال تحریر کی ہے۔اگر پورے ۳۴ سال عمر شریف مانی جائے تو تاریخ ولادت کا ۱۰ ذی الحجہ ماننا ناگزیر ہے۔اور یہ ظاہر ہے کہ ۱۰ ذی الحجہ کو آپ کی ولادت کا ہونا کسی غیر معتبر کتاب میں بھی نہیں ہے۔اسی وجہ سے صاحب تاریخ آئمہ نے یہ نتیجہ برآمد کیا ہے کہ آپ کی عمر شریف ۳۴ سال چند ماہ تھی۔ص ۲۹٦۔اب سوال یہ ہے کہ پھر عام علماء نے ۳۴ سال کیوں تحریر فرمائی ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے عرف عام کے مطابق تحریر کیا ہے۔اور ایسے استعمالات اردو میں بھی بکثرت موجود ہیں۔

غرضکہ بوقت شہادت آپ کی عمر شریف ۳۴ سال چند ماہ ماننے بغیر چارہ نہیں۔تو اب دیکھنا یہ ہے کہ اقوال مذکورہ بالا میں سے کونسا قول ایسا ہے جو ۳۴ سال چند ماہ والی تحقیق کی تصدیق کر سکے۔یہ ظاہر ہے کہ ۳۴ سال کے بعد "چند ماہ والی مدت" جو ہے وہ کم سے کم تسلیم کی جائے گی۔

اب ۴ شعبان ۲٦ھ کو تاریخ ولادت قرار دے کر ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ تک آپ کی عمر کا حساب کیا جاتا ہے تو غالباً ۳۴ سال ۵ ماہ ٦ یوم ہوتے ہیں۔جو دیگر تاریخوں کے حساب سے کم نہیں۔

مختصر یہ کہ حضرت عباس علیہ السلام ۴ شعبان المعظم ۲٦ھ مطابق ۱۸ مئی ٦۴۷ء یوم سہ شنبہ کو پیدا ہوئے۔

۴ شعبان کو ارباب تحقیق نے مان لیا:

ناظرین اکرام! آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے ذکر العباس طبع اوّل ص ۴، ۱۳۵۵ھ کے ذریعہ سے اپنی تحقیق دنیا کے سامنے پیش کی۔جس میں نمایاں طور پر یہ واضح کیا کہ حضرت عباس کی

تاریخ ولادت ۴ شعبان ۲۶ ھ ہے۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہندوستان کے باشندوں نے میری تحقیق کو سراہا۔ اسی تاریخ کو عام شیعیان حیدر کرار نے محفلیں منعقد کیں اور ارباب تحقیق نے اپنی کتابوں اور تحریروں میں اسے لکھ کر اپنے ماننے کا ثبوت پیش فرمایا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں سلطان المحققین جناب مولانا سیّد علی حیدر صاحب قبلہ ایڈیٹر اصلاح کھجوہ ضلع سارن و جناب مولوی سیّد عابد حسین صاحب ایڈووکیٹ۔ ایڈیٹر مسلم ریویو مدرستہ الواعظین لکھنو کے اسمائے گرامی پیش کروں۔ اوّل الذّکر صاحب نے اپنی تاریخ آئمہ صفحہ ۲۹۳ طبع ۶ ۱۳۵ھ میں اور آخر الذکر نے مسلم ریویو۔ ج ۲۴ نمبر ۳ میں تسلیم فرمایا ہے۔ لکھنو جو شیعیت کا مرکز ہے وہاں بھی آپ کی محفل میلاد ۴ رشعبان ہی کو ہوا کرتی ہے۔

یہ حُسن اتفاق ہے کہ تاجدار کربلا حضرت امام حسینؑ ۳ شعبان المعظم اور علمدار کربلا حضرت عباس علیہ السلام ۴ شعبان المکرّم کو پیدا ہوئے۔ حضرت نسیم امروہوی کہتے ہیں ؎

تیسری کو تو نے پایا فاطمہ کا ماہتاب	صاحب والنجم کی منزل کا پر انوار چاند
کہتے تھے اوج وفا کا حیدر کرار چاند	وہ بنی ہاشم کا چاند آیا ہے چوتھی کو جسے

☆☆☆☆☆
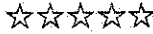
حضرت عباسؑ کی پیدائش پر حضرت علیؑ کا گریہ

علامہ صدرالدین قزوینی لکھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام ایک دن وارد خانہ ہوئے۔ فرمایا میرے نورنظر کو میرے پاس لاؤ۔ سفید پارچہ میں لپیٹ کر حضرت عباس آپ کی آغوش مبارک میں دیئے گئے۔ آپ نے چہرہ عباسؑ سے کپڑے کو ہٹایا۔ ''ماہے درسحاب دید'' چہرہ قمر بنی ہاشم پر نظر ڈالی اور فوراً پیشانی فرزند کو بوسہ دیا۔ اس کے بعد اس پارچہ سے حضرت عباس کے ننھے ننھے ہاتھوں کو نکالا اور دست و بازو' کلائی و سرپنجہ کو بغور دیکھا۔ چشم مبارک سے آنسوؤں کے موتی ٹپکنے لگے ''آغا زنالہ وزاری کرد'' اور آپ نے رونا شروع کر دیا۔ آپ کا رونا تھا کہ چاہنے والی ماں کے منہ کو جگر آنے لگا۔ دست بستہ عرض کی۔ ''آقا مگر در دست و سرپنجہ پسرم عیبے مشاہدہ فرمودی کہ ایں قدر گریہ کر دی۔'' میرے مولا! آپ نے میرے اس فرزند دلبند کے ہاتھوں اور انگلیوں میں کیا دیکھا کہ اس قدر گریہ فرمانے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ اے ام البنین یہ مت پوچھو! ام البنین نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کے اندر وہ راز ہے کہ تم اس کو معلوم کر کے تاب ضبط نہ لا سکو گی۔ لیکن ماں کے مضطرب دل کو کب سکون ہو سکتا تھا۔ اصرار پر اصرار کرتی گئیں۔ اور آپ یہی فرماتے رہے کہ ''تاب شنیدن نہ داری'' اے ام البنین! تم نہ سن سکو گی۔ الغرض آپ نے فرمایا: اے ام البنین ۔

یاد آمدم آں روز کہ عباس دلاور   بے دست شود از ستم فرقۂ اکفر

ارے آج وہ دن یاد آ گیا جس دن ہمارے اس فرزند کے دونوں ہاتھ جفا، جو اور ستم پرور مسلمانوں کی تلواروں سے کاٹے جائیں گے۔ اس کے سر پر گرز آہنی اور سینے پر نیزا لگے گا۔ اور یہ تین دن کا بھوکا و پیاسا سرزمین کربلا پر شہید کیا جائے گا۔ (ریاض القدس۔ جلد ص ۲ صفحہ ۶۷)

حضرت علیؑ کی پیشانی سجدہ خالق میں

بطن جناب ام البنین سے چاند سا بچہ پیدا ہوا۔ لوگوں نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو مژدہ مسرت سنایا۔ کہ ''ام البنین فرزندے قمر منظر بوجود آوردہ''۔ کہ ام البنین کے شکم مبارک سے ایک ماہ رو بچہ پیدا ہوا ہے۔ حضرت علیؑ نے خبر مسرت اثر پاتے ہی اپنی پیشانی مبارک سجدہ خالق میں رکھدی یعنی مطلب یہ تھا کہ خالق! میری ولی تمنا بر آئی۔ اب میرے حسینؑ کی امداد ہو سکے گی۔ (ریاض القدس ج ۱ ص ۶۷)

حضرت عباسؑ کی پہلی نظر چہرہ امام حسینؑ پر

تاریخ کے چہرہ پر نظر ڈالنے والے جانتے ہیں کہ جب حضرت علی علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ اپنی آنکھوں کو اس وقت تک بند رکھا تھا۔ جب تک کہ پیغمبر اسلامؐ تشریف نہ لائے۔ جب آپؐ تشریف لائے اور اپنی آغوشِ مبارک میں تاجدار اسلام کو لیا۔ تو آپ نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ اور چہرہ رسالت پر پہلی نظر ڈالی تھی۔ (راحتہ ذی الصلابتہ فی محبتہ الصحابہ قلمی) [1]

حضرت عباس چونکہ اسی وفادار اسلام کے فرزند تھے۔ لہٰذا آپ نے بھی وہی طرز اختیار کیا جو امیر المومنین علیہ السلام نے پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں عمل فرمایا تھا۔ آپ کی آنکھیں بھی اس وقت تک بند رہیں۔ جب تک کہ امام حسین علیہ السلام تشریف نہ لائے۔

شارح زیارتِ ناحیہ کی تحقیق ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ کو خبر ملی اور آپ تشریف لائے۔ اپنے بھائی کو آغوش امامت میں لیا۔ کان میں اذان واقامت کہی۔ آپ نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ اور سب سے پہلے چہرہ امام حسینؑ پر نظر ڈالی۔

زبانِ امام حسینؑ دہنِ عباسؑ میں:

تاریخ شاہد ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ پیغمبر اسلامؐ نے زبان مبارک دہن اقدس میں دے کر بزبانِ حال اقرارِ جانبازی لے لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت علی شمع رسالتؐ پر ہر وقت پروانہ دار نثار ہونے کو تیار رہا کرتے تھے۔ کسی وقت آنحضرتؐ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ جب نبرد آزمائی کا موقعہ آیا نہایت ہی بے جگری سے لڑے۔ جب جاں نثاری کا محل آیا۔ آنحضرتؐ کے پسینے پر اپنا خون بہادیا۔ ہجرت کے موقع پر تلواروں کے سایہ میں میٹھی نیند سو کے بتا دیا کہ حمایت اس کا نام ہے حضرت امام حسینؑ بہ نص قرآنی حضرت محمد مصطفٰے صلعم کے فرزند اور حضرت عباس حضرت علی کے نور نظر تھے آنحضرتؐ کا جو برتاؤ حضرت علی کے ساتھ اور حضرت علی کا جو سلوک حضرت محمد مصطفٰے صلعم کے ساتھ تھا۔ بعینہ وہی برتاؤ حضرت عباس کا حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ہونا چاہیے۔

شارح زیارتِ ناحیہ لکھتے ہیں کہ حضرت عباس نے بھی پیدا ہونے کے بعد نہ ماں کا دودھ پیا نہ دائی کا۔ جب حضرت امام حسین تشریف لائے اور آغوشِ مبارک میں لے کر دہنِ اقدس میں زبانِ

[1] امام کا کی لکھتے ہیں کہ جب علی بطن مادر میں تھے تو ابو طالب نے آنحضرتؐ سے کہا کہ اگر ہمارے یہاں مولود لڑکا ہوگا تو آپ کا غلام اور لڑکی ہوگی تو آپ کی کنیز ہوگی۔ رجب ۲۰ اسکندری میں جب حضرت علی کعبہ میں پیدا ہوئے تو بنتِ اسد نے انہیں کپڑے میں لپیٹ رکھا۔ ابو طالب نے کہا اس کا منہ اس وقت تک نہ کھولنا جب تک محمد نہ آجائیں۔ آنحضرت تشریف لائے آغوش میں لیا اور علی نام رکھا۔ (ارجح المطالب ص ۳۸۷)

اطہر دی تو حضرت عباس نے اسے چوسنا شروع کر دیا۔ گویا امام حسین نے اسی طرح اقرار جانبازی لے لیا جس طرح سرور کائناتؐ نے لعاب دہن چسا کر حضرت علی سے عہد وفاداری لیا تھا۔ چنانچہ آپ تاعمر "انا عبد من عبید محمدؐ" فرمایا کرتے تھے۔ (نور الانوار ص ۲۱۹)

حضرت عباس مسجد میں:

حضرت امام حسینؑ لعاب دہن سے سیراب کرنے کے بعد حضرت عباس کو لے کر عبا سے سایہ کیے ہوئے داخل مسجد ہوئے اور حضرت علی علیہ السلام سے عرض کی۔ "بابا جان یہ بچہ مجھے بہت ہی پیارا ہے۔ لہٰذا اس کی پرورش اور پرداخت میں کروں گا۔ حضرت علی نے فرمایا۔ بیٹا بڑی خوشی کی بات ہے۔

امام حسینؑ مسجد سے واپس ہوتے ہوئے پھر عرض کرتے ہیں۔ بابا جان! کیا وجہ ہے کہ جب اس کی محبت جوش مارتی ہے تو ساتھ ہی ساتھ میرا دل بھی بھر آتا ہے۔ حضرت علی نے فرمایا۔ "بیٹا خاصان خدا کے لئے رنج و غم توام ہیں۔ آج یہ بچہ تمہیں مسرور کر رہا ہے لیکن ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے کہ تم "الآن انکسر ظھری" کہہ کر روتے ہوگے۔ امام حسین نے اشارہ کی تفصیل چاہی۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹا! جبریل امین تیری شہادت کا محضر لائے تھے۔ اس میں مرقوم تھا۔[۱] الحسین سیّد الشھداء[۲]۔ والعباس حامل اللواء [۳]۔ کہ حسین شہداء کے سردار اور عباس علمبردار کربلا ہوں گے۔ (علماء کہتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہؐ کو بارہا کہتے ہوئے سنا ہے کہ حسین تین دن کے بھوکے پیاسے صحرائے کربلا میں شہید ہوں گے۔ (ینابیع المودۃ ص ۳۱۸، تحریر الشہادتین، شرح سر الشہادتین ص ۸۳۔ طبع لکھنؤ) اور عباس نہر فرات پر جا کر اپنے شانے قلم کرا دے گا۔ اے حسینؑ ذرا عباس کے شانے کھولو۔ شانے کھولے گئے۔ حضرت نے اس پر دو نشان دکھلائے فرمایا۔ ایک علم کا اور دوسرا سکینہ کی سوکھی مشک کا نشان ہے (واللہ اعلم)

(ریاض الشہداء ص ۲۵۹، طبع دہلی۔ ۱۳۵۲ء)

---

[۱] محضر نامہ کے سلسلہ میں علامہ کلینی رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ روائتیں درج فرمائی ہیں۔ ان حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے: حضرت صادق آل محمد فرماتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آسمان سے ایک وصیت نامہ نازل ہوا۔ جس میں حضرت آئمہ کرام پر گزرنے والے واقعات تحریر تھے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام واقعات کا مطالعہ فرمایا۔ جب واقعہ کربلا پر نظر کی۔ "فارتعدت مفاصل النبی" آپ کے جوڑ بند کانپنے لگے۔ پھر حضرت علی اور فاطمہ زہرا اور امام حسن علیہم السلام نے ملاحظہ کیا۔ ان کے بعد امام حسین نے پڑھا۔ "قصر زمایاتی بعی" اور آپ کو واقعہ شہادت کا علم ہوا۔ یہ وصیت نامہ ہر امام کے پاس یکے بعد دیگرے رہا۔ یہاں تک کہ کربلا میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے حوالہ کیا گیا۔ اور اب بھی حضرت امام مہدی آخر الزماں کے پاس موجود ہے۔ (اصول کافی ص ۱۳۵، طبع ایران ۱۲۸۱ھ رئیس الموحدین ملا مہدی نراقی ص ۱۳۸۔ مقاصد الاسلام حصہ ۶۔ ص ۵۹ طبع حیدر آباد ۱۳۳۲ھ

حضرت عباسؑ کی رسمِ عقیقہ اور نام:

عقیقہ اسلامی نقطہ نظر سے سنت موکدہ ہے (مفاتیح الشرائع قلمی ۱۲۴۷ھ) آپ کی ولادت کے ساتویں دن یہ رسم عمل میں لائی گئی۔ اور عباس نام رکھا گیا۔

ناظرین کرام! اس بہادر فرزند کا عباس نام رکھنا نہایت ہی مناسب تھا۔ اس لئے کہ! شیر کا بچہ شیر ہی ہوتا ہے۔ حضرت علی کا نام حیدر بھی تھا۔ عمدۃ الطالب ص ۱۴۱ میں ہے۔ **یسمی امیر المومنین علی حیدر لانہ حیدرہ من اسماء الاسد.** امیر المومنین علی کو حیدر اس لئے کہتے ہیں کہ آپ بڑے بہادر تھے۔ اور حیدر شیر کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ تو جس طرح حیدر شیر کے ناموں میں سے ایک نام ہے اس طرح عباس بھی ہے۔ "**العباس من اسماء الاسد**" شیر کے ناموں میں سے ایک نام عباس بھی ہے۔

حضرت عباس کا اسم گرامی اور لغات:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نامِ نامی کے متعلق ارباب لغات کے بیانات پیش کئے جائیں تا کہ اس نام کی وقعت کچھ اور بلند ہو سکے۔ ملاحظہ ہو۔

(۱) مسٹر یو ایس مسیحی المنجد ص ۵۰۳ میں لکھتا ہے کہ عباس کے معنی زیادہ ترش رو کے ہیں اور یہ شیروں کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

(۲) راجہ راجیشور راین راجہ امایت راؤ اپنی کتاب افسر اللغات طبع حیدر آباد دکن ۱۳۲۳ھ کے صفحہ ۴۷۶ پر لکھتے ہیں۔ عباس اسم فرزند علی مرتضیٰ بمعنی شیرِ درندہ اور مرد پہلوان۔

(۳) ملا عبد العزیز بن محمد سعید اپنی کتاب لغاتِ سعیدی طبع کانپور ۱۹۳۹ء کے ص ۳۵۶ پر تحریر کرتے ہیں عباس شیر، ترش رو، نام حضور سرور کائناتؐ کے چچا اور حضرت علی کے ایک بیٹے کا۔

(۴) مصنف غیاث اللغات فصل عین مع الباء طبع لکھنؤ کے صفحہ ۲۸۰ پر لکھتے ہیں۔ "عباس بالفتح وتشدید ثانی بمعنی شیر درندہ و نام عمِ پیغمبر کہ خلفائے عباسیہ منسوب بادہستند و نام فرزند علی کرم اللہ وجہہ کہ از زوجہ کہ بعد وفات حضرت فاطمہ بنکاح آوردہ بودند۔

علامہ کنتوری لکھتے ہیں۔ ان اصحاب الحسین الذین استشھد ومعہٗ کانت اسمائھم مکتوبتہ فی العھد الذی جاء جبرئیل۔ محضر شہادت میں تمام شہداء کے نام درج تھے۔ پھر تحریر فرماتے ہیں۔ ان الحسینکان ازالفی احدا من انصافی ذالک السفر فیہ بلاذالک العھد۔ کہ امام حسین اس سفر کربلا میں جب اپنے کسی مددگار سے ملتے تھے تو وہ محضر شہادت دکھلا دیا کرتے تھے۔ (کحتین ص ۳۶۵)

۲۔ حضرت امام حسینؑ کے سید الشہداء ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن مولوی عبد الشکور صاحب لکھنوی نے جو حدیبیہ کے موقع پر شک کرنے والے کے پیرو ہیں۔

(۵) صاحب لغات سرداری طبع لکھنؤ ۱۸۷۷ء کے صفحہ ۲۸۶ پر لکھتے ہیں۔ عباس نام عم آنحضرتؐ و فرزند علی مرتضیٰ بمعنی درندہ شیر و مرد پہلوان۔

(۶) نور اللغات ج ۳ صفحہ ۵۳۷ طبع لکھنؤ ۱۳۴۶ھ میں ہے "عباس بمعنی شیر درندہ"

(۷) جامع اللغات محمد رفیع طبع الہ آباد ۱۹۳۴ء کے صفحہ ۱۷۴ پر ہے۔ "عباس" آنحضرتؐ کے چچا کا نام جن کی اولاد سے خلفائے عباسیہ ہیں۔ حضرت علیؑ کے ایک صاحبزادے جو کربلا میں شہید ہوئے۔"

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام شجاع تھے۔ علامہ شھیر تحریر فرماتے ہیں کہ کمال شجاعت کی وجہ سے آپ کا اسمِ گرامی عباس رکھا گیا۔" کبریت احمر جز ۳۔ ص ۴۴

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عباس علیہ السلام شجاعت علویہ کے ورثہ دار تھے۔ اور بمفاد۔ الولد سر لابیہ (ع) " بیٹا وہی قدم بہ قدم ہو جو باپ کے" آپ حضرت علی علیہ السلام کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

ذہن عباسؑ میں معرفتِ باری کی ایک عاقلانہ لہر

غیاث اللغات صفحہ ۳۴۵ میں ہے کہ یقین کے تین درجے ہیں۔ ۱۔ علم الیقین ۲۔ عین الیقین ۳۔ حق الیقین۔ یہ ظاہر ہے کہ جو مدارج یقین میں سے جتنے درجے طے کر سکے گا وہ اسی قدر معرفت باری کی منزلوں پر بھی فائز ہوگا۔ انجیل یوحنا کے باب ۱۴ آیت ۲۶ طبع لاہور میں ہے کہ حضرت عیسیٰ پانی پر چلتے تھے۔ الخ

---

۱ اپنے انجم سیّد الشہداء المحرم ۱۳۵۵ھ میں امام حسین کے سیّد الشہداء ہونے سے انکار کیا ہے۔ حالانکہ ان کا انکار بالکل بے بنیاد ہے۔ کثیر علما و ارباب قلم آپ کے سیّد الشہداء ہونے پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ ایڈیٹر الفقیہ امرتسر لکھتے ہیں۔ بدر کے شہیدوں کے امتیاز سے حضرت امیر حمزہؓ سیّد الشہداء کہلانے کے مستحق ہیں اور امام حسین تمام شہیدوں کے اعتبار سے سیّد الشہداء کے لقب کے مستحق ہیں۔ (الفقیہ امرتسر جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ

۲ محب الدین بغدادی انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا۔ کہ کشتی نوحؑ کی تیاری کے سلسلہ میں حضرت جبریلؑ ایک صندوق لائے جس میں ایک لاکھ انتیس ہزار میخیں تھیں۔ سب میخیں کشتی میں جوڑ دی گئیں۔ جب آخری پانچ میخیں رہ گئیں تو وہ چمک اٹھیں جبرئیلؑ نے ہر ایک کو مناسب مقام پر لگایا۔ جب آخری میخ اٹھائی تو جبریل نے کہا ھذا مسمار الحسین ابن علی سیّد الشہداء یہ حسین بن علی کے نام کی کیل ہے جو سیّد الشہداء ہیں تاریخ ابن تجار بغدادی قلمی۔

۳ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ چوں حضرت امام حسین سیّد الشہداء از دست اشقیاء شام عراق منصب شہادت یافت (تحفہ اثنا عشریہ ص ۴۴۔ طبع لکھنؤ نولکشور پریس ۱۸۹۶ء (۴) عبد الرحمٰن جامی قصیدہ فرزدق کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔ قرۃ العین سیّد الشہداء است۔ زہرہ شاخ دوحہ زہرا است

پیغمبرؐ اسلام ارشاد فرماتے ہیں "لو اذداد یقینا لمشی علی الھوی" اگر عیسیٰ کا یقین اور زیادہ کمال پر ہوتا تو یقیناً وہ ہوا پر چلتے۔ اب ذرا حدیث بساط کے ماننے والے اور خیبر میں ہوا کے دوش پر علی کے قدم دیکھنے والے علی کے مدارج یقین کا اندازہ لگائیں۔ اگر انسانی طاقت اس کے اندازہ سے قاصر ہو تو علی ہی سے پوچھیں کہ حضرت آپ کا یقین کس حد کا ہے تو وہ فرمائیں گے۔ میں معرفت الٰہی کے بارے میں اتنا بڑھا ہوا ہوں کہ لو کشف الغطاء لم ازدوت یقینا کہ اب اگر پردے ہٹادے جائیں تو بھی میرے حد یقین میں اضافہ ناممکن ہے۔

ناظرین کرام! باپ کا اثر اکثر بیٹے میں ضرور ہوتا ہے۔ اب علیؑ جیسے عارف باللہ کے صلب مبارک سے جو بچہ پیدا ہو اس میں بھی علوی کمال کی جھلک ضرور ہونی چاہیے۔ علامہ برغانی[۱] لکھتے ہیں کہ: دارد شد کہ عباس طفل بود۔ برزانوئے علی نشستہ وزینب ہم طفل بود برزانِ دیگر نشستہ' مروی ہے کہ حضرت عباس نہایت کمسنی کے عالم میں حضرت علی کے ایک زانو پر بیٹھے ہوئے تھے اور دوسرے زانو پر زینب[۱] تشریف فرما تھیں۔ "جناب علی فرمود۔ کہو۔ واحد۔ گفت واحد۔ فرمود بگو اثنین عرض گرداںید کہ شرم می دارم بزبانے کہ یکے گفتہ ام دو بگویم" یعنی امیر المومنین نے دستور زمانہ کے مطابق تعلیم کے سلسلہ میں حضرت عباس سے فرمایا کہ نور نظر یوں گنتی گنو۔ کہو' ایک' عباس نے کہا۔ ایک۔ پھر حضرت علی نے فرمایا۔ کہو۔ دو' عرض کی گستاخی معاف! ع۔ "میں ایک کا قائل ہوں کبھی دو نہ کہوں گا" اے بابا جان مجھے شرم آتی ہے کہ جس زبان سے ایک کہہ کر وحدت باری کا اقرار کر چکا ہوں اب اسی زبان سے دو کیونکر کہوں۔ (یہ تو شرک ہے) آحضرت علی را خوش آمد' بوسہ داد' حضرت علی نے اس معرفت میں ڈوبے ہوئے جواب کو سن کر عباس کے لبوں کا بوسہ لیا'
(مجالس المتقین صفحہ ۲۴۷ طبع ایران ۱۲۶۲ھ)

دیکھئے یہ ہے معرفت باری اور اس کو کہتے ہیں یقین خداوندی۔ گودیوں میں کھیلنے والا بچہ کس طرح پر قرآن مجید کی آیت "لا تتخذوا الھین اثنین" (دو خدا قرار نہ دو) پر عمل کر کے اپنے کمال عقیدہ اور اپنی معرفت کا ثبوت دیتا ہے۔ دراصل اسی آغاز کا انجام ہے کہ حضرت صادق آلِ محمدؐ حضرت عباس کو خطاب نافذ البصیرت' صلب الایمان دینے پر مجبور ہونا پڑا۔ عمدۃ الطالب ص ۳۲۳

---

[۱] ملا محمد مبین فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ "الباب الثالث فی ذکر سیّد الشہداء" وسیلہ النجاۃ ص ۵۹ ۴ طبع لکھنؤ ۹۵ء (۶) محمد ابراہیم خاں اکبرآبادی تذکرہ حالات خواجہ معین الدین اجمیریؒ میں لکھتے ہیں" حضرت امام زین العابدین ابن سیّد الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام (تذکرہ حالات خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ص ۶ طبع آگرہ ص ۱۳۳۱ (۷) فاضل صوفی لکھتے ہیں کہ دربار یزید میں لوگوں نے جناب زینب کو پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ جواب دیا۔ حضرت امام حسین سیّد الشہداء کی بہن ہیں۔ (ذکر الشہادتین ص ۹۵ طبع کانپور ۱۹۲۷ء)

ناظرین کرام! یہ تو حضرت علی کے ایک زانو پر بیٹھنے والے کی معرفت کا ذکر تھا۔ اب ذرا اس دوسرے زانو کی طرف بھی نظر کر لیجئے۔ جس پر ایک چھوٹی سی لڑکی بیٹھی ہوئی ہے۔ لڑکا بھی علی کے صلب سے اور لڑکی بھی علی کے صلب سے۔ لڑکا اگر اثرات علویہ سے با معرفت ہے تو لڑکی بھی علوی اثر کی وجہ سے پر معرفت ہونی چاہئے۔

مولانا سیّد علیؒ شاگرد جناب سلطان العلماؒ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عباس کی گفتگو تمام ہوتے ہی جناب زینب بنت علی نے عرض کی۔ بابا جان! کیا آپ کے دل میں ہم لوگوں کی محبت ہے۔ آپ نے فرمایا بے شک' عرض کی بابا جان! کیا ایک دل میں دو محبت جمع ہو سکتی ہیں۔ یہ تو بظاہر ناممکن ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کو بھی چاہیں اور ہم لوگوں کی محبت بھی اپنے دل میں رکھیں۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہوں اور ہم لوگوں پر شفقت و مرحمت فرماتے ہوں۔ یہ سن کر حضرت علی بے انتہا خوش ہوئے۔ (مجالسِ علویہ' باب ا' ص ۹۳ طبع لکھنؤ ۱۲۹۲ء)

حضرت عباسؑ کا بچپن اور حضرت سیّد الشہداءؑ کی خدمت

حسین محضر نامہ دیکھ چکے تھے پیغمبرِ اسلام سے سن چکے تھے اور حضرت علی سے معلوم کر چکے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ واقعہ کربلا ہوگا اور ضرور ہوگا۔ (ذخیرۃ المآل' علامہ عجیلی و مسند احمد ابن حنبل۔ ج ۔ا صفحہ ۸۵) اور یہ بھی جانتے تھے کہ یہی برادر عزیز میرا پورا قوت بازو ہوگا۔ اسی بناء پر آپ حضرت عباس سے بہت محبت کرتے تھے اور وہ بھی اپنے اوپر تمام احسانات کو جو سیّد الشہداءؑ کی طرف سے ان کے متعلق تھے دیکھا کرتے تھے اور شمع امامت کے بچپنے ہی سے پروانہ بنے ہوئے تھے۔ سنا جاتا ہے کہ حضرت عباس فرطِ محبت سے امام حسین کے پاؤں کی خاک اپنی آنکھوں سے لگا لیا کرتے تھے۔

حضرت عباس کو یہ گوارا نہ تھا کہ حسین کی کوئی خدمت ایسی ہو جو ان کے علاوہ دوسرے بجا لائیں۔ مسجد کوفہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ آپ کے پہلوئے مبارک میں آپ کے دلبند حسین فروکش تھے۔ بادشاہ کربلا کو پیاس محسوس ہوئی۔

منشی عبد اللہ ابن خدا بخش لکھتے ہیں۔ ابن زیاد نے سب کو قید خانہ بھجوا دیا اور جناب سیّد الشہداءؑ کے سر مبارک کو شہر کوفہ کے پھاٹک پر لٹکا دیا۔ (اصلی سچا شہادت نامہ ص ۳۳ طبع لکھنؤ ۱۳۲۲ھ (۹) حافظ محمد خالق حنفوی جواز تعزیہ کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔ نقل العبادۃ روضہ سیّد الشہداءؑ فکما بناء المساجد جائز شرعا ہکذا بناء التعزیہ) (جواز التعزیہ طبع میرٹھ ۱۳۳۲ھ (۱۰) مولانا محمد لطیف فرنگی محلی لکھتے ہیں سیّدنا حضرت امام حسین کے لئے لفظ سیّد الشہداءؑ کا استعمال کرنا صحیح ہے۔ اور اس کی محبت کے لئے صرف یہ دلیل کافی ہے کہ استاد الہند حضرت نظام الدین خطبہ جمعہ میں حسین کو سیدی الشہداء استعمال کیا کرتے تھے۔ (ابصار العین) ص ۴۵ لکھنؤ ا زینب سے مراد زینب صغریٰ بنت علی مراد ہیں جن کی عمر جناب عباس کے مساوی تھی جو حضرت علی کی ایک بیوی کے بطن سے تھیں انوار الابصار ص ۹۳ تاریخ ابن الوردی۔ ج ا ص ۱۶۵۔ نور مبین علی محمد خاں آغا خانی ص ۴۷۔ کبریت احمر ص ۱۶۔

ہوئی۔ قنبر سے جو آپ کے خاندانی غلام تھے۔ فرمایا۔ ''اسقنی من الماء'' قنبر ذرا پانی تو پلانا۔ حکم پاتے ہی قنبر اٹھے۔ حضرت عباس نے جو اس وقت نہایت ہی کمسن تھے۔ قنبر سے فرمایا۔ ٹھہرو۔ اپنے آقا کے لئے میں پانی لاؤں گا۔

حضرت عباس پانی کے لئے گئے اور آب سرد کا ایک جام بھرا۔ بچپنے کا عالم تھا۔ حسینی جام کو سر اقدس پر رکھا اور لے کر چلے۔ پانی چھلکا اور آپ تر ہو گئے۔ حسینؑ کے پاس پہنچے۔ بدن مبارک پر چھلکا ہوا پانی دیکھا واقعہ کربلا یاد آ گیا اور آپ اشکبار ہو گئے۔ (چہل مجلس ص ۳۱۲ طبع لکھنؤ)

اس واقعہ میں یہ ضرور کہا جاتا ہے کہ کمسنی کی وجہ سے آپ نے سر پر پانی کا جام رکھا تھا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ عباس کو یہ دکھلانا تھا کہ میں اپنے آقا کے کاموں کو سر آنکھوں سے کرتا ہوں۔

حضرت عباسؑ کے بھائیوں کی پیدائش

حضرت عباس کے حقیقی بھائی جناب عبداللہ اور جناب عثمان اور جناب جعفر تھے۔ حضرت عباس کے تقریباً نو دس برس بعد بطن جناب ام البنین سے جناب عبداللہ پیدا ہوئے۔ اور جناب عبداللہ سے ۲ سال بعد جناب عثمان بن علی پیدا ہوئے۔ اور جناب عثمان سے تقریباً دو سال بعد جناب جعفر ابن علی پیدا ہوئے۔ جیسا کہ ابصار العین وغیرہ سے مستنبط ہوتا ہے۔

عثمان کی وجہ تسمیہ:

آپ کی پیدائش کے بعد حضرت علی نے آپ کا نام عثمان رکھ کر فرمایا۔ ''ستمیتہ باسم اخی ابن مظعون'' میں نے اس کا نام عثمان اپنے قوت بازو عثمان ابن مظعون کے نام پر اس لئے رکھا ہے تاکہ ان کی یاد تازہ رہے۔ (تحفۂ حسینیہ ج ا صفحہ ۱۶۳ و مقتل عوام ص ۹۳)

جعفر کی وجہ تسمیہ:

آپ کی پیدائش کے بعد حضرت علیؑ نے آپ کا نام جعفر رکھا تاکہ جعفر طیار کی یاد قائم رہے۔ ''روی ان امیر المومنین مسماہ اخیہ جعفر لحبہ ایاہ'' حضرت علی نے ان کا نام جعفر اپنے بھائی جعفر ابن ابی طالب کے نام پر محض اس لئے رکھا تاکہ ان سے محبت کا ثبوت دیں حضرت علی جعفر طیار کو بے حد مانتے اور چاہتے تھے۔ (ابصار العین ص ۳۵۔ طبع نجف اشرف)

۳؎ حضرت عباس کا حامل اللوا ہونا واضح ہے۔ مدینہ سے روانگی کے وقت علم لشکر حسینی آپ ہی کے ہاتھوں میں تھا۔ اور آخر وقت تک آپ ہی کے ہاتھوں میں رہا۔ امام حسینؑ فرمایا کرتے تھے یا اخی انت صاحب لوائی'' اے بھائی عباس تم میرے علمبردار ہو (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۰۸ تحفہ حسینیہ ص ۱۲۸ ابصار العین ص ۲۹ مقتل عوالم ص ۹۴ بحار الانوار جلد ا مناقب ابن شہر آشوب۔ ج ۳۔ ص ۹۸

حضرت عباس کی ماں کا نام اور کنیت

مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عباس کی مادر گرامی کا نام نامی فاطمہ کلابیہ تھا اور کنیت ام البنین تھی۔ لیکن اس امر میں فی الجملہ اختلاف ہے کہ آپ کی کنیت ام البنین (بیٹوں کی ماں) کب سے قرار پائی۔ اکثر مورخین کا بیان یہ ہے کہ جب حضرت عباس اور عبداللہ اور جعفر پیدا ہوئے تو آپ کی کنیت ام البنین قرار دی گئی۔ لیکن علامہ کنتوری کہتے ہیں کہ "کنا ھا بھا ابو اھا تفاؤلا۔" کہ ام البنین کی ماں لیلیٰ بنت شہید اور باب حزام نے پہلے ہی آپ کی کنیت ام البنین قرار دی تھی۔ یعنی شگون کے طور پر آپ کو بیٹوں کی ماں کہا تھا۔ تاکہ اس سے اس بات کا مظاہرہ ہو کہ ہم لوگوں کے دل میں تمنائیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے صاحب اولاد اور بچوں کی ماں قرار دے۔ (ماتئیسن کنتوری ص ۴۴۰) میرے خیال میں دونوں صورتیں قرین قیاس ہیں۔

جنگِ صفّین اور حضرت عباسؑ

صفین نام اس مقام کا ہے جو فرات کے غربی جانب رقہ اور بالس کے درمیان ہے۔ (معجم البلدان ص ۳۷۰ باب ص طبع مصر ۱۸۶۹ء) یہیں اسلام کی وہ قیامت خیز جنگ عالم وقوع میں آئی جو جنگ صفین کے نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ کے اسباب میں معاویہ کی چیرہ دستیوں اور تمرد و سرکشی کو پورا دخل ہے۔

معاویہ زمانہ حضرت عمر سے شام کے گورنر تھے۔ وفاتِ عثمان کے بعد جب حضرت علی ظاہری خلیفہ تسلیم کئے گئے اور عنانِ حکومت آپ کے دست حق پرست میں آئی۔ تو آپ نے معاویہ کے پاس کہلا بھیجا کہ مجھ پر جو قتلِ عثمان کی سازش کا الزام لگا کر شامیوں کو برافروختہ کر رہے ہو اور اپنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصوص خلیفہ مشہور کر رہے ہو۔ (سیرالآئمہ ص ۴۵) یہ تمہاری حرکت ناشائستہ اچھی نہیں ہے۔ آپ کے متعدد ارشادات کے بعد بھی جب معاویہ کے کان پر جوں نہ رینگی۔ اور آپ کو اس کا بھی علم قطعی ہو گیا کہ وہ مجھ سے برسر پیکار ہونے کے اسباب فراہم کر رہا ہے تو آپ نے برسرِ منبر فرمایا" **عزلت المعاویة من حکومت الشام**" میں نے حاکم وقت ہونے کی حیثیت سے معاویہ کو معزول کر دیا۔ اور اب اسے حاکم شام تسلیم نہ کیا جائے۔ (اکسیر التواریخ ص ۴۵) معاویہ جو خود حضرت علی کو معزول کرنے کے لئے ہمہ تن فکر بنا ہوا تھا۔ اسے جب اس معزولی کی خبر ملی تو اس نے آپ سے مقابلہ کی ٹھان لی۔ چنانچہ جنگ جمل اسی کا ایک شاخسانہ تھا۔

جنگ جمل کے بعد آپ نے اس کے سمجھانے میں بڑا مبالغہ کیا۔ معاویہ اب کھل کر میدان میں آنے کے لئے بے چین تھا۔ اسی حوصلہ اور بے چینی میں ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر لے کر حضرت علی پر حملہ آوری کے لئے چل کھڑا ہوا۔ یہاں تک کہ مقامِ صفین میں آ پہنچا۔ علامہ دمیری فرماتے ہیں کہ اجمعوا علی فتاله قاتلهم الله۔ اللہ تعالیٰ معاویہ اور اس کے ساتھیوں کو غارت کرے کہ ان لوگوں نے (عین ایمان) سے جنگ کرنے کو طے کرلیا۔
(حیوۃ الحیوان ج ا ص ۵۶)

مقام صفین کی طرف حضرت علی کی روانگی:

جب حضرت علی کو علم ہوا کہ معاویہ ایک لاکھ بیس ہزار (بقولے ایک لاکھ ساٹھ ہزار) تاریخ اسلام ص ۲۰ کا لشکر لے کر آ گیا ہے تو آپ نے بھی تیاری شروع کر دی اور نوے ہزار افراد پر مشتمل لشکر لے کر مقامِ صفین کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت علی کا کربلا میں ورود:

ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ آپ صفین کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ جب نینوا کے قریب پہنچے تو بروایت شعبی "سال عن اسم هذه الارض فقيل كربلا فبكى حتى بل الارض دموعه" آپ نے پوچھا اس زمین کو کیا کہتے ہیں۔ کہا گیا۔ اس کا نام کربلا ہے۔ یہ سن کر آپ رونے لگے اور اس قدر روئے کہ آنسوؤں سے زمین تر ہو گئی۔ "ثم قال دخلت علی رسول الله وهو يبكى فقلت ما يبكيك فقال عندى جبرئيل انفا واخبرني ان ولدى الحسين يقتل بشاطی الفرات بموضع يقال له كربلا ثم قبض جبرئيل قبضة من تراب فشمنی اياه فلم املك عيني ان فاضتا" پھر آپ نے فرمایا۔ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا انہیں روتا ہوا پا کر میں نے پوچھا! حضور کو کس چیز نے رلا دیا۔ فرمایا ابھی ابھی جبرئیل آئے تھے۔ اور مجھ سے کہا کہ کربلا کی زمین پر فرات کے کنارے آپ کے نورِ نظر حسین شہید کر دئے جائیں گے۔ اے علی سنو! جب سے یہ سنا ہے آنکھوں سے آنسو نہیں تھمتے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ یہ کہنے کے بعد جبرئیل نے مجھے ایک مٹھی خاک دی اور کہا اسے سونگھو۔ اس کا سونگھنا تھا کہ آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے۔
(صواعق محرقہ ص ۱۱۵ طبع مصر ۱۳۲۴ھ منار الہدیٰ بحرانی ص ۲۹۴، رواتح القرآن ص ۴۹۸)

احمد ابن حنبل کہتے ہیں کہ حضرت علی نے یہ بھی فرمایا تھا: فتية من آل محمد

یقتلون بھذالعرصہ تبکی علیھم السماء والارض ۔ اسی سرزمین پر آلِ محمد کا ایک برگزیدہ گروہ قتل کیا جائے گا جس کے غم میں زمین و آسمان (خون کے آنسو) روئیں گے۔ مسند احمد ابن حنبل ج ا۔ص ۸۵ طبع مصر' سر الشہادتین شاہ عبدالعزیز دہلوی ص ۱۷ طبع لدھیانہ' اخبار الدول ص ۱۰۷' حیواۃ الحیوان ۔ ج اص ۵۱۔

علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت علیؑ "بہ نزدیکی نینوا رسیدند آب ہائے عسکر آنجناب تمام شدہ تشنگی برایشاں غلبہ نمود" نینوا کے نزدیک پہنچے تو آپ کے لشکر کا پانی ختم ہوگیا تھا اور تمام لوگوں پر پیاس کا حد درجہ غلبہ تھا۔ انتہائی کوشش کے بعد بھی پانی نہ ملا' ناگاہ ایک دیر راھب نظر پڑا' اس سے پانی طلب کیا۔ اس نے جواب دیا کہ یہاں سے دو فرسخ کے فاصلہ پر پانی دستیاب ہوسکتا ہے۔ یہ سن کر حضرت علیؑ نے روبقبلہ ہو کر ایک مقام کی طرف اشارہ کیا کہ اس جگہ کو کھودو۔ تعمیل حکم کی گئی۔ ایک چشمہ نودار ہوا۔ لیکن اس کا منہ ایک بڑے گرانبار پتھر سے بند تھا۔ لشکریوں نے لاکھ ہٹایا مگر اس پتھر نے جنبش نہ کی۔ پھر ید اللہ۔ حضرت علیؑ خود بڑھے اور انگشت مبارک سے اسے سرکا دیا۔ شیریں پانی کا چشمہ جوشِ زن ہوا۔ سب نے جی بھر کر پانی پیا۔ مشکیزے بھر لئے گئے۔ چشمہ نظروں سے غائب ہوگیا۔ راہب نے ماجرا دیکھا۔ کلمہ پڑھ کر دستِ امیر المومنین کو بوسہ دیا اور وہ ہمرکاب ہولیا۔ اس کے بعد قافلہ وہاں سے روانہ ہوا۔ "چوں آپ جناب بہ کربلا رسیدند گرستیند" جب آپ کربلا پہونچے تو بے حد روئے۔ (کشف الانوار ص ۱۹۲) حبیب السیر ج اص ۵۶۔ جامع التواریخ ص ۲۳۸

شہادت حضرت عباس کا تصور:

کربلا پہنچ کر آپ ٹھہرے اور آپ کی آنکھ لگ گئی۔ خواب دیکھا کہ ایک باغ ہے ایک جماعت آئی اور اس نے باغ کو قطع کر ڈالا۔ پھر ایک خون کا دریا جوش زن ہوا۔ امام حسینؑ اس میں شناوری کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر آپ کی آنکھ کھل گئی واقعہ کربلا کے تمام واقعات سامنے آگئے۔ اب کیا تھا علیؑ نے ہونے والے واقعات کے عمل میں آنے سے قبل نوحہ و ماتم شروع کر دیا۔

(کشف الانوار ترجمہ بحار ج ۹ ص ۱۹۲)

صفین میں حضرت علی کا ورود:

اپنے فرزند پر نوحہ و ماتم کرنے کے بعد آپ صفین کی طرف روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر آپ

نے معاویہ کے لشکر کو دیکھا۔اپنی ساری فوج کو سامنے آنے کا حکم دیا۔سارا لشکر معاویہ کے مقابل آ گیا۔

آپ کے لشکر پر بندشِ آب:

مسٹر ذاکر حسین لکھتے ہیں۔کہ اب علی کی تمام فوج معاویہ کے لشکر کے مقابل پہنچ گئی۔ ابن ابوسفیان نے صفین کی طرف متوجہ ہو کر علی کے پہنچنے سے پہلے ہی ابوالاعور کو مامور کر دیا تھا۔کہ فرات کے گھاٹ پر (جو اس علاقہ میں ایک ہی تھا) قبضہ کر لے۔ جناب امیرؑ نے معاویہ کے مقابلہ میں چھاونی ڈالی۔ پانی کی روک کی خبر ہوئی۔توصعصعہ ابن صوحان اور شیث ابن ربعی کی معرفت معاویہ کے پاس یہ پیغام بھیجا۔کہ تیرے لشکر نے پانی روک دیا ہے۔لشکر کے ساتھ ضعیف کمزور اور بوڑھے بھی ہیں۔مناسب نہیں کہ مسلمانوں سے پانی کو روکا جائے۔اگر ہم تجھ سے پہلے وارد ہوتے تو ہرگز منع نہ کرتے۔ ہم لوگ پانی پر لڑنے نہیں آئے۔ بلکہ دین پر لڑنے کو آئے ہیں۔ تاکہ خلقِ خدا پر حجت پوری ہو۔مناسب ہے کہ لشکر کو لب دریا سے ہٹا لے۔اور پھر لڑ۔حق و باطل کا فرق لڑائی سے ظاہر ہو جائے۔اور اگر تیری مرضی یہی ہے کہ جو گھاٹ کو لے لے فتح اسی کی سمجھی جائے۔تو ہم اس پر بھی رضامند ہیں۔اس پیغام کے پہنچنے پر معاویہ نے اپنے امراء سے مشورہ لیا۔ عمرو عاص نے کہا کہ اے معاویہ کیا تو اپنے خیال میں ساقی کوثر کو کنارِ آب فرات پر پیاسا رکھ سکتا ہے۔ ع ''زہے تصور باطل زہے خیال محال''

ولید ابنِ عقبہ نے کہا۔کہ ان لوگوں میں اکثر قاتلان عثمان ہیں۔ان لوگوں نے کئی دن آں جناب پر پانی روکے رکھا۔مناسب ہے کہ ہم بھی ان کو پیاس کی تکلیفیں پہنچائیں۔معاویہ نے ولید کی بات پسند کی۔اور سفیر ولید ابن عقبہ کو برا بھلا کہتے ہوئے بے نیل و مرام واپس آئے۔ جناب امیرؑ کے لشکری پیاس سے سخت بے تاب ہوئے۔حضرت کے لشکر گاہ سے اس دوسرے مقام تک جہاں پانی دستیاب ہو سکتا تھا دو فرسخ کا فاصلہ تھا۔یہ حالت دیکھ کر اشتر اور اشعث جناب امیر کے پاس آئے۔اور کہا۔یا امیر المومنین تمام لشکر پیاسا ہے اور معاویہ مع اپنے لشکر کے سیراب ہو رہا ہے۔ہم لوگ کب تک خاموش رہیں۔اجازت دیجئے کہ ہم لڑیں اور پانی چھین لیں۔امیر المومنین نے فرمایا۔کہ اگر تم دشمنوں سے مغلوب و مقہور ہو کر جئے تو یہ زندگی عین موت ہے۔اور اگر دشمن پر مظفر و منصور ہوتے ہوتے مر گئے تو یہ عین حیات ہے۔الغرض آپ اپنے آقا و سردار سے اجازت پا کر دس ہزار فوج لے کر گھاٹ کی طرف رخ کیا اور ناچار لشکر اعدا پر حملہ آور ہوئے۔زور و شور کی لڑائی کے بعد گھاٹ ابوالاعور سے چھین لیا۔(تاریخ اسلام ج ۳ صفحہ ۱۹۹)

بندشِ آب توڑنے کے لئے امام حسینؑ کی روانگی:

علامہ شیخ مہدی مازندرانی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی نظر میں یہ لشکر کچھ کمزور پڑتا ہوا دکھلائی دیا۔ "فضاق صدرہ الشریف" آپ کچھ گھبرا سے گئے۔ "فقام الیہ الحسین وقال یا ابت انا امضی الیہ" یہ دیکھ کر حضرت امام حسین کمر بستہ ہو کر کھڑے ہو گئے اور خدمت پدر بزرگوار میں عرض کی ابا جان! پھر اب تو میں بھی جاتا ہوں۔ ان کو اجازت ملی۔ آپ روانہ ہوئے۔ اور میدانِ جنگ میں پہنچ کر بڑی بے جگری سے جنگ کی۔ اور کامیاب پلٹے۔ گھاٹ پر قبضہ ہو گیا۔ لوگوں نے امام حسین کی اس پہلی کامیابی پر حضرت علی کو مبارکباد دی۔ آپ رونے لگے۔ لوگوں نے پوچھا۔ مولا! یہ تو خوشی کی بات ہے آپ گریہ کیوں فرماتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: "انہ سیقتل بطف کربلا غریبا وحیدا عطشانا فریدا" مجھے اس وقت وہ وقت یاد آ گیا کہ یہ میرا نورِ نظر مستقبل قریب میں زمین کربلا پر یکہ و تنہا بھوکا پیاسا شہید کر دیا جائے گا۔

(شجرہ طوبیٰ نجف اشرف ۱۳۵۴ھ الدامع الاحزان۔ ج ا صفحہ ۹ (۲))

حضرت عباسؑ امام حسینؑ کے جلو میں:

علامہ محمد باقر خراسانی لکھتے ہیں کہ بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ "عباس عضد عون برادرش امام حسین بود در روز یکہ لشکر معاویہ را از کنار فرات دور کردند و شریعۃ را بہ تصرف صحاب امیر المومنین وادند" الخ حضرت عباس اس دن اپنے بھائی امام حسین کے جلو میں معین و مددگار کی حیثیت سے تھے۔ جس روز معاویہ کے لشکر کا فرات سے قبضہ اٹھانا اور اپنا قبضہ بٹھانا مقصود تھا۔ (کبریت احمر جز ۱۰۔ ص ۶۵ طبع ایران ۱۳۴۳ء)

ملا مقبل اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ حضرت عباس جب لشکر اسلام پر بندشِ آب کو توڑنے کے لئے اپنے آقا کے ساتھ گئے اور کمال جانفشانی سے نبرد آزمائی کے بعد پلٹے تو حضرت علیؑ سے لشکر کی تشنہ لبی یا چشم تر بیان کرنے لگے۔ حضرت علی کا دل بھر آیا اور ہونے والے واقعات کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا آپ نے حضرت عباس کو اپنے قریب بلا کر فرمایا۔ اے فرزند تو آج کے دن تشنہ لبی سے اتنا متاثر ہے۔ کل وہ دن آنے والا ہے کہ تو اپنے تمام اعزا و اقرباء و برادر سمیت کئی روز کی بھوک اور پیاس میں سرزمین کربلا پر شہید کیا جائے گا۔ (واقعات مقبل قلمی ۱۲۳۲ھ)

الغرض لشکر امیر المومنین کے قبضہ میں پانی آ گیا۔ مسٹر ذاکر حسین لکھتے ہیں۔ لشکر امام نے دریا پر چھاؤنی ڈال دی۔ اور فریق مخالف کو پانی لینے سے روک دیا۔ معاویہ نہایت مضطرب

ہوا۔ عمرو عاص نے اسے ملامت کرنی شروع کی۔ اور کہا کہ میں کیا کہتا تھا۔ بتاؤ اب اگر علی تمہارے ساتھ وہی سلوک کریں جو کل تم نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ تو تمہارا کیا حال ہو معاویہ نے کہا پھر اب کیا ہوگا؟ عمرو نے کہا کہ محصور عثمان کو پانی کی مشکیں بھجوانے والا (علی) تمہاری طرح ہرگز پانی روکنے والا نہیں۔ خجل و شرمندہ ہو کر معاویہ نے اپنے ارا کین دولت میں سے ۱۲ شخصوں مثل ضحاک ابنِ قیس، بسر ابنِ ارطاۃ، مقاتل ابن زید، داؤد بکری، موشب ابنِ ذی ظلیم وغیرہ کی معرفت امیرالمومنین کی خدمت میں عرض کرا بھیجا کہ ہم پر پانی بند نہ کریں۔ حضرت علی نے جواب میں فرمایا کہ ہم کسی پر پانی بند نہیں کرتے۔ خاطر جمع رکھو۔ اس خبر کے پاتے ہی اپنے سرداروں کو کہلا بھیجا پانی نہ روکو۔ اور منادی کرادی۔ پانی حلال ہے کسی کو اس میں مضائقہ نہیں ہے۔ دونوں لشکروں میں جس کو ضرورت ہو آدمیوں اور جانوروں کے لئے پانی لے جائے۔ (تاریخ اسلام۔ ج ۳۔ صفحہ ۱۹۸) صاحب تاریخ ائمہ لکھتے ہیں کہ معاویہ کے جواب میں عمرو عاص نے کہا۔ ''حضرت علی تم جیسے نہیں ہیں۔ وہ کفو کریم ہیں۔ وہ ایسا نہیں کریں گے' ص ۲۶۷۔

مختصر یہ کہ ذی الحجہ میں یہ جنگ شروع ہوئی اور محرم ۳۷ھ میں ملتوی رہ کر یکم صفر سے سات شب و روز گھمسان کی لڑائی رہی۔ امیرالمومنین نے اپنی روایتی بہادری سے دشمن اسلام کے چھکے چھڑا دیئے عمرو بن العاص اور بشر بن ارطاۃ پر جب آپ نے حملے کیے تو یہ لوگ زمین پر لیٹ کر برہنہ ہو گئے۔ حضرت علی نے منہ پھیر لیا۔ یہ اٹھ کر بھاگ نکلے۔ معاویہ نے عمرو عاص پر طعنہ زنی کرتے ہوئے کہا۔ در پناہِ عورت خود گریختی۔ تو نے اپنی شرمگاہ کے صدقہ میں جان بچالی۔ عمرو نے کہا۔ یہی عین عقلمندی تھی۔ (سیرۃ آلائمہ ترجمہ کشف الغمہ ص ۴۲) جب بشر بن ارطاۃ نے اپنی برہنگی کا واقعہ بیان کیا۔ تو معاویہ نے کہا۔ ''باکے نیست عمرو عاص با تو شریک است'' کچھ مضائقہ نہیں یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ کل عمرو بن العاص نے بھی تو یوں ہی اپنی جان بچائی تھی۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس جنگ میں نوے لڑائیاں وقوع میں آئیں۔ ۱۱۰ روز تک فریقین کا قیام مقام صفین میں رہا۔ معاویہ کے نوے ہزار اور حضرت علی کے بیس ہزار سپاہی مارے گئے۔ ۱۳ صفر ۳۷ھ کو صلح ہو گئی۔ (تاریخ آئمہ ص ۲۷۱)

تبدیلی لباس کی بحث:

حضرت علی جن کی تلوار کا لوہا مانا ہوا تھا۔ ان کے متعلق علامہ دمیری لکھتے ہیں۔ ''اذا عتسل قد واذ اعترض قط'' جب طول میں تلوار لگاتے تھے تو جسم کے دو حصے کر دیتے تھے۔ اور جب عرض میں تلوار مارتے تھے تو دو ٹکڑے کر دیتے تھے۔ (حیواۃ الحیوان۔ ج ۱ ص ۵۲) اس

صفین کی اہم اور تاریخی جنگ میں اکثر ایسے مواقع بھی آپ کو درپیش ہوئے تھے کہ آپ نے بھیس بدل کر جنگ کی اور لباس تبدیل کر کے نبرد آزمائی فرمائی۔ یعنی اگر کوئی بہادر مبارز طلب ہوا تو آپ نے اپنے کسی صحابی یا عزیز کا لباس پہن لیا اور مقابلہ کے لئے تشریف لے گئے یہ محض اس لئے کرتے تھے کہ جب مقابل کو معلوم ہوگا کہ نبرد آزمائی کے لئے علی آئے ہیں تو وہ واپس چلا جائے گا اور قتل ہونے سے بچ جائے گا۔

(۱) صاحب تاریخ آئمہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت نے پکار کر فرمایا کہ اے پسرِ ہند کیوں مسلمانوں کی خونریزی کرتے ہو۔ خود میدان میں نکلو۔ اور ہم تم فیصلہ کر لیں۔ مگر معاویہ کو میدان میں نکلنے کی ہمت نہ ہوئی۔ تب حضرت بھیس بدل کر میدان میں آئے اور مبازر طلبی کی۔ عمرو عاص نے حضرت کو نہ پہچانا اور سامنے آ کر رجز پڑھا حضرت نے بھی رجز پڑھ دیا۔ عمرو عاص کو معلوم ہو گیا کہ حضرت ہیں وہ بھاگا۔ (ص ۲۶۹)

(۲) علامہ عیسی اربلی لکھتے ہیں۔ کہ جب لشکر معاویہ سے مخراق ابن عبدالرحمن نکلا تو اس کے مقابلے کے لئے موئل بن عبیداللہ آئے اور شہید ہو گئے۔ پھر مسلم نامی صحابی تشریف لے گئے وہ بھی شہید ہو گئے۔ تب حضرت علی بھیس بدل کر تشریف لے گئے اور اسے واصل جہنم کیا۔ پھر اس کے بعد لشکر معاویہ سے سات جوان جو یکے بعد دیگرے آتے رہے اور حضرت سب کو قتل کرتے رہے۔ معاویہ نے اپنے غلام حرب سے کہا کہ اب تو جا اور اس جوان کو قتل کر اس نے تلوار کی برش دیکھ کر معافی چاہی۔ پس امیر المومنین مغفر از سر برداشت تا لشکر معاویہ دانستند کہ امیر است۔ آنگاہ مراجعت فرمود۔ تب آپ نے اپنے چہرہ کو ظاہر کر دیا۔ اور لوگوں نے جان لیا کہ علی ہیں۔ پھر آپ واپس تشریف لے گئے۔ (سیر الآئمۃ ترجمہ کشف الغمہ ص ۴۵)

(۳) حضرت علی جناب ابن عباس کے لباس میں:

علامہ شیخ جعفر شوستری رقمطراز ہیں۔ یک وقتے در جنگ صفین حضرت علی لباس ابن عباس را پوشیدہ بجنگ رفت۔ بسیارے راکشت۔ معاویہ گفت ایں عباس نیست۔ ابن عباس ایں قدر شجاعت ندارد۔ گفتند۔ در جوابش کہ ہماں ابن عباس است۔

علامہ شیخ جعفر شوستری لکھتے ہیں کہ جنگ صفین میں حضرت علی نے ایک موقعہ پر ابن عباس کا لباس پہن کر جنگ کی۔ اور بہتوں کو قتل کیا۔ معاویہ نے پکار کر کہا۔ یہ ابن عباس نہیں ہو سکتے۔ ابن عباس اتنے بہادر کہاں۔ لوگوں نے کہا نہیں۔ ابن عباس ہی ہیں۔ معاویہ نے کہا

معاویہ گفت میخواہید بدانید ابنِ عباس این قدر با قوت نیست۔ لشکر یک دفعہ حرکت کند۔ پس ہمہ لشکر یک دفعہ حملہ کروند۔ بسوئے او و حضرت در ہمان مکان ایستادہ و حرکت نکرد۔ لشکر دانستند کہ حضرت امیر المومنین است الخ (فوائد المشاہد ص ۸۱ م ۹ طبع بمبئی ۱۳۲۷ھ)

نہیں نہیں! ابن عباس نہیں ہیں۔ وہ اتنے شجاع کہاں ہیں۔ اگر تم چاہو تو آزمائش کر لو۔ اچھا ایک دفعہ سب مل کر حملہ کرو۔ سب نے مل کر حملہ کیا۔ حضرت نے اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کی۔ تب لوگ سمجھے کہ ابن عباس نہیں ہیں بلکہ علی ہی ہیں۔

(۴) حضرت علی عباس بن ربیعہ کے بھیس میں:

علامہ ابن طلحہ و علامہ اربلی وغیرہ لکھتے ہیں کہ لشکر معاویہ سے ایک زبردست سوار برآمد ہوا۔ جناب عباس بن ربیعہ بن حارث ہاشمی اس کے مقابلہ میں میدانِ جنگ کو گئے۔ ''وباہم درآ و یختند'' اور آپس میں گتھ گئے۔ عباس نے اسے ہلاک کر ڈالا۔ اور اپنے شامی گھوڑے پر سوار ہو کر واپس چلے۔ معاویہ نے اپنے لشکریوں سے پکار کر کہا۔ ''ہر کس این جوان ہاشمی را بکشد۔'' ''او را مال و افرو ہم'' جو اس جوان کو قتل کرے گا اسے کافی مال دوں گا۔ یہ سن کر لشکرِ معاویہ سے قبیلہ بنی تحم کے دو زبردست دلیر میدانِ قتال میں آ کھڑے ہوئے۔ اور للکار کر کہا۔ اے جوان (عباس) ہم تجھ سے لڑنے کے لئے نکلے ہیں۔ ''عباس گفت۔ من بروم واز امیرِ خود رخصت حاصل کنم۔'' عباس نے کہا۔ ذرا اپنے دامن کو ملک الموت کے چنگل سے بچائے رکھ کہ میں امیر المومنین سے اجازت لے آؤں۔ (سیر آلائمۃ ترجمہ کشف الغمہ ص ۴۸)

''وجاء الی علیؑ لیستاذنہ فقال لہ علی اون منی فلمادنی منہ. اخذ سلاحہ واخذفرسہ و خلع علی لباسہ ولبس سلاح العباس وما کان علیہ و یرکب فرس العباس و خرج الی بین الصفین کانہ العباس'' (مطالب السئول ص ۱۵۰ طبع لکھنو)

یہ کہہ کر حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اذنِ جنگ چاہا۔ حضرتِ علی نے فرمایا۔ میرے قریب آ۔ جب وہ قریب آ گئے تو آپ نے ان کا سلاح جنگ اور گھوڑا لیا۔ اور اپنا لباس اتار کر عباس کا لباس اور سلاح جنگ وغیرہ خود پہنا۔ اور عباس کے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ میں اس حال میں جا پہنچے کہ لوگ آپ کو عباس ہی جان رہے تھے۔

جب آپ میدان میں پہنچے مقابل نے پوچھا اپنے مالک سے اجازت لے آئے اور انہوں نے اجازت دے دی۔ حضرت علی نے آیہ ''اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا. الخ'' کی تلاوت

کی۔ان میں سے ایک نے بڑھ کر حضرت پر شمشیر کا حملہ کیا۔آپ نے اس کے وار کو خالی دے کر اس کے پیٹ پر تلوار لگائی اور وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔پھر دوسرے نے بڑھ کر حملہ کیا۔آپ نے اسے بھی جہنم رسید کیا جب یہ دونوں قتل ہو گئے تو معاویہ نے پکار کر کہا۔لشکر یو ہوشیار ہو جاؤ۔یہ علی ابن ابی طالب ہیں۔

(۵) حضرت علی عباس بن حارث کے روپ میں:

علامہ شیخ مہدی مازندرانی لکھتے ہیں۔کہ جب معاویہ کے لشکر سے ایک زبردست حمزہ نامی بہادر نکلا۔اور اس کے مقابلہ کے لئے عباس ابن حارث ابن عبدالمطلب لشکر حضرت علی سے نکل کر چلے تو حضرت علی نے عباس بن حارث کو قریب بلایا اور ان کا لباس خود پہنا۔اور میدان جنگ میں جا کر اسے واصل جہنم کیا۔(شجرہ طوبیٰ ص۸۹ طبع نجف اشرف ۱۳۵۴ھ)

(۶) حضرت علیؑ اپنے فرزند عباس کے لباس میں:

علامہ عیسیٰ اربلی کہتے ہیں۔کہ پس از لشکرِ معاویہ کریب ابن صباح بیروں آمد و مبارزخواست۔مبرقع خولانی از لشکر امیر بیروں رفت و آں شامی ملعون آں مومن را شہید کرد۔پس دیگرے بیروں رفت اور انیز شہید کرد۔لشکر معاویہ سے کریب نامی ایک زبردست بہادر نکلا مبارز طلبی کی۔اس کے مقابلہ کے لئے مبرقع خولانی نکلے اور شہید ہو گئے۔پھر ایک دوسرے صحابی نکلے وہ بھی شہید کر ڈالے گئے۔(سیر آلائمہ ترجمہ کشف الغمہ ص۴۶)"فبرز امیر المومنین ستنکرا" یہ دیکھ کر امیرالمومنین نے اپنی ہیئت بدلی اور اس کے مقابلہ کے لئے آ نکلے۔

(شجر طوبیٰ۔ج ۲۔ص۸۹)

علامہ موفق ابن احمد خوارزمی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے کریب ابن صباح حمیری سے جنگ کے موقع پر اپنے فرزند عباس علمدار کا لباس اور گھوڑا بدلا تھا۔

فدعا علی علیه السلام ابنه العباس و کان قاما کاملا من الرجال فامره بان ینزل عن فرسه و ینزع ثیابه و رکب فرسه و البس ابنه العباس ثیابه و ارکبه فرسه لئلا یحس کریب عن مبارزته. (مناقب اخطب خوارزمی ص۱۹۶ قلمی.)

حضرت علیؑ نے اپنے نور نظر حضرت عباس کو بلایا جو کم سنی کے باوجود مرد کامل تھے اور حکم دیا کہ اپنے گھوڑے سے اتر آؤ اور اپنے لباس کو اتار دو (آپ نے تعمیل حکم کی) پھر حضرت علی جناب عباس کے گھوڑے پر سوار ہوئے اور ان کو اپنے کپڑے پہنائے اور اپنے گھوڑے پر سوار کیا۔تا کہ کریب نبرد آزمائی سے بھڑکے نہیں۔(اور بھڑ کے جنگ کرے)

حضرت علی علیہ السلام تیار ہوکر عازم میدان ہوئے تو عبداللہ ابن ابی حازبی نے عرض کی کہ مولا آپ توقف فرمائیں اس سے میں جنگ کروں گا۔ چنانچہ آپ اجازت کے بعد میان جنگ میں گئے اور شہید ہوگئے (مناقب ص ۱۹۶) ''چوں امیر المؤمنین مشاہدہ حال نمود متوجہ حرب آں شقی شدو اوّل اور النصیحت فرمود۔ چوں اثرے برآں مترتب نہ شد بہ یک ضرب ذوالفقار ہلاک ساخت۔'' حضرت امیر المومنین نے جب صورتِ حال کا مشاہدہ کیا تو آپ خود ہی جنگ کے لئے نکل پڑے اور پہلے اسے نصیحت کی۔ جب نصیحت کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا تو آپ نے ذوالفقار کی ایک ضرب سے اسے داخلِ دارالبوار کردیا۔ (سیرہ آلائمہ ترجمہ کشف الغمہ ص ۶۴ طبع بمبئی)

ان تحریروں سے روز روشن کی طرح ظاہر ہوگیا کہ حضرت علیؑ نے جنگ صفین میں کئی دفعہ تبدیلی لباس فرمائی ہے۔ کریب سے جنگ کے موقع پر آپ نے اپنے فرزند عباس کا لباس تبدیل کر کے جنگ کی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بعض کوتاہ نظر مورخین اور بعض موجودہ زمانہ کے حضرات اشتباہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ وہ عباس ابن علی تھے یا اور کوئی عباس تھے۔ (کبریت احمر ص ۲۵)

ان حضرات کے اشتباہ کو دور کرنے کے لئے چند مفصلہ ذیل چیزوں کا تذکرہ ضروری ہے ۱۔ جنگ صفین میں حضرت عباس کی عمر ۲۔ خوارزمی کی حیثیت اور ان کی روایت کا تجزیہ ۳۔ حضرت عباس کا قدوقامت۔

(۱) جنگ صفین میں حضرت عباس کی عمر:

تاریخوں سے ثابت ہے کہ جنگ آخر ۳۶ سے شروع ہوکر ۳۷ھ میں ختم ہوئی ہے اور حضرت ۲۶ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔ ۳۷ میں سے ۲۶ گئے گیارہ بچے یا ۲۶ میں ۱۱ جوڑ دینے سے ۳۷ ہوجاتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ جنگ صفین میں حضرت عباس کی عمر ۱۱ سال تھی۔

(۲) علامہ خوارزمی کی روایت کا تجزیہ:

علامہ خوارزمی کی جلالت قدر میں شبہ نہیں۔ وہ فریقین کی نظر میں ممدوح سمجھے جاتے ہیں۔ جس صراحت کے ساتھ انہوں نے تبدیلی لباس کے متعلق تحریر کیا ہے وہ خود اس چیز کو واضح کر رہا ہے کہ موصوف نے بلاتحقیق نہیں لکھا۔ پھر عبارت کا تجزیہ بتایا ہے کہ آپ نے درست لکھا ہے (۱) ابنه العباس یعنی علی نے اپنے بیٹے عباس کو بلایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انہیں عباس کا ذکر ہے جو علی کے بیٹے تھے۔ (۲) وکان تاما حضرت کمسنی کے باوجود تام تھے۔ اس کا مقصد یہ ہوسکتا ہے کہ وہ صرف ۱۱ سال کے تھے۔ لیکن قدوقامت وغیرہ میں متوسط حیثیت کے انسان کی طرح تام

الخلقت تھے۔(۳) کاملا من الرجال وہ مردوں سے کامل تھے۔اس کا مقصد یہ ہے کہ گو وہ کمسن تھے لیکن عام مردوں سے زیادہ کامل تھے۔کسی شخص کے انسان ہونے میں دو چیزیں دلیل ثابت ہوتی ہیں۔ایک مرد کامل ہو، دوسرے علم و فضل کا مالک، خوارزمی نے ان دونوں چیزوں پر روشنی ڈال کر بتایا ہے کہ حضرت عباس کمسنی کے باوجود انسانِ کامل تھے وغیرہ وغیرہ۔

علامہ محمد باقر خراسانی لکھتے ہیں۔ابو الفضل بروایت خوارزمی در مناقب در صفین مرد تام کاملے بدو۔(حضرت عباس جنگ صفین میں مرد تام کاملِ انسان تھے۔کبریت احمر ص ۲۵۔) اس کے علاوہ جناب صدر المحققین حضرت ناصر الملۃ اعلی اللہ مقامہ سے جب میں نے جنگ صفین میں حضرت عباس کے وجود کا سوال کیا تھا تو آپ نے اسی عبارت کا حوالہ دیا تھا۔چنانچہ میں نے آپ ہی کے فرمانے پر اس قلمی کتاب سے اس عبارت کو نقل کیا تھا جو علامہ سیّد تقی صاحب اعلی اللہ مقامہ کے کتب خانہ میں تھی۔

(۴) حضرت عباس کا قد و قامت:

کہا جاتا ہے کہ جنگ صفین میں حضرت عباس صرف گیارہ سال کے تھے تو حضرت علی کا لباس بدلنا کیونکر درست ہوسکتا ہے۔کیا حضرت عباس کا لباس حضرت علی کے جسم پر اور حضرت علی کا لباس حضرت عباس کے بر میں ٹھیک اتر سکتا تھا؟ میں عرض کرتا ہوں کہ مقتل عوالم ص ۹۴، ابصار العین ص ۲۶، تحفہ حسینیہ ص ۱۷۸، ناسخ۔جز ۶ ص ۲۸۹ میں ہے کہ **"یرکب فرس المطھم ورجلاہ یخطان فی الارض"** جب آپ دورکابہ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے تو آپ کے پاؤں زمین پر خط دیتے جاتے تھے۔(نظام العلماء مرزا رفیع طباطبائی کہتے ہیں کہ "در بلندی قامت از اہل زمانِ خود ممتاز بود" حضرت عباس بلندی قامت میں اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے ممتاز تھے۔(مفاتیح الکنور ص ۱۴۲ طبع ایران ۱۲۹۸ء علامہ محمد مہدی نراقی لکھتے ہیں کہ "در جسامت و بلندی قامت از اہل زمان خود ممتاز بود" حضرت عباس جسامت اور بلندی قامت میں اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے ممتاز تھے۔محرق القلوب قلمی۔ان عبارات سے واضح ہے کہ آپ نہایت ہی طویل القامت اور لمبے قد کے انسان تھے۔اور آپ کا طویل القامت ہونا اس لئے تعجب خیز نہیں ہے کہ بقول لسان الملک اسلام میں دس آدمی ایسے گزرے ہیں جن کا طول قامت ہمارے لحاظ سے تقریباً ۲۵ ہاتھ تھا۔جن میں حضرت عباس کے اجداد میں ماں کی طرف سے ابن ربیعہ اور ابن طفیل اور باپ وزوجہ کی طرف سے عباس ابن عبد المطلب (عم رسول) بھی تھے۔ **"یقال یقبل المرأۃ وھی فی ھودجھا."** "زمین سے لمبے اونٹ پر سوار شدہ عورت کی تقبیل ان کے لئے آسان تھی۔ناسخ التواریخ۔ج ۳ ص ۷۰۵

تو اب عرض یہ کرنا ہے کہ اوّل تو حضرت عباس کے آبا و اجداد میں اتنے لمبے آدمی گزر چکے تھے جن کی نظیر ناممکن سی تھی۔ دوسرے ان کے قریبی زمانہ میں بھی انہیں دس میں سے ایک قیس ابن سعد ابن عبادہ موجود تھے جو معاویہ کے دربار میں رہا کرتے تھے۔ (ناسخ التواریخ) تو یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ آپ کے پاؤں دور کابہ گھوڑے پر سے زمین پر خط دیتے تھے۔ اب اگر حضرت عباس کے قد و قامت کو دیکھا جائے اس لحاظ سے کہ اس زمانہ کے قریب میں بھی پچیس ہاتھ کے آدمی تھے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ زمانہ نمو کا خیال کرتے ہوئے یوں توازن قائم کیا جائے کہ مثلاً چالیس سال کا آدمی ۲۵ ہاتھ کا لمبا ہوگا۔ تو بیس سال کا آدمی ساڑھے بارہ ہاتھ لمبا ہوگا۔ اور گیارہ سال کا آدمی تقریباً ساڑھے چھ ہاتھ لمبا ہوگا۔ اور پھر بعض روائتوں میں ملتا ہے کہ "یرکب فرس المطهم و كانه كالطود العظيم" حضرت عباس جب دور کابہ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ گھوڑے کی پشت پر ایک بہت بڑا ٹیلہ رکھا ہوا ہے۔ اس سے بھی آپ کے نشو و نما کی ارتقائی منزل کا پتہ چلتا ہے اگر یہ نہ تسلیم کیا جائے کہ جنگِ صفین میں آپ کا قد ساڑھے چھ ہاتھ لمبا تھا تو یہ ماننا بہر صورت ناگزیر ہوگا کہ آپ اس وقت اچھے خاصے ڈیل ڈول کے انسان تھے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت علی کا قد اگر پست نہ تھا تو طویل بھی نہ تھا جیسا کہ اسد الغابۃ۔ ج ۷ ص ۵۴ میں ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ میانہ قد والے انسان کا لباس اس کے جسم پر جو کمسنی کے باوجود کافی طویل القامت ہو اور اس کا لباس اس میانہ قد والے انسان کے جسم پر ٹھیک اترے گا۔

ان تمام تحریری کاوشوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ جنگ صفین میں حضرت عباس گیارہ سال کی عمر کے باوجود تقریباً اتنے قد و قامت کے مالک تھے کہ جتنا ایک میانہ قد کا انسان ہوتا ہے۔ لہٰذا حضرت علی کا حضرت عباس کے لباس بدلنے والی روایت غلط نہیں ہے۔ یعنی حضرت علی نے کریب نامی پہلوان سے جنگ کرنے کے لئے اپنے فرزند عباس کا لباس بدلا تھا۔

جنگِ صفین میں حضرت عباسؑ کی نبرد آزمائی

جبکہ یہ امر پایہ تحقیق کو پہنچ گیا کہ جنگ صفین میں حضرت عباس علیہ السلام موجود اور بہر صورت اس قابل تھے کہ اچھی طرح نبرد آزمائی فرما سکتے تھے تو کوئی وجہ نہیں کہ ایسی جو روائتیں ملیں جن سے حضرت عباس کے جنگ کرنے کا پتہ چلتا ہو تو انہیں بآسانی رد کر دیا جائے۔

حضرت عباس کے حوصلہ جنگ کی شہادت:

علامہ محمد باقر خراسانی لکھتے ہیں کہ جنگ کربلا سے "قبل آنجناب در حروب و غزوات

باشجعانِ عرب محاربہ ومبارزہ نمودوداد مردانگی دادہ۔" حضرت عباس اکثر لڑائیوں میں بڑے بڑے شجاعانِ عرب سے لڑکر دادِ مردانگی حاصل کر چکے تھے۔ (کبریت احمر ص ۲۴) پھر فرماتے ہیں۔
"عباس نامدار و شجاع بغایت عالیمقدار بود۔ جرات وقوت از حیدر کرار میراث واشت و پیوستہ در معارک مقاتلہ رایت نصرت برمیافراشت۔" حضرت عباس بڑے بہادر اور ہمت والے تھے جرات وقوت حضرت علی سے وراثت میں پا چکے تھے۔ کثیر جنگوں میں آپ نے رایت نصرت بلند کیا۔ اور دلیرانہ امداد کی تھی۔ ص ۲۵

علامہ محمد مہدی نراقی لکھتے ہیں۔ دبسیارے از ابطالِ عرب راکشتہ بود و پیوستہ در غزوات وحروب نوائے فتح وظفر برداشتہ۔" حضرت عباس نے اکثر بہادرانِ عرب کو قتل کیا تھا اور بہت سی جنگوں میں لوائے فتح وظفر کو بلند کیا تھا۔ (محرق القلوب م۲ اقلمی)

جنگ صفین میں حضرت امام حسین کی روانگی اور حضرت عباس کی جانبازی:

صاحب تحفہ یوسفیہ لکھتے ہیں کہ اسی جنگ صفین میں ایک مرتبہ محمد حنفیہ جنگ کرنے کے بعد پلٹے حضرت علیؑ نے پھر حکم جہاد دیا۔ محمد حنفیہ نے عرض کی بابا جان! آپ مجھ کو امر جہاد دیتے ہیں اور حسنین کو حکم جہاد نہیں ہوتا۔ ارشاد فرمایا۔ اے بیٹے تم میرے فرزند ہو اور حسنین فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ انہیں حکم جہاد کیسے دیا جائے۔ یہ کلام امام حسینؑ کے گوش زد ہو گیا۔ آپ نے اپنے پدر بزرگوار سے جنگ کی اجازت چاہی۔ (تحفہ یوسفیہ صفحہ ۵۵۔ طبع لکھنؤ ۱۳۱۷ھ)

"سیّد الشہداء التماس واصرار کرو۔ امیر بعلم امامت می دانست کہ دریں واقعہ آسیبے بوجود فرزندش حسین نمی رسد۔ اجازت داد" حضرت علی کے انکارِ جنگ پر سیّد الشہداء نے التماس و اصرار شروع کیا۔ حضرت علی کو علم امامت سے معلوم ہو گیا تھا کہ فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس جنگ میں کوئی صدمہ و گزند نہ پہنچے گا۔ لہٰذا آپ نے اجازت دے دی۔ حضرت امام حسین عازمِ جنگ ہوئے۔ جب امام حسین کے بھائیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے آپس میں کہا کہ اللہ اللہ! ہم لوگ بیٹھے رہیں اور حسین ابن فاطمہؑ عازم میدان جنگ ہوں۔ غرضکہ سب بھائی آ گئے اور تادور ہمرکاب رہے۔ (ریاض القدس ص ۱۲۵)

مگر مظلوم کربلا کے جاں نثار حضرت عباس نامدار نے جو دیکھا کہ میرا آقا لڑنے کے لئے جا رہا ہے۔ دل بے چین ہو گیا۔ اگرچہ آپ اس وقت بہت کمسن تھے لیکن دلیرانہ حیثیت سے امدادِ امام حسین کے لئے بڑھے۔ اصحاب امیر المومنین کا بیان ہے کہ ناگاہ ایک برق سامنے سے چمک گئی۔ یعنی ایک سوار اس طرح ایک سمت سے نکلا۔ یہ نہ معلوم ہو سکا۔ وہ کون ہے اور دیکھا کہ

درمیان صفوف لشکر ور آیا۔ نیزہ اس جرار کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے کمال غیظ میں نیزہ کو حرکت دی اور جوانانِ لشکر شقاوت اثر کو نیزہ کی انی پر اٹھا کر پھینک دیا۔ یعنی ایک کے بعد دوسرے کو ہلاک کرتا رہا۔ یہاں تک کہ تھوڑی ہی دیر میں نوے اشقیاء کو واصل جہنم کیا۔ ان شیرانہ حملوں کی وجہ سے لشکر میں غل مچ گیا۔ یہ دلیر کون ہے۔ معلوم ہوا۔ قمر بنی ہاشم فرزند حیدر صفدر عباس حق شناس ہیں۔ الخ (تحفہ یوسفیہ ص ۵۵)

ابن شعثا سے حضرت عباس کی جنگ:

علامہ محمد باقر خراسانی تلمیذ ملا حسین نوری لکھتے ہیں۔ کہ جنگ صفین کے موقع پر ایک دن حضرت عباس (چہرہ پر نقاب ڈالے ہوئے) میدان جنگ میں پہنچے۔ آپ کی ہیبت وسطوت کو دیکھ کر اصحاب معاویہ نے مقابلہ کی جرات نہ کی۔ ''پس معاویہ گفت بہ مرد شجاع اصحابش کہ اورا ابن شعثا می گفتند کہ بیروں رو بمبارزت ابن جوان۔'' تو معاویہ نے اپنے اصحاب میں سے ایک بہادر کو چنا جس کا نام ابن شعثا تھا۔ اور اس سے کہا کہ اس نوجوان سے جنگ کے لئے تو چلا جا۔ اس نے جواب دیا کہ اہل شام مجھے دس ہزار سواروں کے برابر جانتے ہیں۔ اس ایک نوجوان کے مقابلہ میں میرا جانا ٹھیک نہیں ہے۔ میں تعمیل حکم کے لئے اپنے فرزند کو بھیجتا ہوں۔ چنانچہ اس نے اپنے ایک فرزند کو عازمِ جنگ کیا۔ جب وہ پہنچا۔ واصل جہنم ہو گیا۔ پھر اس نے دوسرے لڑکے کو بھیجا۔ وہ بھی اس نوجوان کے ہاتھوں قتل ہوا یہاں تک کہ اس نے پے در پے اپنے ساتوں لڑکوں کو بھیج دیا۔ اور وہ یکے بعد دیگرے اپنے ٹھکانے پہنچ گئے۔

''پس ابن شعثا خود بمبارزت قدم جرات برداشت وآں جوان براوحملہ نمود۔'' اب تو ابن شعثا سے نہ رہا گیا۔ اس نے خود قدم جرات بڑھایا۔ نقاب پوش بہادر نے اس پر مثل عقاب شکستہ باز وحملہ کیا اور ٹھکانے لگا دیا پھر کسی نے جرات اقدام نہ کی۔ لوگوں کو یہ شبہ ہوا ہوگا کہ ''ھذا علی ابن ابی طالب۔'' یہ ہی علی ابن ابی طالب ہیں۔ ''حضرت علی اس جوان نقابدار کے قریب تشریف لائے اور اس کے چہرہ سے نقاب سرکائی۔ اب لوگوں نے دیکھا۔ یہ تو علی نہیں بلکہ ان کی شجاعت کے ورثہ دار حضرت عباس علمدار ہیں۔'' کبریت احمر۔ ج ۳ ص ۲۵ طبع ایران ۱۳۴۳ھ

جنگ صفین میں حضرت عباس کی پیاس:

صاحب فضائل الشہداء لکھتے ہیں کہ ''جنگ صفین میں جب حضرت عباس نبرد آزما تھے تو آپ پر پیاس کا زبردست غلبہ ہوا آپ تاب ضبط نہ لا سکے اور اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں

عرض کرنے لگے۔ بابا جان! پیاس ہلاک کیے دیتی ہے۔ حضرت علی نے آب سرد کا ایک جام اپنے نور نظر کے لئے مہیا کر دیا۔ حضرت عباس نے پانی پی کر عطش بجھائی۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جب آپ پانی پی چکے تو دیکھا کہ حضرت علیؑ کے گریہ گلو گیر ہے۔ دست بستہ عرض کی۔ بابا جان! رونے کا کیا سبب ہے۔ فرمایا۔ بیٹا! تمہاری اس عطش کے غلبہ نے ایک اور موقع کی پیاس کی یاد دلا دی۔ جس میں دریا کی روانی کے باوجود تیرے لبوں تک ایک قطرہ نہ پہنچ سکے گا۔

حضرت عباس: "بابا وہ کونسا زمانہ ہوگا۔ اور کس سن میں واقع ہوگا"

حضرت علیؑ: "بیٹا! وہ ۶۱ھ میں درپیش ہوگا۔"

حضرت عباس: "کیا اس وقت آپ نہ ہوں گے؟"

حضرت علیؑ: "بیٹا! ہاں۔ میں نہ ہوں گا۔"

حضرت عباس: "بابا! ہمارے بھائی حضرت حسنؑ اور حسینؑ تو ہوں گے۔"

حضرت علی: بیٹا! حسن تو نہ ہوں گے۔ لیکن تمہارا آقا حسین ہوگا اور وہ بھی تمہارے ساتھ پیاسا ہوگا۔"

حضرت عباس: "بابا! ہماری کونسی خطا ہوگی کہ ہم پر پانی بند ہوگا۔ اور دریا کی موجوں کے باوجود ہم پیاسے رہیں گے۔"

حضرت علی: "بیٹا تیری کوئی خطا نہ ہوگی۔ تو صرف رفاقت حسین میں پیاسا رہے گا۔"

حضرت عباسؑ: بابا! کیا حسینؑ فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی پانی بند رہے گا۔"

حضرت علی: بیٹا! وہ اسی گروہ کے لوگ ہوں گے جو آج بھی تیرے سامنے ہیں۔ تم لوگوں پر یہ پانی بھی بند کریں گے اور تمام اصحاب حتیٰ کہ اقرباء اور چھوٹے بچوں کو بھی شہید کر ڈالیں گے۔"

حضرت عباس: "بابا! اس وقت ہمارا کیا فریضہ ہوگا۔"

حضرت علی: "بیٹا! اس وقت تو اپنی جان کو فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیتؑ پر فدا کر دینا۔"

(فضائل الشہداء باب ۲۔ ف ۲ ص ۱۱۰)

غرضکہ ۱۳ صفر ۳۷ھ کو یہ جنگ ختم ہوئی اور تمام لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس گئے۔ حضرت عباسؑ امام حسینؑ کی رفاقت میں رہے اور اس موقع کا انتظار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ۶۰ سنہ و ۶۱ھ آ گیا اور آپ نے وہ کارہائے نمایاں کیے جو سونے کے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہیں۔

جنگ صفین میں حضرت علیؑ کے دو شیر

(۱) ابوالفضل (۲) ابوالحارث

یہ واضح ہے کہ عباس کے معنی شیر درندہ کے ہیں۔ آپ امداد حسینی کے لئے کتم عدم سے حیز وجود میں تشریف لائے۔ حسین کی امداد فرمانا آپ کا فرض عین تھا۔ آپ کے پرورش کی غرض ہی یہ تھی کہ امام حسین کے کام آئیں۔ چنانچہ آپ نے اسے بدرجہ اتم پورا کیا۔ جیسا کہ آئندہ واقعات سے ظاہر ہوگا۔ آپ طفلی میں جس بے جگری سے جنگ صفین میں لڑے اور حسینی امداد کی ہے اس کی ایک مثال اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ آپ ہی کی کنیت ابوالفضل تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ابوالحارث کون تھے اور ان کے تذکرے کا یہاں کیا مطلب ہے۔ چنانچہ گزارش ہے کہ حضرت علی نے تو عباس جیسے فرزند کو حسین کی امداد کے لئے معین فرمایا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ عباس اسی وقت تک امداد فرما سکتے تھے جب تک جان میں جان باقی رہے۔ مرنے کے بعد تو بظاہر امداد نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے ضرورت تھی کہ حضرت علیؑ جناب عباس کی شہادت کے بعد کا بھی کوئی ایسا انتظام کریں کہ حسین کی امداد کا سلسلہ بند نہ ہو۔ چنانچہ اسی خیال سے حسب تحقیق علامہ محمد باقی نجفی، حضرت علی نے بموقع جنگ صفین ایک بچہ شیر کو ایک گرگ کے حوالہ کیا۔ ''اورا بزرگ کند و باآں بچہ شیر وصیت کرد کہ در زمین نینوا قرار بگیرہ۔ ہر وقت حسنین دریں بیابان بے سرافتاد۔ درآں وقت حراست بدن فرزندش کمبند۔'' الخ۔ مرقات الایقان ص ۳۷ طبع نجف اشرف۔ (ترجمہ) کہ وہ اسے پال پوس کر جوان کرے۔ اور اس بچہ شیر سے وصیت کی کہ وہ زمین نینوا پر قیام پذیر ہو۔ اور جب میرا حسین اس جگہ پر آئے اور دشمنوں کے ہاتھوں بے سر ہو جائے تو ان کے بدن کی حفاظت کرنا۔

نوٹ: کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ادائے وصیت کا وقت آیا تو اس نے پورے انہماک سے ادا کی۔ جناب فضہ کا بیان ہے کہ جب حسینی قافلہ اپنے سرد۔ ارسمیت شہید ہو چکا تو ان دشمنوں نے اپنے کشتوں پر نمازیں پڑھیں اور روانگی کا انتظام کر رہے تھے کہ ابن زیاد کا تازہ حکم پہنچا کہ وہیں ٹھہرو اور تازہ نعل بندی کے بعد حسینی لاشوں کو سم اسپان سے پامال کر دو یہ خبر وحشت اثر حضرت زینب کے کانوں تک پہنچی۔ آپ کمال اضطراب سے کبھی اٹھتیں اور کبھی بیٹھتی تھیں۔ گاہے دست بدست میر دگاہے دست بزانو میزد۔ کبھی منہ پیٹتی تھیں۔ کبھی کف افسوس ملتی تھیں۔ کبھی زانو کوٹتی تھیں۔ میں (فضہ) نے جب یہ حال دیکھا دوڑتی ہوئی خدمت عالیہ میں گئی۔ اور عرض کی بی بی!! اگر اجازت ہو تو میں ابوالحارث نامی شیر کو بلاؤں وہ اس وقت حسین کی مدد کرے گا۔ جناب زینب نے اپنی ماں

کی نہایت ضعیفہ خادمہ کو اجازت دی وہ ایک طرف گئیں اور یا ابا الحارث کہہ کر آواز دی۔ ایک شیر ہمہمہ کرتا ہوا جنگل سے برآمد ہوا اور فضہ کے سامنے نظریں جھکا کر حکم کا انتظار کرنے لگا۔ فضہؓ نے فرمایا: "یا ابا الحارث اتدری ما یریدون ان یعملوا غدایابی عبد الله یریدون ان یوطئو الخیل علی ظھره." اے ابوالحارث تجھے کچھ خبر بھی ہے کہ یہ دشمن کیا کرنا چاہتے ہیں۔ ارے یہ حسین کا لاشہ پامال کرنا چاہتے ہیں۔ وہ شیر اٹھا۔ "فاقبل یدور القتلی حتیٰ وقف علی جسد الحسین" اور شہداء کی بو سونگھتا ہوا جسد حسینی تک جا پہنچا۔ فوضع یدہ علیٰ جسدہ وجعل یمرغ خدہ بدمہ فیبکی" اور بہت سنبھال کر جسد حسینی پر ہاتھ رکھا اور خون میں اپنے رخسار ملنے لگا۔ اور روتا جاتا تھا۔ الخ مرقات الایقان و بحار الانوار۔ ج ۱ ص ۲۷۔ جب تک شیر حفاظت میں رہا کسی کی ہمت نہ پڑی۔ لیکن جب شیر واپس چلا گیا۔ ان حضرات کے جسم گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر ڈالے گئے۔ صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "لقد اوطئوه الخیل بعد ذالك" پھر حسین کا جسم پامال کر ڈالا گیا۔ اسی لئے حضرت صاحب العصر علیہ السلام زیارت ناحیہ میں فرماتے ہیں۔ "تطئوك الخیل بحوافرھا" الخ اے حسین! تم کو گھوڑوں نے اپنی ٹاپوں سے پیس ڈالا۔ (ومعہ ساکبہ ص ۳۵۰)

علامہ برغانی لکھتے ہیں۔ "واقول قدتقدم انھم لعنھم الله قد اوطاه الخیل ولا منافاة بینھما بعوازان یکون فی یوم عجی الاسد لم یطئوه الخیل واوطئوه بعد ذالك" میں کہتا ہوں کہ روائتوں میں یہ موجود ہے کہ گھوڑوں نے آپ کے جسم کو ٹاپوں سے کچل ڈالا۔ اور شیر والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم مبارک پامالی سے بچ گیا۔ دراصل ان دونوں روایتوں میں منافات اور اختلاف نہیں ہے۔ یعنی جس دن شیر حفاظت کے لئے آیا تھا۔ اس دن گھوڑے پامال نہ کر سکے اور جب وہ چلا گیا تو پامال کر ڈالا۔ "معدن البکاء"

حضرت علیؑ کی شہادت اور عباسؑ

۲۱ رمضان المبارک کی وہ حشر انگیز اور قیامت خیز تاریخ ہے جس میں اسلام کے مالک دین و ایمان کے سردار۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی جاں نثار و جانشین نے مسجد کوفہ میں زہر سے بجھی ہوئی تلوار سے شہادت پائی۔ آپ کی شہادت واقع ہونے میں کس کا ہاتھ تھا۔ اور کون آپ کی وفات کا سبب اعظم تھا۔ اس میں اختلاف ہے۔ علامہ حسین واعظ کاشفی کہتے ہیں کہ ابن ملجم مرادی کا ایک دن کوفہ کی گلیوں سے گزر ہوا۔ اس نے ایک مکان میں کثیر مہ رخان عالم کو آتے جاتے

دیکھا اور عمدہ باجوں کی آوازیں سنی۔ اس مکان کے قریب گیا جس میں سے عورتوں کا ایک گروہ نکلا۔ اس کی نظر قطامہ نامی عورت پر پڑی۔ اس کے حسن نے اس کے کمینہ دل میں جگہ کر لی۔ اس نے بڑھ کر پوچھا کہ کیا تو شوہر رکھتی ہے؟ اس نے جواب دیا چونکہ میری پسند کا شوہر نصیب نہیں ہوتا اس لئے میں نے اب تک شادی نہیں کی۔ ابن ملجم نے کہا کہ کیا ہوسکتا ہے تو مجھے قبول کر لے۔ اس نے کہا کہ میرے عزیزوں سے کہو۔ عزیزوں سے جب تذکرہ کیا گیا تو انہوں نے قطام کی مرضی پر چھوڑا۔ قطام جو بہت آراستہ غرفہ بیت (کھڑکی) میں بیٹھی ہوئی تھی اس نے کہا کہ اگر تم تین قسم کے مہر کا انتظام کر سکتے ہو تو مجھے تم سے ہمکنار ہونے میں کوئی عذر نہیں ہوگا (۱) تین ہزار درہم نقد ادا کرو (۲) ایک اچھی گانے بجانے والی کنیز خدمت کے لئے لاؤ۔ (۳) حضرت علی کا سر کاٹ کر لاؤ۔ یہ سن کر ابن ملجم نے کہا اوّل دو شرطیں تو منظور اور ممکن ہیں مگر تیسری شرط سے میں عاجز ہوں۔ علی وہ جس کی شمشیر کا لوہا مغرب و مشرق کے بہادروں کے قلوب مانے ہوئے ہیں۔ بھلا مجھ سے یہ کیونکر ہو سکے گا کہ ایسے بہادر شخص کا سر کاٹ سکوں۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے تو دراصل سر ہی درکار ہے۔ میں نے پہلی دو شرطیں تجھ سے اٹھالیں۔ اب صرف مہر میں علی کا سر چاہتی ہوں۔ ''اگر وصال من خواہی ایں کار را قبول کن۔ وگرنہ (ع) پندار کہ ہرگزم ندیدی۔'' اگر تو مجھ سے لطفِ حیات اٹھانا چاہتا ہے تو علی کا سر لا ورنہ تو میری صورت بھی نہ دیکھ سکے گا۔ اس بدبخت مرادی نے اس زن نامراد کی شرط منظور کر لی۔ اور مہر میں علی کا سر دینے کا وعدہ کر لیا۔ قطام کی مدد سے چند آدمیوں کو لے کر ''روئے بخدمت! امیر نہاو'' حضرت علی کے قتل کے لئے نکل کھڑا ہوا۔

(روضۃ الشہدا ب۵ ص ۹۸)

صاحب تاریخ آئمہ بحوالہ تاریخ طبری ج ۵۔ ص ۸۶ لکھتے ہیں کہ واقعہ نہروان کے بعد تین خارجیوں نے رائے کی کہ تین شخصوں (معاویہ، عمرو عاص، اور حضرت علی) کی وجہ سے انتشار ہو رہا ہے۔ ان کو قتل کر دیا جائے اس کے لئے ۱۹ ارمضان مقرر ہوئی۔ چنانچہ تینوں خارجی اپنی تلواریں زہر میں بجھا کر روانہ ہوئے۔ ایک دمشق میں معاویہ کے لئے دوسرا فسطاط مصر میں عمرو عاص کے لئے۔ تیسرا ابنِ ملجم حضرت علی کے لئے۔ معاویہ اور عمرو عاص تو بچ گئے۔ مگر ابن ملجم جب اس ارادہ سے کوفہ پہنچا تو مسجد کوفہ میں جا کر چھپ رہا۔ حضرت علی ایک شب حضرت امام حسن کے پاس اور دوسری شب حضرت امام حسین کے پاس افطار کرتے۔ اور تین لقموں سے زیادہ تناول نہ کرتے۔ جب ۱۹ ارمضان ۴۰ھ کو حضرت نماز صبح کے لئے گھر سے جانے لگے تو گھر کی بطخیں چیخنے لگیں حضرت پر اس کا اثر ہوا۔ اور مسجد میں تشریف لائے۔ اذان دی۔ جب نماز میں مشغول ہوئے۔ تو سجدہ کی

حالت میں ابن ملجم نے سر پر تلوار ماری جس سے مغز تک شگافتہ ہوگیا۔ آپ نے فرمایا۔ "فزت برب الکعبۃ" بخدا میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ الخ۔ تاریخ آئمہ ص ۴۷۲۔ ان حضرات کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کی شہادت یا تو قطام کی حرکت سے عمل میں آئی۔ یا ان خارجیوں کی سازش اس کا سبب قرار پائی ہے۔ لیکن جب آپ کی شہادت کے متعلق محققانہ نظر ڈالی جاتی ہے تو واقعہ اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔

علی کی شہادت میں حکومتِ شام کا ہاتھ:

معاویہ اور عمرو عاص، جنگ جمل و صفین کی حشر انگیز اور قیامت خیز جنگ دیکھ ہی نہیں بلکہ بھگت چکے تھے۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ علی کی زندگی میں چین نصیب نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا کسی نہ کسی صورت سے انہیں راہی جنت کر دیا جائے۔ تاکہ اطمینان کی سانس لینا ممکن ہو۔ اسی فکر میں لگے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوگئے اور کامیاب کیوں نہ ہوتے جب کہ سازش کرنا ان کا "طبیعتِ ثانیہ" بن گیا تھا۔ معاویہ نے ابن ملجم مرادی کو قتل امیر المومنین کے لئے تیار کیا۔ چونکہ وہ خوارج میں سے تھا اس لئے فوراً قتل امیر المومنین پر راضی ہوگیا۔ اور اس نے مسجد کوفہ میں حضرت علی کو شہید کر دیا۔

صاحب مناقب مرتضوی نے لکھا ہے کہ قدوۃ المحققین حکیم ثنائی چنیں تحقیق نمودہ کہ بموجب گفتہ معاویہ بن ملجم امیر المومنین را بدرجہ شہادت رسانیدہ۔ چنانچہ ایں مضمون را در حدیقۃ الحقائق منظوم ساختہ۔

"پسرِ ملجم آں سگِ بے دین۔ آں سزاوار لعنت و نفرین۔ برزنے عاشق آں شدہ میشوم۔ آں نگوں سار تر ز راہب روم بود آں زن ز آل بوسفیان۔ منعم مالدار و خوب و جواں۔ گشت ازیں سر معاویہ آگاہ۔ مرور اگشت جملہ کار تباہ گفت کار تو با کمال شود۔ ایں چنیں زن ترا حلال شود۔ گر تو در کار خویش شیر دلی۔ ہست کابین حرہ خونِ علی۔" یعنی ملجم کا بیٹا وہ بے دین کتا جو لعنت و نفرین کا سزاوار ہے۔ ایک عورت پر عاشق ہوگیا۔ اور اس بدبخت کے لئے کیا کہا جائے۔ راہب روم سے بھی زیادہ کمینہ تھا۔ وہ عورت معاویہ کے عزیزوں میں سے تھی اور خوشحال و مالدار اور خوبصورت و جوان تھی۔ معاویہ کو ابن ملجم کی عاشقی کا راز معلوم ہوگیا۔ اسی وجہ سے وہ تباہ ہوگیا۔ معاویہ نے اس سے کہا۔ اے ابن ملجم اگر تو چاہتا ہے کہ در مقصود ہاتھ آئے اور قطامہ جیسی حسین عورت تیرے لئے حلال ہو جائے تو سن۔ ایک ذرا بہادری تو کرنا پڑے گی اور حضرت علی کا سر لانا پڑے گا۔ اس لئے کہ اس کا مہر خونِ علی، ہے چنانچہ اس نے حضرت کے سر اقدس پر ضرب لگادی۔ جب لوگوں نے پوچھا۔ ایسا

کیوں کیا تو اس نے جواب میں کہا۔ "مرا ایں معاویہ فرمود۔ کار کردم کنوں نہ دارد سود" میں نے معاویہ کے کہنے سے ایسا فعل کیا۔ مگر افسوس کہ کوئی فائدہ برآمد نہ ہوا۔" (مناقب مرتضوی ص ۱۲۷)

الغرض سر اقدس پر ضرب لگی۔ منادی فلک نے "الا قتل امیر المومنین" کی ندا دی۔ آپ کی اولاد اور اصحاب مسجد کوفہ میں جا پہنچے۔ اپنے آقا کو خون میں غلطاں دیکھ کر فریاد و فغاں کی آوازیں بلند کیں۔ پھر حسب الحکم مکان لے چلنے کا سامان کیا۔ ایک گلیم میں لٹا کر آپ کو اس صورت سے لے چلے کہ سرہانا امام حسنؑ، پائنتی امام حسینؑ اور وسط میں حضرت عباس لگے ہوئے تھے۔ گھر پہنچنے کے بعد آپ نے صبح کو مخاطب کر کے فرمایا۔ "اے صبح تجھے اسی اللہ تعالیٰ کی قسم ہے جس کے حکم سے تو برآمد ہوئی ہے۔ مجھے جاگتا ہوا پایا۔ بار الہا تو گواہ رہنا کہ میں تیرا حکم بجا لایا تو نے جس چیز سے روکا اس سے باز رہا۔ جس کا حکم دیا اس پر عمل کیا۔ تیرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کوئی بات دل میں نہ لایا۔ (الکرار ص ۲۰۲ طبع بنارس ۱۳۲۷ھ۔ اس کے بعد آپ کو دورہ ہوا۔ "فلما افاق ناوله الحسن قعبا من لبن فشرب منه قليلاً ثم نحاه من فيه وقال احملوه الى اسيره." جب دورہ سے افاقہ ہوا حضرت امام حسن نے دودھ کا پیالہ پیش کیا۔ تھوڑا سا پی کر آپ نے منہ ہٹا لیا اور فرمایا اسے اپنے اسیر ابن ملجم کو دے آؤ۔

(اخبار ماتم صفحہ ۱۴۴۔ و کتب تواریخ)

حضرت علیؑ کا دست امام حسینؑ میں علمدار کربلا کا ہاتھ دینا

اب حضرت علی علیہ السلام کی عمر کے آخری لمحات گزر رہے ہیں۔ آپ نے اپنے بیٹوں کا انتظام شروع فرمایا۔ اور ہر ایک کو مناسب امور و احکام سے باخبر کیا۔ سب سے پہلے اپنے بیٹوں کو وصیت فرمائی کہ تم لوگ فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الثقلین حسنؑ و حسینؑ کی نصرت و اطاعت سے منہ نہ موڑنا۔ پھر امام حسن کے ہاتھوں میں تمام اولاد کا ہاتھ دیا اور امام حسین کے ہاتھوں میں دست حضرت عباس دیا۔

حضرت علی کا اپنی اولاد کو وصیت فرمانا:

علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ حضرت علی نے حضرت عباس اور دیگر اولاد کو جو بطن فاطمہ سے نہ تھی طلب کر کے ارشاد فرمایا کہ "وصیت میکنم شمارا آباں کہ مخالفت نہ کنید حسن و حسینؑ را خدا شمارا صبر دو ہد در مصیبت من۔" میں تمہیں اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ تم لوگ فرزندان رسول الثقلین صلعم حسنؑ حسینؑ کی ہمیشہ یاری کرنا۔ اور کبھی ان کی مخالفت دھیان میں بھی نہ لانا۔ میں تم سے

رخصت ہوتا ہوں اللہ تعالیٰ تمہیں صبر عطا کرے۔ (کشف الانوار ترجمہ بحار۔ ج ۹ ص ۲۱۷)

علامہ کلینی چھ سندوں سے ایک روایت میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی نے اپنے بارہ بیٹوں کو جمع کر کے فرمایا۔ "ان ھذین ابنا رسول اللہ ﷺ فاسمعو لھما واطیعوا وازروھما" دیکھو یہ میرے دونوں نورِ نظر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے فرزند ہیں۔ ان کے فرمان کو بگوشِ دل سننا اور ان کی پوری پوری اطاعت کرنا اور ہر قسم کی امداد میں سینہ سپر رہنا۔

(اصول کافی ص ۱۴۱ طبع ایران ۱۲۸۱ھ)

حضرت علی نے امام حسن کے ہاتھ میں سب بیٹوں کے ہاتھ دے دیئے:

وصیت فرمانے کے بعد آپ نے حضرت عباس کے علاوہ اپنے تمام فرزندوں کے ہاتھ حضرت امام حسن علیہ السلام کے ہاتھ میں دے دیئے۔ یعنی آپ نے سب کو امام حسن کے سپرد کر دیا۔ (کتب تواریخ و مقاتل)

جناب ام البنین کا اضطراب:

جناب ام البنین مادر گرامی حضرت عباس نے جب یہ دیکھا کہ اپنے سب فرزندوں کو حضرت امام حسن علیہ السلام کے سپرد فرمایا ہے مگر میرے نورِ نظر "عباس" کو کسی کے حوالہ نہیں کیا۔ تو آپ بے انتہا پریشان ہوئیں اور کمال اضطراب میں گھبرا کر عرض کیا۔ میرے سرتاج! میرے آقا! میرے مالک! کیا اس ناچیز کنیز سے کوئی خطا سرزد ہو گئی ہے۔ یا حسنین کے خادم عباسؑ سے کوئی قصور ہو گیا ہے؟ جناب امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام نے دریافت فرمایا۔ کیوں ام البنین کیا بات ہے۔ عرض کی مولا! آپ نے سب بیٹوں کو امام حسنؑ کے سپرد فرمایا ہے اور خادمہ زادہ "عباسؑ" کو کسی کے حوالے نہیں کیا۔ میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جا رہا ہے۔

حضرت علی کا گریہ:

جناب ام البنین کے اس مضطربانہ سوال پر حضرت علی رو پڑے۔ فبکی امیر المومنین وقال یا ام البنین لو تعلمین وما تقولینی۔ اور فرمایا۔ اے ام البنین! اگر تم اس راز سے آگاہ ہوتیں تو ایسا سوال نہ کرتیں۔ عرض کی۔ مولا آگاہ فرمائیے۔ میں تو یہی چاہتی ہوں کہ میرے فرزند کا ہاتھ بھی حسنؑ کے دستِ مبارک میں دے دیا جائے۔

دستِ حسینؑ میں علمدارؑ کا ہاتھ:

حضرت علیؑ نے تاجدار کربلا امام حسین علیہ السلام کو قریب بلایا اور عباس علمدار کو بھی

طلب فرمایا اور امام حسینؑ کے دستِ مبارک میں ان کے قوت بازو علمبردار کربلا عباس بن مرتضیٰ کا ہاتھ دے کرارشاد فرمایا۔ بیٹا یہ تمہارے سپرد ہے۔ میں اسے تمہاری غلامی میں دیتا ہوں۔ پھر حضرت عباس سے فرمایا۔ بیٹا یہ تمہارے آقا ہیں۔ ان کی رفاقت اور ان کی امداد تمہارا عین فریضہ ہے۔ جب یہ کربلا کے میدان میں دشمنوں کے نرغہ میں گھر جائیں تو ان کی مدد کرنا۔ (ریاض القدس ص ۶۹۔ خلاصۃ المصائب ص ۱۰۰ طبع نولکشور ۱۲۹۳ھ۔ فضائل الشھداء باب ۲۔ ف ۹۔ ص ۱۱۱)

علامہ کنتوری لکھتے ہیں۔ "وفوض امر العباس الی الحسین ولم یفوض الی غیرہ" حضرت علیؑ نے جناب عباس کو امام حسین علیہ السلام کے سپرد کیا اور کسی کے حوالہ نہیں کیا۔ (یا ئتین ص ۴۴۱۔ مرقات الایقان ج۔۱۔ صفحہ ۴۰) جناب ام البنین اس خصوصی اعزاز کو ملاحظہ کر کے مطمئن ہو گئیں۔

شہادت حضرت علی پر جناب عباس کا سر ٹکرانا:

حضرت امیر المومنین وصیت سے فارغ ہو چکے اور تمام ضروری امور سے فرصت کے بعد خالق کائنات کی طرف روانگی کے حالات ظاہر فرمانے لگے اور ۶۳ سال کی عمر میں شب جمعہ ۲۱ رمضان کو نصف شب گزرنے کے بعد تمام اعزاء واقربا احباب، خادم اور اولاد کو ہاتھ ملتا چھوڑ کر راہی جنت ہو گئے۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون" آپ کا انتقال فرمانا تھا کہ اہل بیت کرام نے فلک شگاف نالے شروع کر دیئے۔ کوفہ کی ہر گلی وکوچہ سے صدائے گریہ بلند ہو گئی۔ تمام بی بیاں بے حال تھیں۔ غرضیکہ کائنات کا ذرہ ذرہ محو نالہ تھا۔ ہر ایک اپنے احساس کے موافق رونے میں مشغول تھا۔

ملا محمد حسین واعظ لکھتے ہیں کہ اس وقت حضرت عباس فرط غم کی وجہ سے اپنے سر کو بار بار دیوار خانہ سے ٹکرا رہے تھے۔ (اخبار ماتم ص ۱۵۲ طبع رامپور ۱۲۸۵ھ)

صعصعہ بن صوحان کا ادائے تعزیت کے لئے آنا:

آپ کی شہادت واقع ہو چکی۔ آپ کی اولاد اور شیعوں نے غسل وکفن کے بعد آپ کی خریدی ہوئی زمین نجف اشرف میں آپ کو دفن کر کے حسب وصیت قبر کو پوشیدہ کر دیا۔ (ناسخ) اس کے بعد گھر واپس آئے۔ لوگوں نے تعزیتیں ادا کیں چنانچہ جناب صعصعہ بن صوحان جو حضرت علی کے اصحاب میں سے تھے۔ دولت سرائے امامت پر حاضر ہوئے اور "فراواں بگریست۔ آں گاہ امام حسن وامام حسین ومحمد وجعفر وعباس ویحییٰ وعون وعبید اللہ دیگر فرزندان امیر

المومنین علیہ السلام رانعزیت بگفت۔" بے انتہا گریہ کے بعد حسنین اور عباس وغیرہ کو تعزیت ادا کی اور بصد رنج والم واپس گئے۔ (ناسخ التواریخ۔ ج ۳۔ جص ۶۸۱)

اللہ اکبر! حضرت علی شہید ہو گئے اوران کے ہمدرد تعزیت ادا کر رہے ہیں۔ مگر معاویہ خوشیاں منا رہے ہیں۔ خبر شہادت پاتے ہی سجدہ شکر ادا کیا۔ (مرقات الایقان۔ ج ا۔ ص ۱۶۱

حضرت علی کی شہادت کا قطعہ تاریخ:

ملا محمد عبد الجلیل حنفی ساکن یوسف زئی ضلع مردان من مضافات پشاور نے آپ کی تاریخ وفات اپنی کتاب سیف الملقدین علیٰ اعناق المنکرین۔ ج ۲۔ طبع لکھنؤ ۱۲۱۸ھ باب ۵۔ سلسلہ چہارم کے ص ۲۴۷ پر آپ کا قطعہ تاریخ شہادت لکھا ہے۔

آ نکہ زوج بتول حق بودہ ابن عم رسول حق بودہ
گر تو سال شہادتش جوئی۔ سر پا تم چرانمی گوئی

ایں سخن بس بود بصاب غم کہ سر باتم است ایں ماتم
باز سالِ شہادتش رجلی است یکماں آخری دو حرف علی است

پھر لکھتے ہیں:

صدائے غیب بگوشم رسیداے ناظم
سنِ شہادت حیدر زمیم "احمد" گیر

شہادت حضرت علیؑ اور جناب ام البنین

جس طرح جناب خدیجہؑ کی حیات میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی عقد نہیں فرمایا اسی طرح حضرت علی نے بھی حیاتِ فاطمہ زہرا علیہا السلام تک کوئی عقد نہیں کیا۔ شہادت جناب فاطمہؑ کے بعد آپ نے آٹھ عقد کیے ہیں ان آٹھ بیویوں میں سے پانچ نے حضرت کی حیات میں ہی انتقال کیا۔ اور بعد از شہادت امیر المومنین سہ تن زندہ بودنختین اسمابنتِ عمیس (مادر محمد بن ابی بکر) دوم ام البنین (مادر حضرت عباس) سہ دیگر خولہ حنیفہ (مادر محمد ابن حنیفہ) ناسخ۔ ج ۳ ص ۷۰۴۔ یعنی۔ ان بیویوں نے یہ احساس رکھتے ہوئے کہ حضرت علی ان سب کا بے حد خیال رکھتے تھے اور ان کو چاہا کرتے تھے۔ یہ طریقہ زندگی رکھا کہ حضرت کی شہادت کے بعد "لم یزوجن بعدہ" ان بیویوں نے اپنا پھر کوئی عقد نہیں کیا۔ (مناقب ابن شہر اشوب مازندانی ج ۲۔ ص ۱۲۲ طبع بمبئی)

جہاں تک تاریخی تحقیق کا تعلق ہے۔ بآزادی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان تین بیویوں میں جناب ام البنین کو فوقیت ہے یعنی ان سب بیویوں نے جو بعد امیر المومنین عقد نہیں کیا ان میں قابل مدح صرف ایک ام البنین تھیں۔ اس لئے کہ ان میں یہی ایک بیوی ہیں جن کا عقد حضرت علی کے ساتھ پہلا عقد تھا اور دوسری بیبیوں کا پہلا عقد نہ تھا۔

ناسخ۔ ج ۳ ص ۲۰۷ میں ہے کہ خولہ حنفیہ پہلے مکمل غفاری کے عقد میں رہیں۔ ان سے ایک لڑکی۔ عونہ نامی پیدا ہوئی۔ پھر حضرت علی کی خدمت میں آئیں ان سے محمد ابن حنفیہ (متوفی ۸۱ھ) پیدا ہوئے۔ صفحہ ۲۰۳ پر مرقوم ہے کہ اسماء بنت عمیس سب سے پہلے جعفر ابن ابی طالب کے عقد میں رہیں۔ ان سے عبداللہ۔ عون۔ محمد پیدا ہوئے۔ جعفر بن ابیطالب کے بعد حضرت ابوبکر کے عقد میں آئیں۔ ان سے محمد بن ابوبکر وغیرہ پیدا ہوئے۔ ان کے بعد حضرت علیؑ سے تزویج کی۔ اور ان سے یحییٰ ابن علی پیدا ہوئے۔

جناب ام البنین کا یہ عقد حضرت علی کے ساتھ پہلا عقد تھا۔ اب شہادت حضرت علی کے بعد خولہ حنفیہ اور اسماء بنتِ عمیس کا عقد نہ کرنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ البتہ جناب ام المومنین مادر حضرت عباس کا عقد ثانی نہ کرنا امتیازی شان رکھتا ہے۔

حضرت علیؑ کی نسل اور حضرت عباسؑ

اس پر مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت علیؑ ابن ابی طالب کی نسل پانچ فرزندوں سے بڑھی۔ (۱) امام حسنؑ (۲) امام حسینؑ (۳) محمد ابن حنفیہ (۴) عباس ابن علیؑ (۵) عمر ابن علی۔
(ناسخ التواریخ ۳/۷۰۲ طبع بمبئی وغیرہ)

۱۔ امام حسن نے ۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۲ھ میں شہادت پائی۔ آپ کے آٹھ فرزند تھے۔ (۱) زید (۲) حسن مثنیٰ (۳) عمر (۴) قاسم (۵) عبداللہ (۶) عبدالرحمٰن (۷) حسن اثرم۔ (۸) طلحہ۔

۲۔ امام حسینؑ ۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۱ھ میں شہادت پائی۔ آپ کے چار بیٹے تھے۔ (۱) امام زین العابدین (۲) حضرت علی اکبر (۳) جعفر (۴) علی اصغر

۳۔ محمد حنفیہ: ۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۱ھ میں انتقال کیا۔ آپ کے چودہ بیٹے تھے (۱) علی (۲) جعفر سے نسل بڑھی۔

۴۔ حضرت عباس نے ۲۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۱ھ میں شہادت پائی۔ آپ کے تین بیٹے تھے۔ (۱) فضل (۲) قاسم (۳) عبیداللہ۔ فضل و قاسم کربلا میں شہید ہوئے۔ عبیداللہ سے نسل بڑھی۔

عبید اللہ کے پانچ بیٹے تھے۔(۱) عبداللہ (۲) عباس (۳) حمزہ (۴) ابراہیم (۵) فضل۔

۵ عمر: ان کی ماں ام حبیبہ تھیں۔ اور بہن رقیہ۔ یہ ۸۵ سال تک زندہ رہے۔ ان کے ایک فرزند محمد نامی تھے۔ جن سے ممدوح کی نسل چلی۔ (نوٹ) (۱) حضرت علی کی اولاد کا شمار سادات میں ہے۔ لیکن انہیں بنی فاطمہ کا درجہ نصیب نہیں (۲) حضرت علی کی اولاد کی طرف اعوان کا انتساب غلط اور بے بنیاد ہے۔ (منہ)

حضرت عباسؑ کی شادی خانہ آبادی

گیارہ سال کی عمر میں معرکہ صفین جھیلا۔ تقریباً چودہ سال کے سن میں باپ کے سایہ سے محروم ہوئے۔ دن گزرے۔ راتیں گزریں۔ نام خدا پورے طور پر جوان ہوئے۔ ماں کے دل میں شادی کی تمنا تو تھی ہی۔ امام حسین سے کہا۔ سلطان دو عالم! کیا اچھا ہوتا اگر میرے نور نظر کا گھر آباد کر دیا جاتا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے شادی کے انتظامات شروع کر دیئے۔ اور جناب عبید اللہ ابن عباس بن عبدالمطلب سے ان کی دختر نیک اختر لبابہ نامی کی خواستگاری کی، منظور ہوئی۔ اور عقد ہو گیا۔

جناب مولوی سیّد اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی نے آپ کی زوجہ کا اسم گرامی ذکیہ تحریر کیا ہے۔ لیکن یہ درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کی زوجہ محترمہ کا نام نامی لبابہ تھا۔ لسان الملک اولاد حضرت عباس کے سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں کہ "وآنرا از لبابہ دختر عبید اللہ ابن عباس بن عبدالمطلب دو پسر بود۔" یکے فضل و دیگر عبید اللہ نام داشت۔ کہ حضرت عباسؑ کے لبابہ سے دو فرزند تھے۔ ایک فضل دوسرے عبید اللہ۔ الخ۔ ناسخ التواریخ۔ ج ۶۔ ص ۲۸۹ بمبئی

علامہ ابن قتیبہ، عبید اللہ ابن عباس علمبردار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "**امہ لبابہ بنت عبید اللہ بن عباس**" عبید اللہ کی ماں کا نام لبابہ تھا۔ المعارف ص ۹۶ طبع مصر ۱۳۵۳ھ کبریت احمر)

حضرت عباسؑ علیہ السلام کی تعداد اولاد

حضرت عباس علیہ السلام کی اولاد میں سخت اختلاف ہے (۱) علامہ ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ حضرت عباس کے ایک ہی فرزند عبید اللہ تھے۔ (المعارف ص ۹۶ مصری) ۲ لسان الملک تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کے دو فرزند تھے۔ ایک فضل دوسرے عبید اللہ (ناسخ التواریخ ج ۶، ص ۲۸۹ طبع بمبئی۔ و شجرہ طوبیٰ ج ۱ ص ۱۲۶ (۳) جناب خان بہادر مولوی سیّد اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی رقمطراز ہیں۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے اور ایک صاحبزادی۔ صاحبزادوں میں ایک کا نام فضل اور دوسرے کا عبید اللہ تھا (ذبح عظیم ص ۲۱۰ طبع دہلی)۔

تبصرہ:

نمبر۱ کے متعلق عرض ہے کہ حضرت عباس کے صرف ایک فرزند تسلیم کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہوسکتا۔ اکثر مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عباس کی اولاد کربلا میں بھی شہید ہوئی۔ اور ان کی نسل بھی بڑھی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ابن شہر آشوب' ابصار العین' تنقیح المقال۔ عمدۃ الطالب وغیرہ۔ ایک ہی فرزند کا کمسنی میں شہید ہوجانا اور پھر اس سے نسل کا بڑھنا کیونکر ممکن ہوسکتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ آپ کی اولاد ایک سے زائد تھی۔

نمبر۲: کے بارے میں عرض ہے کہ انہوں نے حضرت عباس کی اولاد کو صرف دو میں منحصر کردیا ہے یہ قابل قبول نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایک فرزند کا مدینہ میں ہونا اور دو کا کربلا میں شہید ہونا ثابت ہوتا ہے۔

نمبر۳: کے بارے میں عرض ہے کہ آپ نے مرثیوں کے بھروسہ پر دو فرزند اور ایک دختر تحریر کردی ہے۔ علامہ محمد باقر قائنی خراسانی لکھتے ہیں کہ بعض قراء مراثی می خوانند کہ ابالفضل را دخترے بود نامزد حضرت علی اکبر۔ پس آں علی الظاہر از جعلیات است۔ بعض مرثیہ خوان پڑھتے ہیں کہ حضرت عباس کی ایک لڑکی تھی جو علی اکبر سے منسوب تھی۔ بالکل جعلی اور فرضی ہے۔ (کبریت احمر ص ۲۳)

الضیاح: ناظرین کرام! ابن قتیبہ نے آپ کی اولاد ایک اور صاحب ناسخ نے دو بتلائی ہیں میں واضح کرچکا ہوں کہ دو سے زیادہ کا احتمال ہے۔ اب ملاحظہ فرمائیے۔

علامہ ابو اسحٰق اسفرائنی نور العین فی مشہد الحسین کے صفحہ ۵۹ پر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عباس جب رخصت آخری کے لئے تشریف لائے تو ان کے دو بچے دامن سے لپٹ کر پانی کی فریاد کرنے لگے۔ "وکان لہ زوجۃ وولدین" الخ پھر ص ۶۱ پر تحریر کرتے ہیں کہ خیمہ سے دو ماہرو بچے نکلے۔ "احدھما ابن العباس والثانی اخیہ القاسم" ایک حضرت عباس کے بیٹے اور دوسرے انہیں کے بھائی قاسم اور امام حسین علیہ السلام سے اذنِ جہاد مانگنے لگے۔ حضرت نے فرمایا۔ "کفاکما قتل والدکما" تم دونوں کے لئے تمہارے باپ کا قتل ہی کافی ہے۔ غرضکہ پھر حضرت عباس کے ایک فرزند کو اجازت ملی اور وہ میدان میں گیا۔ رجز پڑھی۔ (۲۵۰) آدمیوں کو قتل کیا اور شہید ہوگیا۔ پھر دوسرا بھائی نکلا۔ رجز پڑھی ۸۰۰ آدمیوں کو قتل کیا۔ اور شہید ہوگیا۔

پھر ان کے علاوہ علامہ محمد باقر بن محمد حسن خراسانی قائنی کبریت احمر کے تیسرے جز مسمی بہ تکمین الاساس فی احوال ابی الفضل العباس کے صفحہ ۳۳ پر لکھتے ہیں۔ "پس دو جوان از خیمہ بیروں آمدند مثل دو ماہ یکے محمد بن عباس و دیگرے برادر او قاسم بن عباس بود۔" کہ خیمہ سے دو نوخیز لڑکے باہر آئے جو ماہرو تھے۔ ایک محمد بن عباس اور دوسرے ان کے بھائی قسم بن عباس "امام حسین نے

فرمایا۔ تم دونوں کے لئے تمہارے باپ عباس کی شہادت کافی ہے۔"
علامہ شہیر نے اپنی کتاب ابصار العین میں حضرت عباس علیہ السلام کے بعد دو کمسن بچوں کی شہادت کا حوالہ دیا ہے۔ ترجمہ ابصار العین ص ۴۸ طبع حیدر آباد) علامہ قرزدینی اپنی کتاب ریاض القدس وحدائق الآں ج ۲ کے صفحہ ۳۵۸ پر لکھتے ہیں کہ جب شام سے اہل بیت کا لٹا ہوا قافلہ مدینہ پہنچا اور بشیر ابن جزلم خبر لے کر داخل مدینہ ہوا تو حضرت عباس کے ایک فرزند سے ملاقات کی۔ الخ

ان تمام اقوال پر نظر ڈالنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے تین فرزند تھے۔ ایک فضل۔ دوسرے قاسم۔ تیسرے عبید اللہ۔ فضل جن کو بعض مورخین نے محمد لکھا ہے۔ (ابن شہر آشوب ج ۳۔ ص ۹۹ وتوضیح عزاص ۲۲۰ طبع دہلی ۱۲۱۷ھ) اور قاسم کربلا میں شہید ہو گئے۔ (نور العین وریاض القدس) اور عبید اللہ باقی رہے جن سے حضرت عباس کی نسل چلی۔ واللہ یعلم۔ واضح ہو کہ میری تحقیق کی تصدیق علامہ قرزدینی کی تحریر سے بھی ہوتی ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں "عباس بن امیر راسہ پسر بود" حضرت بن علی کے تین بیٹے تھے۔ (ملاحظہ ہو ریاض القدس ۲۔ ص ۶۴ طبع ایران ۱۳۳۲ھ)

حضرت عباسؑ کی کنیت

مورخین کا اجماع ہے کہ آپ کی کنیت ابوالفضل تھی۔ "**کان العباس یکنی ابا الفضل**" (مقتل عوالم ص ۹۴ طبع ایران۔ تحفہ حسینیہ ج اص ۱۷۵۔ ناسخ۔ ج ۶۔ ص ۲۸۹ وغیرہ) یعنی فضل کے باپ "حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی اس کنیت سے واقعہ کربلا کے سلسلہ میں آپ کو یاد فرمایا ہے۔ چنانچہ سید الشہدا نے بعد شہادت حضرت عباس مرثیہ کے طور پر یہ شعر پڑھا۔

اخی کنت عونی فی الامور جمیعها ابا الفضل یا من کان بالنفس باذلا

اے میرے قوت بازو ابوالفضل (العباس) تم ہی میرے تمام معاملات اور امور کے مختار اور مالک ونگران تھے تم نے میری رفاقت میں اپنی جان اسلام پر قربان کردی۔

وجہ کنیت:

کنیت کا استخراج دو ہی چیزوں سے ہوتا ہے۔ اوّل اپنے بڑے بیٹے کے نام سے جیسے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت آپ کے فرزند قاسم کی وجہ سے "ابو القاسم" تھی۔ تفسیر صافی۔ اور حضرت علی کی کنیت ابوالحسن تھی۔ دوسرے خصوصیت سے جیسے بقول علامہ قسطلانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

کنیت ابوالقاسم اس لئے تھی کہ یقسم الجنۃ بین اھلھا۔ مواہب لدنیہ ج اص ۱۹۵ یعنی حضور سرور کائنات صلعم کی کنیت ابوالقاسم اس لئے تھی کہ آپ جنتیوں کو جنت تقسیم فرمائیں گے۔ اخبار الفقیہ امرتسر ۱۴ر ۷ جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۳ کالم ۳۔) اس کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ مثلاً حضرت عباس ہی کی کنیت دابوالقربہ) اس لئے تھی کہ آپ کو مشک سکینہ سے خصوصیت حاصل تھی۔ ابصار العین ص ۲۹۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ کی کنیت ابوالفضل کس طرح قرار پائی۔ میرے خیال میں آپ کی کنیت اس حیثیت سے بھی کہ آپ کے بڑے فرزند کا نام فضل تھا۔ اور اس حیثیت سے بھی کہ آپ فضائل وکمالات کے مالک تھے۔ ابوالفضل قرار پائی۔ علامہ عبدالرزاق قمر بنی ہاشم صفحہ ۲۵ میں لکھتے ہیں کہ آپ کی ایک کنیت ابوالقاسم بھی تھی جیسا کہ جابر بن عبداللہ انصاری کی زیارت اربعین سے مستفاد ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ السلام علیک یاالقاسم السلام علیک یا عباس بن علی۔

حضرت عباس علم الرجال میں

علم الرجال یا علم درایہ ہی وہ علم ہے جس پر تمام روایات کی صحت وتوثیق کا دارومدار ہے۔ حضرت عباس اپنے کمال علمی میں اور نفس ذکی اور شرافت نفسی اور معرفت حقیقی کی وجہ سے اس منزل اہم میں بھی اعلیٰ درجہ رکھتے تھے علامہ مامقانی لکھتے ہیں۔ "کان عدلا، ثقة، تقیا، تقیا" حضرت عباس عادل اور ثقہ۔ متقی اور شریف طینت و پاک سرشت تھے۔ (تنقیح المقال۔ باب العین ص ۱۲۸۔ طبع ایران علامہ نے جو صفات حضرت کے لئے رقم فرماتے ہیں۔ روایت کی توثیق اور واجب القبول ہونے میں بس انہیں صفات کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔

حضرت عباس اور علم فقہ

علم فقہ واصول ہی وہ علم ہے جو حلال خدا وحرام خدا اور دیگران چیزوں کو ظاہر کرتا ہے جو ان کی معاشرتی زندگی میں مفید اور انسان کو احکام خدا پر عامل اور منہیات خدا سے روکنے والا ہے۔ دنیا میں سینکڑوں قسم کے علوم موجود ہیں۔ اور بافہم انسان ان میں کمالات حاصل کرتے ہیں۔ لیکن کسی کو مجتہد نہیں کہا جاتا۔ انسان اسی وقت مجتہد کہا جاتا ہے جبکہ اس علم فقہ میں اور اصول میں کمال تام رکھتا ہو۔ اور استنباط مسائل میں پوری صلاحیت کا مالک ہو۔

آج بھی علمائے کرام نجف اشرف جاکر باب العلم سے اسی علم فقہ و اصول کے جواہرات سے مالا مال ہوتے اور مرتبہ اجتہاد حاصل کرتے ہیں۔

دنیائے اسلام کا اتفاق ہے کہ آج تک دنیا میں علی سے بڑا کوئی عالم نہیں گزرا۔ بعض

مورخین کہتے ہیں کہ "علوم علی" کے مظاہرہ کا موقع دیا گیا ہوتا تو دنیا علم کی وسعت کو سنبھال نہ سکتی۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں اعلمہم واقضاہم علی موجود ہے۔ آنحضرتؐ نے آپ ہی کو بابِ مدینہ علم فرمایا ہے۔ حضرت علی خود بھی فرمایا کرتے تھے۔ "سلونی قبل ان تفقدونی" ارے میرے دنیا سے اٹھ جانے سے قبل جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لو۔ معزز مورخین مثلاً علامہ اجل فرماتے ہیں کہ حضرت علی کا یہ وہ دعویٰ ہے جس کی جرات کسی اور اسلام یا غیر اسلام والے نے نہیں کی۔ اور نہ قیامت تک کر سکتا ہے۔ (اسد الغابہ۔ ج ۴ ص ۲۲ آپ فرماتے تھے: "لو ثنیت لی الوسادۃ" الخ اگر میرے لئے مسندِ قضا (فیصلہ) بچھادی جائے تو میں توراۃ والوں کو توراۃ سے 'انجیل والوں کو انجیل سے' زبور والوں کو زبور سے 'فرقان والوں کو فرقان سے تسلی بخش اور قطعی جواب دیدوں اور فیصلہ کردوں۔

حضرت عباس اسی باپ کے فرزند ہیں۔ دنیا یہ نہ سمجھے کہ حضرت عباس صرف ایک وفادار اور شجاع انسان ہی تھے بلکہ وہ امیر المومنین کی طرح میدان وفا میں وفادار۔ میدان قتال میں شجاع۔ میدان علم میں زبردست عالم تھے۔ اور علم بھی کیسا علم فقہ جو سب سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ علامہ مامقانی لکھتے ہیں۔ "قد کان من فقہاء اولاد الائمۃ" حضرت عباس آئمہ طاہرین علیہم السلام کی فقیہ اولادوں میں ایک زبردست فقیہ تھے۔

(تنقیح المقال۔ باب العین۔ ص ۱۲۸۔ طبع ایران)

علامہ قائنی خراسانی لکھتے ہیں۔ "بدانکہ ابوالفضل از اکابر وافاضل فقہاء وعلماء اہل بیت بود۔ بلکہ عالم غیر متعلم بود۔" معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت عباس فقہائے آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علمائے اہل بیتؑ میں بڑی حیثیت کے مالک تھے بلکہ وہ عالم غیر متعلم تھے۔ (کبریت احمر جز ۳۔ ص ۴۵)

کیا حضرت عباسؑ میں امامت کی صلاحیت تھی

حضرت عباس کی جلالت قدر کو دیکھتے ہوئے یہ یقین کرنا بیجا نہیں کہ ان میں امامت کی صلاحیت موجود تھی۔ صادق آل محمد فرماتے ہیں کہ آئمہ طاہرین کی امامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ نہ کسی کو اس عہدے کے قبول کرنے کا اختیار نہ اپنے بعد کسی کو سپرد کرنے کا اختیار۔ اگر حضرت علی جیسے بصیر انسان بھی یہ چاہتے کہ اپنے بعد مثلاً حضرت عباس کو امام بنادیں "لم یکن لیفعل" یہ کسی طرح ممکن ہی نہ تھا۔ اس لئے کہ یہ لطف زیر عہدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص خاص بندوں کے لئے معین ہے۔ (اصولِ کافی ص ۱۳۹ طبع ایران ۱۲۸۱ھ) حدیث مذکور سے جہاں حضرت عباس کی جلالت قدر کا پتہ چلتا ہے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ میں امامت کی صلاحیت موجود تھی۔ صادق آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا میدان امامت میں حضرت عباس کا ذکر فرمانا ہی صلاحیت کو واضح کرتا ہے۔ جناب

سرمہاراجہ علی محمد خاں صاحب مرحوم والی ریاست محمود آباد فرماتے ہیں۔

مثلِ سبطین انہیں عالم کی ریاست ملتی　　　بطن زہرا سے جو ہوتے تو امامت ملتی

حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت عباسؑ

۴۰ھ میں حضرت علیؑ نے شہادت پائی۔ آپ کے انتقال کے بعد حضرت حسن علیہ السلام ظاہری خلیفہ قرار پائے۔ ان چالیس ہزار آدمیوں نے آپ سے بیعت کی جنہوں نے جنگ معاویہ کے لئے علی سے بیعت کی تھی۔

دفعتہً معاویہ نے آپ پر چڑھائی کردی اور چھ ہزار کی فوج لے کر مقام مسکن میں اتر پڑا جو بغداد سے دس فرسخ تکریب کی جانب اوانا کے قریب ہے۔ امام حسن علیہ السلام نے جب اس چڑھائی کی خبر سنی مجبوراً اس کی پیش قدمی روکنے کے لئے بڑھے۔ فوج کا بڑا حصہ اپنے ہمراہ لے کر کوفہ سے ساباط میں جا ٹھہرے اور بارہ ہزار کی فوج قیس ابن سعد کی ماتحتی میں معاویہ کی طرف روانہ کردی۔ اسی دوران میں معاویہ نے خفیہ طور پر یہ فریب شروع کردیا کہ ایک شخص کو مدائن بھیج کر امام حسن کی فوج میں مشہور کرادیا کہ حضرت حسن کے سپہ سالار قیس نے معاویہ سے صلح کرلی۔ دونوں فوجوں میں اس خبر کا مشتہر ہونا تھا کہ بغاوت شروع ہوگئی۔ فوجی آپ کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے اور کل مال واسباب لوٹ لیا۔ دوش پر سے ردا اتار لی۔ بعض گمراہوں نے رشوت کے زور پر حضرت کو معاویہ کے حوالہ کردینے کا ارادہ کرلیا۔ حضرت کمال صدمہ کی حالت میں وہاں سے گورنر مدائن سعد کی طرف روانہ ہوگئے۔ ایک خارجی نے راستہ میں موقعہ پاکر آپ کی ران میں ایسا زخم لگایا جو ہڈی تک اتر گیا۔ آپ اسی حال میں قصر مدائن تک پہنچے۔ سعد نے دوا دوش کی۔ حضرت اچھے ہوگئے۔ آپ ۶ ماہ ۳ یوم خلافت کے بعد ۲۶ ربیع الاول ۴۱ھ کو مکار زمانہ دشمن اہلبیت سے صلح کرکے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ (تاریخ آئمہ ص ۳۳۲)

مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد بھی آپ کو چین سے رہنے نہ دیا گیا۔ معاویہ نے جعدہ بنت اشعث کے ذریعہ سے جو امام حسن کی زوجیت میں تھی۔ حضرت کو شہد میں زہر ملا کردیا۔ آپ بچ گئے۔ پھر خرمہ میں زہر دیا لیکن آپ اچھے ہوگئے مگر طبیعت صاف نہ ہوئی۔ تبدیل آب و ہوا کی سخت ضرورت تھی۔ لہٰذا آپ موصل کی جانب روانہ ہوئے۔

حضرت عباس کا امام حسن کی معیت میں ہونا:

اب ماشاءاللہ تعالیٰ حضرت عباس کم و بیش پندرہ سال کے ہیں۔ بھائی کو موصل کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر عرض کی۔ بھائی! خادم بھی ہمراہ ہی چلے گا۔ تاکہ خدمت گزاری کا شرف حسب

دستور حاصل کرتا ہے۔ بھائی نے اجازت دی۔ حضرت عباس علیہ السلام ہمراہ روانہ ہوئے۔
فاضل شہر لکھتے ہیں:

"با عباس برابر با جانِ خویش جمع شیعیان بموصل تشریف برو۔" آپ حضرت عباس اور کچھ شیعوں کو لے کر موصل تشریف لے گئے۔ اور ایک مدعی محبت کے گھر میں قیام فرمایا۔ چند دنوں کے بعد معاویہ کی سازش سے اس کی بھی نیت بدل گئی اور اس نے بھی زہر دے دیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے شفا عطا کی۔ پھر ایک ملعون نے عصا کی آہنی انی کو زہر میں بجھایا اور اسے لے کر مسجد کے باہر چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو کر باہر نکلے تو اس نے وہ زہر میں بجھی ہوئی عصا کی انی حضرت کے پاؤں میں چبھو دی جس سے آپ کو سخت اذیت پہنچی۔ اصحاب نے اسے گرفتار کر لیا اور پوچھا کہ اسے سزا دی جائے۔ آپ نے فرمایا جانے بھی دو۔ یہ قیامت میں اندھا محشور ہوگا۔ جب زہر نے زیادہ زور کیا اور جراح نے زخم کو خطرناک بتلایا۔ تو اصحاب نے ملزم کے چھوٹ جانے پر اظہارِ افسوس کیا۔

حضرت عباس نے سزا دے دی:

ایک دن وہی ملعون موصل سے کہیں باہر جا رہا تھا۔ حضرت عباس کی نظر پڑی۔ شیر کے سامنے روباہ آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں عصا بھی وہی تھا۔ حضرت کو جلال آ گیا۔ اور عصا چھین کر اس کے سر نجس پر لگایا۔ سر شگفتہ ہو گیا۔ الخ "طوفانِ بکا" (شعلہ چہارم طبع ایران ۱۳۱۴ھ)

شہادت امام حسنؑ پر عباسؑ کی حالت:

۵۰ھ کا ماہ صفر آ گیا۔ معاویہ کی سازش سے جعدہ بنتِ اشعث نے ایسا زہر دیا جس نے آپ کو جانبر نہ ہونے دیا۔ چنانچہ آپ ۲۸ صفر ۵۰ھ مطابق ۶۷۰ء شہید ہو گئے۔ (معتہ الساکیہ ص ۲۴۰) آپ کی شہادت پر تمام مدینہ منورہ میں کہرام برپا تھا۔ کوئی ایسا نہ تھا جس کے گھر میں ماتم برپا نہ ہو۔ فاضل شہیر لکھتے ہیں۔ جہاں تمام متوسلین آپ کی شہادت سے گریاں تھے حضرت عباس بھی رو رہے تھے۔ اور کمال رنج کی وجہ سے "رنگ از روئے عباس پر بدہ" آپ کے چہرہ کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ اور آپ بے پناہ گریہ کر رہے تھے۔ (طوفان بکا۔ شعلہ دوم طبع ایران ۱۳۱۴ھ)

نوٹ:

علمائے اہل سنت و اہلِ تشیع کا اس پر اتفاق ہے کہ معاویہ نے جعدہ بنتِ اشعث کو یہ لالچ دلائی کہ اگر تو امام حسن کو زہر دے کر شہید کر دے اور یزید کے واسطے خلافت کا راستہ صاف کر دے گی تو ایک لاکھ درہم دوں گا۔ اور یزید کے ساتھ عقد کر دوں گا۔ پھر اس نے زہر بھیجا۔ جعدہ نے روزہ دار امام کو زہر دے دیا۔ (تاریخ ابوالفدا۔ ج ۱۔ ص ۱۸۳۔ مروج الذھب برحاشیہ کامل۔

ج ٦ ص ۱۵۵۔ تاریخ اعثم کوفی ص ۳۵۵۔ روضۃ الصفا ج ۳ ص ۷ حبیب السیر ج ۲۔ ص ۱۸ تاریخ طبری فارسی ص ۶۰۴۔ تاریخ اوکلی ص ۳۳٦) آپ کے جگر کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ امام حسین نے پوچھا۔ بھائی اللہ تعالیٰ کے لئے بتاؤ کس نے زہر دیا۔ "قال ما سوالك عن هذا" امام حسن نے فرمایا: اے حسین! یہ کیوں پوچھتے ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ اس سے دنیا میں عوض لوں۔ پھر آپ نے پہلوئے رسول ﷺ میں دفن کرنے کی وصیت کی۔ اور فرمایا کہ اگر لوگ مانع ہوں تو پھر جنت البقیع میں دفن کر دینا امام حسین غسل وکفن سے فارغ ہو کر جنازہ کو دفن کرنے کے لئے لے چلے۔ (اسد الغابہ۔ مروج الذہب مسعودی۔ ارجح المطالب۔ روضۃ الشہدا) آپ کو پہلوئے رسول ﷺ میں دفن کرنے کے لئے حضرت عائشہؓ نے روکا جو چالیس سواروں کے ساتھ خچر پر سوار موقعہ پر موجود تھیں۔ اور کہہ رہی تھیں کہ میں اجازت نہیں دیتی۔ کیوں میرے گھر میں گھسے آتے ہو۔ (روضۃ المناظر برحاشیہ کامل ج ۱۱ ص ۱۳۳۔ تاریخ اوکلی ص ۳۳٦۔ تاریخ ابوالفدا۔ ج ۱ ص ۱۸۳۔ تاریخ ایرونگ ص ۱۹۷) ابن عباس نے کہا۔ "تجملت، تبغلت ولو عشت تفيلت لك التسع من الثمن و بالكل تملكت" اے عائشہ تمہارا عجب حال ہے۔ کبھی تو اونٹ پر سوار ہو کر حضرت علی سے لڑنے جاتی ہو[1]۔ کبھی خچر پر سوار ہو کر فرزند رسول ﷺ کے دفن سے مانع ہوتی ہو۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اگر تم کچھ اور دن زندہ رہیں تو ہاتھی پر بھی چڑھ کر جنگ کرو گی۔ آج تم سارے روضہ رسول ﷺ کی مالک بن بیٹھی ہو۔ حالانکہ ازواج والے آٹھویں حصہ میں سے نویں حصہ کی مالک ہو۔ (مناقب شہر آشوب۔ ج ۵ ص ٦۵ وبحار الانوار اور روضۃ الصفا ج ۳۔ ص ۷ غرضکہ عائشہ و مروان والوں نے امام کے لاشے پر تیر برسائے۔ ستر تیر آپ کے تابوت میں پیوست ہو گئے (روضۃ الصفا) ج ۳۔ ص ۷) علماء نے لکھا ہے کہ اس وقت حضرت عباس کے تیور بدل گئے اور آپ جوش علوی دکھانے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن امام حسین علیہ السلام نے آپ کو روکا۔ اور لاشہ کو جنت البقیع میں لے کر چلے اور وہیں دفن کر دیا۔ بنی امیہ میں سے کوئی بھی آپ کے دفن میں شریک نہ ہوا۔ (روضۃ الشہدا ء ص ۲۳۳۔ ارجح المطالب ص ۳۵۵۔ اسد الغابۃ) آپ کی خبر شہادت جب معاویہ کے کانوں تک پہنچی۔ تو اس نے تکبیر کہی اور سجدہ شکر ادا کیا۔ (ارجح المطالب ص ۳۵٦۔ تاریخ طبری۔ نزل الابرار ص ۵۔ عقد الفرید ج ۲۔ ص ۲۱۱ تاریخ خمیس ج ۲ صفحہ ۳۲۸' حیواۃ الحیوان۔ ج ۱ ص ۵۱)

---

[1] اس سے واقعہ جنگ جمل کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت عائشہ اونٹ پر سوار ہو کر حضرت علی سے لڑنے کے لئے گئی تھیں۔ اس جنگ کا تتمہ یہ ہے کہ اس کے بعد آپ سخت نادم ہوئیں اور اپنے اس سنگین جرم پر اس قدر رویا کرتی تھیں کہ آپ کی اوڑھنی تر ہو جایا کرتی تھی۔ ملاحظہ ہو عبداللہ محمود حنفی کی کتاب الاعتقاد و تفسیر بحر محیط ص ۲۳۰ و ارجح المطالب ص ۷۰۰

حضرت عباس اخلاق کی دنیا میں

علما کا بیان ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام رعب وجلال کے باوجود خلق عظیم کی تصویر اور خلق حسن کے مرقع تھے۔ اپنے اور پرائے سب سے اخلاق کے ساتھ پیش آنا آپ کی سرشت میں داخل تھا لیکن حضرت امام حسین کے ساتھ خصوصیت سے اخلاق برتتے تھے۔
علامہ قزدینی لکھتے ہیں۔

سلوک عباس بن علیؑ با برادراں بود کہ در حضور برادر نمی نشت۔ وہیچ وقت برادر را برادر خطاب نہ کرو۔ "حضرت فرمودائے برادر۔ چرا مرا برادر نمی خوانی۔ عباس عرض کرد۔ فدایت شوم من و تو گرز نسل یک پدرم۔ اما مادر من کنیز مادر تست۔ من کجا و تو کجا۔" یعنی حضرت عباس کا اخلاقانہ برتاؤ اپنے بھائی کے ساتھ یہ تھا کہ آپ کبھی اپنے بھائی کو بھائی کہہ کر مخاطب نہ کرتے تھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک دن یہ فرمایا بھیا عباس کیا وجہ ہے کہ تم مجھے کبھی بھائی کہہ کر نہیں پکارتے۔ عرض کی میری جان آپ پر نثار۔ بات یہ ہے کہ اگرچہ میں اور آپ ایک نسل پدری سے ہیں۔ لیکن میری ماں آپ کی مادر گرامی کی خادمہ ہے۔ کہاں میں اور کہاں آپ کی ذات والا صفات۔

(ریاض القدس۔ ج ۲۔ ۶۷)

علامہ خراسانی لکھتے ہیں کہ حضرت عباسؑ میں "جمیع فضائل واخلاق حسنہ نجواتم و مکمل در وجود آنسرور و مہنر عالم مجتمع بود۔" تمام فضائل واخلاق حسنہ پورے طور پر موجود تھے۔

(کبریت احمر ص ۳۷)

حضرت عباس علیہ السلام کی بصیرت

حضرت صادق آل محمدؑ حضرت عباسؑ کی بصیرت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"کان عمنا العباس بن علی علیہ السلام ناقد البصیرت صلب الایمان الخ"

(عمدۃ الطالب ص ۳۲۳۔ ومعتہ الساکبہ ص ۳۳۷۔ مقاتل الطالبین)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ان صفات سے یاد فرمانا اور اس کی تصدیق کرنا واضح کر رہا ہے کہ حضرت عباس انسان کامل اور بڑے مستقل مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ ہوشیار وفادار، جانباز اور بہادر تھے۔

علامہ کنتوری لکھتے ہیں کہ بصیرت نام ہے امور دین اور مسائل اعتقادیہ میں تبصرہ اور

غور وفکر کا اور نافذ کے معنی حق و باطل میں تمیز کرنے والے کے ہیں۔ "فالمراد بنا قد البصیرة انه کان میزا بین الحق و الباطل من الامور الاعتقادیة" حضرت عباس علیہ السلام کے ناقد البصیرة ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اعتقادی امور میں حق و باطل کے اندر کامل تمیز رکھنے والے تھے اور ایمان کے تمام مدارج پر فائز تھے۔ امام علیہ السلام نے اسی کو لفظِ صلب الایمان سے یاد فرمایا ہے "و هو نتیجه کونه ناقد البصیرة فانه من کان یدیم النظر فی المعارف الالهیه فلا محالة ینکشف عنده الحقایق الایمانیة" دراصل صلب الایمان ہونا ناقد البصیرت کا نتیجہ ہے۔ اس لئے کہ جو معارف الٰہیہ میں ہر وقت غور وفکر کرتا رہے گا۔ اس پر لامحالہ ایمانی حقائق روشن ہو جائیں گے (مائتین فی مقتل الحسین ص۴۴۴) پھر علامہ کنتوری آگے چل کر لکھتے ہیں کہ صلب الایمان اور ناقد البصیرت ہونا "فهی بینة علی کون العباس فائزا باعلی درجة المعرفت و العمل" یہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام معرفت اور عمل کے اعلیٰ مدارج پر فائز تھے۔ (مائتین ص۴۶۲)

حضرت عباس کی عصمت کی بحث

عصمت کے لغوی معنی:

عصمت کے لغوی معنی۔ المنع یا ملکہ اجتناب معاصی اور خطا کے ہیں المنجد ص۵۳۳۔
صاحب مجمع البحرین لکھتے ہیں: "المعصوم الممتنع من جمیع محارم الله" معصوم اسے کہتے ہیں جو تمام محارم اللہ تعالیٰ سے باز رکھا گیا ہو۔ (مجمع البحرین۔ ع۔م۔ طبع ایران۔

عصمت کے اصطلاحی معنی:

عصمت اس مخفی لطف الٰہی کو کہتے ہیں جو ان خاص بندوں پر کیا جاتا ہے جنہیں امکانات خطا و معاصی کی پوری طاقت کے باوجود اجتناب کی کامل اور حتمی صلاحیت ہوتی ہے۔ (شرح باب حاوی عشر ف۵ ص۱۳۱ طبع نولکشور) علامہ مجلسی لکھتے ہیں۔ معلوم ہونا چاہئے کہ معصوم ترکِ گناہ پر مجبور نہیں لیکن خداوندِ عالم اس پر ایسا لطف خفی کرتا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے ترکِ معصیت کو لازم جاننے لگتا ہے۔ یا قوت عقل۔ فطانت، ذکاوت اور صفائی باطن اور اخلاق حسنہ کی وجہ سے وہ محبت خداوندی کا مالک بن کر ایسے درجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ شہواتِ نفسانی اور خیالات شیطانی اس کے پاس نہیں آنے پاتے۔ اور جمالِ ایزدی اور جلال و عظمت الٰہی اس کے دل پر جلوہ فگن ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا وہ اپنے کو منظور نظر پروردگار عالم جانتے ہوئے معصیت سے پرہیز کرتا

اور رضائے الٰہی کے حاصل کرنے میں کوشاں رہتا ہے۔ اگر خدانخواستہ اس کے دل میں کسی وقت معصیت کا خیال آ جاتا ہے تو وہ جلال الٰہی کے خوف کی وجہ سے باز رہتا ہے۔
(حق الیقین باب ۴۔ صفحہ ۲۷۔ طبع ایران)

عالم اہل سنت فاضل روز بہان نے ابطال الباطل میں عصمت کو ملکہ لکھا ہے یعنی ایسا ملکہ جس کے ذریعہ سے گناہان کبیرہ سے اکثر بچتا رہے۔ گاہے ماہے۔ میں مضائقہ نہیں کیونکہ کلیات ابی البقا۔ جو اہل سنت کے نعت کی مشہور کتاب ہے۔ اس میں ہے کہ امام ابو منصور ماتریدی کے مذہب کے موافق عصمت نام ہے معصیت کی قدرت نہ ہونے کا۔ اور ایسی بات کے پیدا ہو جانے کا جو معصیت سے مانع ہو۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ مجبور نہ کیا جائے۔ اور پھر اسی کے ساتھ ساتھ اختیار نہ رہے۔ اسی قول کا مطلب بدایہ میں مرقوم ہے: "**معناه يعني قول ابو منصور انهالا تجبره على الطاعت ولا تعجزه عن المعصيت بل هي لطف من الله يحمل العبد على فعل الخير ويزجره عن فعل الشرمع بقاء الاختيار**" یعنی عصمت وہ صفت ہے جو اطاعت گزاری پر مجبور نہ کرے۔ اور نہ معصیت کرنے سے عاجز بنائے۔ بلکہ یہ ایسا لطف ہے جو اختیارات کے باوجود امور خیر پر ابھارتا اور بُرے کاموں سے ڈراتا رہے۔

بہر حال یہ وہ صفت اور ایسا لطف ہے جو خداوند عالم کے خاص بندوں کو نصیب ہوتا ہے۔ جن میں انبیاء و اوصیاء وغیرہ داخل ہیں۔ ان لوگوں کے نفوس ان کے قابو میں ہوتے ہیں۔
(بھگوت گیتا ۲۵/۵)

حضرت عباس کا معصوم ہونا:

اب رہ گیا یہ کہ حضرت عباس معصوم ہیں یا نہیں۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ علامہ مجلسی نے کشف الانوار ترجمہ بحار۔ ج ۹ ص ۱۲۳ طبع ایران ۱۲۹۵ھ) اور علامہ محمد باقر خراسانی نے کبریت احمر کے تیسرے جز میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے "**الان انكسر ظهري**" فرمانے کے سلسلہ میں تحریر کیا ہے کہ "امام مظلوم اور شہادت آں معصوم فرمود: "**الان انكسر ظهري**" کہ حضرت امام حسینؑ نے اس معصوم (عباس) کی شہادت پر فرمایا۔ اس وقت میری کمر ٹوٹ گئی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (تکمین الاساس فی احوال ابی الفضل العباس ص ۲۸) اس سے بھی آپ کی عصمت کا پتہ چلتا ہے)

علامہ دربندی حضرت عباس کے متعلق لکھتے ہیں کہ: "**ان بعض الفقرات من بعض الزيادات الماثوره يفيد انه كان من اهل العصمت و من ملومه من العلوم**

اللدنیۃ" ان زیارات کے بعض فقروں سے جو آئمہ معصومین علیہم السلام سے مروی وماثور ہیں۔ مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت عباس معصوم بھی تھے اور علم لدنی کے بھی مالک تھے۔ اسرار الشہادت ص ۳۷۰ جواہر الایقان دربندی۔ علامہ ہروی نے موعظہ حسنہ کے ص ۲۵۶ پر حضرت علی اکبر کو بھی داخل معصومین تحریر کیا ہے۔

حضرت عباس علیہ السلام کی عصمت کا مطلب:

بعض علماء نے حضرت عباس علیہ السلام وغیرہ کو معصوم تحریر کیا ہے۔ میرے خیال میں ایسے مواقع پر عصمت سے حفاظت اور معصوم سے محفوظ مراد ہوگا اس لئے کہ عصمت اصطلاحیہ کے لئے اجماع اور نص کا ہونا ضروری ہے۔ اور ان کی عصمت پر نہ نص ہے اور نہ اجماع علماء ناچیز مؤلف نے اپنے رسالہ "پیغمبر اسلام ﷺ کے بارہ جانشین" میں آئمہ اثنا عشری کی عصمت پر روشنی ڈالتے ہوئے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" ص ۴۳۹ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"اس سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب بھی دیگر علماء اہل سنت کی طرح عصمت آئمہ کے قائل ہیں جس کی تعبیر لفظ محفوظ سے کی ہے۔ اور محفوظ اصطلاح شرعی میں ان لوگوں کو کہتے ہیں۔ "فلا یصدر عنھم الذنب والخطاء مع جواز الصدور" جن سے امکانات گناہ کے باوجود گناہ اور خطا وغیرہ صادر نہ ہوں۔ (دراسات اللبیب ص ۲۰۰)

اس سے صاف واضح ہے کہ معصوم اور محفوظ قریب قریب ایک چیز ہیں۔ صرف الفاظ کا فرق ہے۔ لیکن ہمارے بعض علماء نے صراحت کی ہے کہ محفوظ سے خطا ونسیان اور مکروہات کا صادر ہونا ممکن اور جائز ہے۔ البتہ محرمات صادر نہ ہوں گے۔

علامہ دربندی عصمت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "ولیس مرادنا من العصمت ھھنا العصمت التی کانت فی رسول اللہ والائمۃ الطاھرین حتی یرد ان ھذا مما یرفع الاجماع والضرورت من المذھب علی خلافہ. بل المراد منھا القوۃ التی تمتنع بھا عن المعاصی من منھا فصاحب ھذہ العصمت یصدر منہ الخطاء والنسیان وکذا ترک الاولی والمکروھات ولا یصدر منہ فعل المحرمات حتی الصغائر فاثبات مثل ھذہ العصمۃ لمثل العباس علی بن الحسین و زینب و ام کلثوم و سلمان مالا ضیر و غائلۃ فیہ" کہ اس عصمت سے ہماری وہ عصمت مراد نہیں ہے جو رسول اللہ ﷺ اور اہل بیت علیہم السلام کی تھی۔ کہ اس پر اعتراض

ہو۔ بلکہ اس عصمت سے وہ قوت مراد ہے جو گناہوں سے روکے۔ اس وقت کے مالک سے خطا نسیان۔ ترک اولیٰ، مکروہات کا صدور ممکن ہے۔ لیکن محرمات کا صادر ہونا چاہے وہ گناہِ صغیرہ ہی کیوں نہ ہو۔ ناممکن۔ اب معلوم ہونا چاہئے کہ اس قسم کی عصمت کا حضرت عباسؑ، حضرت علی اکبرؑ، حضرت زینب حضرت ام کلثومؑ، حضرت سلمان فارسی میں تسلیم کرنا نہ کوئی نقصان رکھتا ہے اور نہ قابل اعتراض ہوسکتا ہے۔ (اسرار الشہادت۔ ص ۳۷۰۔ طبع ایران)

اسی قسم کی عصمت کی تعریف علامہ عبدالاحد اور عبدالرزاق یمنی نے یہ کی ہے کہ۔ آلودگی گناہ سے اپنے نفس کی حفاظت کرنا۔" یعنی معصوم وہ ہے جو اپنے سے گناہ سرزد نہ ہونے دے اور اپنے کو محفوظ رکھے۔ (شرح پنج رقعہ صفحہ ۴۲ طبع نولکشور ۱۸۲۸ء ہم اسی کی تعبیر لفظ محفوظ سے کرتے ہیں۔ جس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔)

حضرت عباسؑ نفسِ مشتعلہ کے مالک تھے

حضرت عباس جو کمالاتِ نفسیہ کے مالک اور افعال ممدوحہ کے تاجدار تھے۔ جب ان کے شجاعت سے بھرے نفس کا جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ حمیت وغیرت اور نخوتِ شہادت میں ایک ایسے نفس کے مالک تھے جس کی شعلہ فشانی میدان شجاعت میں تھامے۔ تھم نہ سکتی تھی۔

علامہ محمد عارف الزین مصری لکھتے ہیں۔" العباس تلك النفس المشتعله حمية و نخوة و الملتهبة مماسة و بطوله" عباس ایک ایسے نفس کے مالک تھے جو حمیت و غیرت اور نخوت شجاعت و شہادت کے موقع پر شعلہ دیتا تھا۔ اور بہادری و جانفشانی کے موقعوں پر بھڑک اٹھتا تھا۔" وليس كا العباس مقداما مقلحاما ذوو داعن الشرف" اور عباس جیسا بہادر میدانِ جنگ میں بڑھنے والا اور چہرہ شرافت سے دشمن کو گرد وغبار کی طرح پاک کرنے والا مادرِ گیتی کی آغوش میں کوئی نہ تھا۔ الخ (رسالہ الفرقان ص ۲۰۳ ماہ صفر ۱۳۵۰ء طبع مصر)

حضرت عباسؑ کی سعادت

قرآنِ مجید کی آیت سے واضح ہے کہ سعادت وہ صفت ہے جو بطن مادر میں عطا ہوتی ہے اور جو چیز بطن مادر سے ملے وہ عطیہ الٰہی ہوتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام دعائے یوم الخمیس میں فرماتے ہیں" والسعيد من اسعدت" سعادت اسی کے لئے ہے جسے تو سعید بنائے۔ (صحیفہ علویہ ص ۳۵۶۔ طبع دہلی) علامہ کنتوری حضرت عباس علیہ السلام کے متعلق لکھتے ہیں۔" کـــان

العباس یهوی الحسین من یدو عمرہ لانہ السعید الذی سعد فی بطن امہ" کہ آپ امام حسینؑ پر بچپنے سے ہی مرے جاتے اور ان کی حمایت میں پل پڑتے تھے۔ اس لئے کہ یہ بطنِ مادر ہی سے صفت سعادت سے متصف پیدا ہوئے تھے۔ (مائتین) گویا آپ کی کمال سعادت یہ تھی کہ آپ فرزند رسول پر نثار ہونے کو ہر وقت تیار رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جنت میں اڑنے کے لئے زمرد کے پر پرواز ملے ہیں۔ اور سعادت وخوش بختی کی بلند پروازی نے آپ کو شہداء کی نظر میں قابلِ غبطہ بنادیا ہے۔

حضرت عباسؑ کی عبادت گزاری

عبادت نام ہے اپنے خالق کے سامنے سر نیاز جھکانے کا۔ وہ لوگ جو معرفت میں کمال رکھتے ہوں اور اعتراف الوہیت میں بھی پورے ہوتے ہیں۔ اور اقرار عبودیت میں کامل ہوتے ہیں ان کے سر نیاز خالق بے نیاز کی بارگاہ میں اکثر زمین بوس رہا کرتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں افق پیشانی پر سجدہ کے آفتابی نشان کا ہویدا ہونا بھی لازمی ہے۔ تاریخوں میں موجود ہے کہ حضرت آئمہ معصومین علیہم السلام کی مقدس پیشانیوں پر آفتاب کو شرمندہ کرنے اور ماہتاب کو جلا دینے والے سجدہ کے نشانِ ضوفشاں تھے۔ حضرت عباس علیہ السلام بھی اسی مبارک سلسلہ کی کڑی ہیں۔ ان کی رگوں میں بھی عصمت کا لہو اور طہارت کا خون دوڑ رہا تھا۔ آپ معرفت میں کامل اور اعتراف الوہیت میں مکمل تھے آپ کے متعلق مورخین لکھتے ہیں۔ "کان بین عینیہ اثر السجود لکثرۃ عبادۃ ملك العلام، الخ" آپ کی پیشانی اقدس پر کثرت سجود ملک علام کی وجہ سے سجدہ کا نشان ضوفشاں تھا۔

(تحفہ حسینیہ صفحہ ۱۷۵ طبع ایران۔ ومعہ ساکبہ ص ۳۳۷، ریاض القدس ص ۶۴)

حضرت عباسؑ کا "قمر بنی ہاشم" ہونا

حضرت عباسؑ حضرت علی اور جناب ام البنین سے پیدا ہوئے تھے۔ یہ دونوں حضرات حسن و جمال میں اپنے اپنے قبیلہ کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ ملاحظہ ہو (مناقب ابن شہر آشوب ج ۳۔ صفحہ ۱۰۳۔ وریاض القدس ج ا ص ۶۶) اور اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ حسین وجمیل ماں باپ کے بیٹے خوبصورت ہی ہوتے ہیں۔ تمام مورخین کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت عباس حسن و جمال اور چہرہ کی تابندگی میں ایک حیثیت کے مالک تھے۔ اسی وجہ سے آپ کو "قمر بنی ہاشم" کہا جاتا تھا۔ علماء لکھتے ہیں۔ "ان عباس علی کان رجلاً وسیما جمیلاً یقال لہ قمر بنی ہاشم

لحسنه و بهائه، الخ'' حضرت عباس بن علیؑ مرد تابندہ رو اور جمیل و خوشخو تھے۔ آپ کو خوبصورتی اور چہرہ کی تابندگی کی وجہ سے قمر بنی ہاشم، قبیلہ بنی ہاشم کا چاند کہا جاتا تھا۔

(مقتل عوالم ص ۹۴ طبع ایران' شرح زیارت ناحیہ' ناسخ التواریخ' جز ۶ صفحہ ۲۸۹ طبع بمبئی)

علامہ قزوینی لکھتے ہیں کہ حضرت عباس کی خبر ولادت جو امیر المومنین کو دی گئی تھی۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ ''ام البنین فرزندے قمر منظر بوجود آوردہ'' (ریاض القدس' ج ۱' صفحہ ۶۷) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا حسن و جمال وقت ولادت ہی سے ''قمر بنی ہاشم'' بننے کی خوشخبری سنا رہا تھا۔

حضرت عباسؑ اور شجاعت

تعریف شجاعت:

شجاعت نام ہے اس قوت قلب اور جرات و ہمت کا جو انسان کو ان منزلوں اور مقامات پر لے جائے اور ثابت قدم رہنے میں مدد دے جن کی طرف عام انسانوں کے قدم نہ بڑھ سکتے ہوں۔ علامہ کمال الدین طلحہ بن شافعی لکھتے ہیں۔

الشجاعة عبارة عن قوة في القلب يبعث على الاقدام على ارتكاب الافعال فكل من خصلت له هذالحالة. فقد الضف بالشجاعة فيسمى شجاعا.

(مطالب السئول ص ۱۱۹ طبع لکھنؤ)

شجاعت اس قوت قلبی کا نام ہے جو انسان کو انتہائی خطرناک اور خوفناک امور کے کر گزرنے پر ابھار دیا کرے۔ جس کے قلب میں یہ قوت پائی جائے۔ اسے بہادر اور شجاع کہتے ہیں۔

ع: اس کی تصدیق حضرت زینب کے واقعات سے ہوتی ہے۔ ابوالکلام آزاد ابن زیاد کے حالات کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ راوی کہتا ہے کہ جب اہل بیت کی خاتونیں اور بچے عبیداللہ ابن زیاد کے سامنے پہنچے تو حضرت زینب نے نہایت ہی حقیر لباس پہنا ہوا تھا وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ ان کی کنیزیں انہیں بیچ میں لئے ہوئے تھیں۔ عبیداللہ نے پوچھا یہ کون بیٹھی ہے۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عبیداللہ نے تین مرتبہ یہی سوال کیا۔ مگر وہ خاموش رہیں۔ آخر ان کی ایک کنیز نے کہا۔ ''یہ زینب بنت فاطمہ ہیں'' عبیداللہ شماتت کی راہ سے چلایا ''اس اللہ تعالیٰ کی ستائش جس نے تم لوگوں کو رسوا کیا اور تمہارے نام کو بٹہ لگایا۔ اس پر حضرت زینب نے جواب دیا۔ ہزار ستائش اس اللہ تعالیٰ کی جس نے ہمیں محمدؐ سے عزت بخشی۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شجاعت قلبی قوت اور جرات نفسی کا نام ہے تو اب یہ امر غور طلب ہے کہ کسی کو اگر شجاع کہا جائے تو اس کا معیار کیا ہے اور کسی کو شجاعت سے منصف جاننے کی پہچان کیا ہے کیا وہ شخص جس کے لئے شہرت ہو جائے اور جس کی شجاعت کا پروپیگنڈے کی وجہ سے ڈنکا بجنے لگے۔ کیا ارباب نظر بھی اسے شجاع اور بہادر کہنے اور ماننے لگیں گے۔ اس کے متعلق علماء نے تحریر کیا ہے۔

شجاعت کیونکر پہچانی جا سکتی ہے:

فهي قدرك بالبصيرة لا بالبصر ولا يمكن معرفتها بالحق مشاهدة لذاتها بل طريق معرفتها والعلم بها مشاهدة اثارها فمن اراد ان يعلم ان زيدا موصوف بالشجاعة فطريقته ان ينظر ما يصدر منه الخ (النفس المهوم ص١٨٩ طبع نجف اشرف سنہ ١٣٣٥ھ)

شجاعت کے پہچاننے کے لئے ظاہری آنکھیں درکار نہیں بلکہ دل کی آنکھیں مطلوب ہیں۔ اس کی لذت کا محسوس و معلوم کرنا حسِ ظاہری سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کے جاننے اور پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے آثار کا مطالعہ کیا جائے مثلاً اگر کوئی یہ جاننا چاہتا ہو کہ زید شجاع ہے یا نہیں تو اس کے افعال اور آثار کو دیکھے اور اس سے رائے قائم کرے۔

اور ہمیں پاک کیا نہ کہ جیسا تو کہتا ہے فاسق رسوا ہوتے اور فاجروں کے نام کو بٹہ لگتا ہے۔ ابن زیاد نے کہا تو نے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے خاندان سے کیا سلوک کیا۔ حضرت زینب بولیں ان کی قسمت میں قتل کی موت لکھی تھی اس لئے وہ مقتل میں پہنچ گئے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تجھے اور انہیں جمع کر دے گا۔ اور تم باہم اس کے حضور سوال و جواب کر لو گے۔ ابن زیاد غضبناک ہوا۔ اس کا غصہ دیکھ کر عمر بن حریث نے کہا۔ اللہ تعالیٰ امیر کو سنوارے۔ یہ تو محض ایک عورت ہے۔ عورتوں کی بات

---

[1] شیعوں کی سیاسی شجاعت کا اعتراف: چودھری خلیق الزماں صاحب ایم۔ ایل۔ اے رکن مسلم لیگ فرماتے ہیں: موجودہ ہندوستان میں جو اسلامی کلچر کہلاتا ہے وہ تعمیر اور ترویج میں شیعوں ہی کا ممنون کرم ہے۔ میر انیس اور مرزا دبیر کے مرثیوں اور میر و غالب کے کلیات کو اگر اردو سے علیحدہ کر دیا جائے تو اردو فنا ہو جائے۔ اس وقت تمام اہلِ اسلام نے ایک شیعہ کو قائد اعظم مان رکھا ہے۔ موصوف کی سرداری کو مان لینا ہی اہل سنت کے احساسات کا آئینہ ہے جو شیعوں کے متعلق ان کے ہیں۔ اس ہندوستان میں کفر و اسلام کا مقابلہ ہے اور یہ مقابلہ ہمیشہ رہے گا۔ اس بناء پر شیعہ سنی اختلافات کا امکان نہیں ہے۔ پاکستان کے تخیل نے تمام مذہبی اختلافات کو مردہ کر دیا ہے۔ کچھ دنوں قبل کانگریس نے سنی اور شیعہ کو لڑانے کے لئے مدح صحابہ اور تبرا کا ڈھونگ رچایا تھا۔ شیعوں کو اس بارے میں فخر حاصل ہے کہ جب کبھی کفر و اسلام کی ٹکر ہوئی تو شیعوں نے اپنے تمام جزوی اعتقادی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر اور باہم مل کر اقوام اسلام کے دوش بدوش داد شجاعت دی۔ الخ
اخبار زمیندار ج ۳۶ شمارہ نمبر ۴ ۔ ص ۲ کالم ۴ ۔ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۴۷ء

کا خیال نہ کرنا چاہئے۔ پھر کچھ دیر بعد ابن زیاد نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے سرکش سردار اور تیرے اہل بیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا۔ اس پر جناب زینب اپنے تئیں نہ سنبھال سکیں۔ بے اختیار رو پڑیں۔ انہوں نے کہا "واللہ! تو نے میرے سردار کو قتل کر ڈالا۔ میرا خاندان مٹا ڈالا۔ میری شاخیں کاٹ دیں۔ میری جڑیں اکھاڑ دیں۔ اگر اس سے تیرا دل ٹھنڈا ہو سکتا ہے تو ہو جائے۔" ابن زیاد نے مسکرا کر کہا۔ یہ شجاعت ہے۔ تیرا باپ بھی شاعر اور شجاع تھا۔ زینب نے کہا عورت کو شجاعت سے کیا سروکار۔ میری مصیبت نے شجاع کر دیا ہے۔ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں۔ یہ تو دل کی آگ ہے۔ الخ۔ رسالہ انسانیت موت کے دروازہ پر) ص ۱۱۳

شجاعت کے اقسام:

اس میں شک نہیں کہ انسان جس طرح اپنی مادی تشکیل میں آگ، پانی، ہوا، مٹی کا محتاج ہے۔ اسی طرح روحانی تکمیل میں حکمت، عدالت، عفت، شجاعت کا بھی محتاج ہے۔ اب چونکہ انسانیت کا دارومدار صفتِ شجاعت پر ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اقسام لکھ دیئے جائیں۔ علامہ ابو منصور ثعالبی لکھتے ہیں کہ شجاعت جو انسانیت کا جزو اعظم ہے اس کی گیارہ قسمیں ہیں:

(۱) "اذا کان شدید القلب رابط الجیش فھو "مزیر" جو بہادر میدان جنگ میں نہایت بے جگری سے لڑنے والا ہو۔ پہلو میں نہایت ہی قوی اور مضبوط دل رکھتا ہو۔ یعنی اس کا قلب اتنا مضبوط ہو کہ میمنہ و میسرہ اور قلبِ لشکر کے فنا کر دینے کی اس میں اچھی خاصی جرأت موجود ہو تو اس کو "مزیر" کہتے ہیں۔

(۲) "واذا کان لزوماً للفرقان لا یفارقہ فھو حلبس" اگر دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو اس کے قصد وجود کو پاک کئے بغیر جو چین نہ لے اسے "حلبس" کہتے ہیں۔

(۳) "واذا کان شدید القتال لزوماً لمن طالبہ فھو غلث" جو شخص اپنے دشمن سے بھڑ پڑنے کے بعد اسے قتل کئے بغیر اس کا پیچھا نہ چھوڑے اس کو "غلث" کہتے ہیں۔

(۴) "واذا کان جرئیاً علی اللیل فھو فخش و مخشف" جو رات میں بھی جنگ آزمائی پر دلیری کے ساتھ تیار ہو۔ اسے مخش و مخشف کہتے ہیں۔

(۵) "واذا کان مقداماً علی الحرب عالماً باحوالھا فھو محرب" جو فنون جنگ سے واقف ہو۔ اور بڑھ چڑھ کر حملے کرنے والا ہو۔ اسے "محرب" کہتے ہیں۔

(۶) "واذا کان منکراً شدیداً فھو زمر" جو بہادر بڑے بڑے پہلوانوں کے دانت

کھڑے کردے اسے ''زمر'' کہتے ہیں۔

(۷) "واذا کان به عبوس الشجاعته و الغضب فهو "باسل" اور جس کے ماتھے پر شجاعت کی شکن اور رگوں میں بہادری کے غصہ کا خون دوڑ رہا ہو۔ اس کو باسل کہتے ہیں۔

(۸) واذا کان لایدری من این یوتی لشدة باسه فهو "بهمة". جس بہادر کے متعلق اس کی بہادری کی وجہ سے یہ نہ سمجھ میں آئے کہ کس طرف سے حملہ کر کے اُسے زیر کیا جا سکتا ہے۔ اُسے ''بہمہ'' کہتے ہیں۔

(۹) "واذا کان یبطل الاشداء والدماء فلا یدرك عنده ثار فهم "بطل" جو بڑے بڑے خونخواروں کے جی چھڑا دے اور جو بھی سامنے آئے اسے کسی خوں بہا کا موقع نہ دے اسے ''بطل'' کہتے ہیں۔

(۱۰) "واذا کان یرکب راسه لا یثنیه شیء عما یرید فهو غشمشم "جو اپنے سر کو ہتھیلی پر رکھ کر اپنے حصول مقصد کے لئے اس طرح جنگ آزما ہو کہ اس کو کوئی قوت اس کے ارادہ سے باز نہ رکھ سکے اسے ''غشمشم'' کہتے ہیں۔

(۱۱) "واذا کان لا یخاش شئ فهو ایهم" جو بہادر نبرد آزمائی کے موقعہ پر کسی چیز کی پرواہ نہ کرتا ہو اسے ''ایہم'' کہتے ہیں۔ فقہ اللغۃ ج ا ص ۴۴۔ طبع مصر

حضرت عباس جو دنیائے شجاعت کے تاجدار تھے جب ان کے واقعاتِ زندگی پر ہلکی سی نظر ڈالی جاتی ہے تو روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ شجاعت کے جتنے بھی اقسام ہیں حضرت عباس ان سب کے بدرجہ اتم جامع تھے۔ دیکھئے حضرت عباس علیہ السلام کا امام حسینؑ کے ساتھ اس طرح رواں دواں بن کر رہنا کہ حضرت کا پورا پورا اعتماد آپ ہی کی شجاعت آگین ذات پر ہوا اور حسین یہ کہتے ہوئے دکھلائی دیں کہ اے اسد اللہ کے شیر تیرے وجود اور بقا پر ہمارے لشکر کا وجود ہے۔ اس سے حضرت عباسؑ کے ''مزیر'' ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور مادوابن صدیف سے بے نظیر انداز میں جنگ کرنا حلبس، غلت، محرب ہونے کا پتہ دیتا ہے۔ اور آپ کا تیں سوار اور بیں پیادے لے کر نہر فرات پر جانا اور قیامت خیز جنگ وجدل کے بعد پانی لانا آپ کے مخش اور مخشف ہونے پر دال ہے۔ اور کربلا میں روز عاشورا نہایت بے جگری سے جنگ کرنا اور ہزاروں کو فنا کے گھاٹ اتار دینا اور اس سلسلے میں اپنے ہاتھ بھی کٹوا دینا۔ آپ کے زمر اور باسل ہونے پر شاہد ہے۔ اور آپ کا اکثر اعزاء وانصار کی مدد کو جانا اور بے پناہ جنگ کرنا آپ کے ''بہمہ'' ہونے کا گواہ ہے اور سینکڑوں دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار کر نہر فرات پر قبضہ جمانا۔ پانی بھرنا اور کسی

دشمن کی پرواہ نہ کرتے ہوئے خیمہ کی طرف برابر بڑھتے ہوئے چلے جانا آپ کے بطلِ عشمشم ، اوراہیم ہونے کی کھلی دلیل ہے۔(الواعظ محرم نمبر۔یکم مارچ ۱۹۳۹ء)

تاریخ عالم کے مطالعہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وہ انسان جوموت سے ڈرتا نہ ہو اور پروردگار عالم کی پوری معرفت کا مالک ہووہی بہادر اور شجاع ہوتا ہے۔حضرت علی علیہ السلام جن کا قول تھا۔"لو کشف العظاء لما اردت یقینا" وہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کہ موت مجھ پر آپڑے گی۔یا میں موت کے منہ میں جا گھروں گا۔حضرت عباسؑ بھی انہی امام العارفین کے عارف کامل فرزند تھے۔یہی وجہ تھی کہ آپ موت سے بے خوف اور لاکھوں پر پھٹ پڑنے والے تھے۔اوردنیا آپ کی شجاعت کا لوہا ماننے پر مجبور تھی ا۔

هذاالشجاع هو الذی من باسه فرالكماة فراد كل جهان

"یہ وہ بہادر تھے جن کے زور شجاعت کے بڑے بڑے پہلوان میدان جنگ سے جی چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔" ملا قاسم بحرانی لکھتے ہیں کہ حضرت عباسؑ کی وہ ہیبت وسطوت تھی کہ جس نے دشمنوں کے قلوب کو تاریک اور دلوں کو جلاڈالا تھا۔"واعمت عيونهم" اور اندھا کردیا تھا۔(شرعۃ المصائب۔صفحہ ۱۷۷ جلد ۲ طبع لکھنؤ) غرضکہ شجاعت کے لئے عارف باللہ ہونے کی ضرورت ہے۔اسی مقصد کو شیخ بوعلی بن سینا نے اپنی کتاب "مقامات العارفین" میں لکھا ہے۔

علامہ عبدالرزاق مدبجی تحریر فرماتے ہیں:"**العارف شجاع و کیف لا وهو بمعزل عن تقية الموت**" جواللہ تعالیٰ کی معرفت کاملہ رکھتا ہو۔وہ زبردست بہادر ہوتا ہے اس لئے کہ وہ موت سے بچنا نہیں جانتا۔یعنی اس کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی۔کہ موت مجھ پر آجائے گی یا میں موت پر جا پڑوں گا۔(سرمایہ ایمان صفحہ ۹۳۔طبع بمبئی)

شجاعت کی پسندیدگی:

سرکارِدوعالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں"**ان الله يحب الشجاعة ولو علیٰ قتل حية**" اخداوند عالم شجاعت کو دوست رکھتا ہے چاہے اس کا مظاہرہ ایک سانپ ہی کے مارنے میں کیوں نہ ہو۔(سراج المنیر ص ۴۳ طبع بمبئی ۱۳۰۶)

سرکاردو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے دنیا سمجھ سکتی ہے کہ شجاعت کتنی پسندیدہ اور کس قدر قابلِ تعریف صفت ہے۔مسٹر سی۔ایس رنگا آئر اپنے مضمون "حسینؑ کی حیاتِ جاودانی" میں شجاعان

کربلا کی مدح سرائی کرتے ہوئے لارڈ وزبری کے نقل قول "خراج تحسین شجاعوں ا کے لئے ہے" کے بعد لکھتے ہیں۔

"وہ باوفا جو حسینؑ کے ساتھ جیتے جی اور مرنے کے بعد بھی رہے۔ تمام شجاعوں سے زیادہ شجاع تھے۔" (دی مون لائٹ لکھنؤ۔ محرم نمبر ۱۳۶۰ھ)

علامہ کنتوری شجاعت کو معجزہ کا رنگ دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ "آنحضرت ﷺ نے اپنا دوسرا معجزہ شجاعت کا بھی اپنے خاص جہادوں میں دکھلایا۔ جس کا انکار کوئی شخص آج نہیں کرسکتا۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا ہے کہ شجاعت میں ہمارے نبی ﷺ سے بڑھ کر کوئی آدمی تھا۔ اور یہ معجزہ شجاعت کا حضرت ﷺ سے لے کر تا زمانہ خلافت علی بن ابی طالب محابات صفین: نہروان اور آخر کو ۶۱ھ واقعہ کربلا میں آپ کے فرزند امام حسین علیہ السلام نے ایسا دکھلایا جس کو مورخین یورپ بھی پرزور الفاظ میں لکھ رہے ہیں۔ الخ (انتصار الاسلام ص ۷۰ طبع بنارس)

حضرت عباس کا مبشر بالشجاعۃ ہونا:

حضرت عباس علیہ السلام کی شجاعت کے متعلق یہ امر قابل ذکر ہے کہ آپ کی شجاعت کی بشارت آپ کے پیدا ہونے سے پہلے دی جا چکی ہے۔ علامہ کنتوری لکھتے ہیں۔ "وانہ کان مبشرا بالشجاعۃ قبل میلادہ" آپ کی پیدائش سے قبل آپ کی شجاعت کی بشارت دی جا چکی تھی۔ (امائتین) جناب الیاس صاحب لکھتے ہیں کہ یہ شجاعت کی بشارت آنحضرت ﷺ نے دی تھی۔ (قمر بنی ہاشم ص ۲۳ طبع لاہور) اس واقعہ سے حضرت عباس علیہ السلام کی شجاعت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ا نوٹ: ناظرین کرام ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ آج کل کی دنیا شجاعت کس کو کہتی ہے؟

مسٹر وینڈل ولکی ماسکو نے روسیوں کی شجاعت کی تعریف کے زیر عنوان بیان دیا ہے کہ اب کی موسم سرما میں گو کہ روس میں سامان خوراک کم ہوگا۔ اور جلانے کو ایندھن نہ ملے گی اور کپڑے نایاب ہوں گے۔ اور ضروری ادویات کا وجود نہ ہوگا لیکن اس پر بھی روسی ہمت نہیں ہارے ہیں اور انہوں نے طے کرلیا ہے کہ وہ یا تو فتح حاصل کریں گے یا لڑ کر ختم ہو جائیں گے اب کی جاڑوں میں سامان غذا بھی یہاں بھیجنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو لاکھوں آدمی بھوکوں مر جائیں گے ایک شیر دل شخص بھی بھوکا رہ کر جنگ جاری نہیں رکھ سکتا۔ روسیوں کے لئے دوائیں بھی بھیجنے کی ضرورت ہے (اخبار سرفراز ۳۰ ستمبر ۱۹۴۲ء) مسٹر ولکی نے کمی اشیاء کی حالت میں جنگ کرنے کا نام شجاعت رکھا ہے اور زیادہ بھوک کی حالت میں جنگ کرنے والے کو شجاع خیال کیا ہے۔ چنانچہ اس کو واضح طور پر بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ ایک شیر دل شخص بھی بھوکا رہ کر جنگ جاری نہیں رکھ سکتا۔ لیکن موصوف نے پیاس کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ دنیا جانتی ہے کہ بھوک کے عالم میں لڑا بھی جا سکتا ہے چنانچہ زبردست حملہ آور بہادر کے حملہ کو (شیر گرسنہ) کے حملہ سے تعبیر کیا جاتا ہے مگر پیاس کا مارا ایک منٹ بھی نہیں لڑ سکتا۔ یہ تو صرف کربلا والوں ہی کا جگر تھا اور ان کی روحانیت تھی کہ تین دن کی بھوک پیاس میں ایسی جنگ کی جس کا اثر آج تک باقی ہے۔ منہ

حضرت عباس کی شجاعت:

ملا قاسم علی صاحب بحرانی لکھتے ہیں۔

"انه کان فارسًا هماماً و بطلاً ضرغاماً وکان جسوراً علی الطعن والضرب فی میدان الکفاح۔" شرعة المصائب جلد۲. صفحه ۱۷۸. ۹۴ طبع لکھنؤ

حضرت عباس بڑے پر ہمت شہسوار اور شیر دل بہادر تھے۔ اور میدان کارزار میں نیزہ بازی اور شمشیرزنی میں بڑے جری اور دلیر تھے۔

شجاعت حضرت عباس کے متعلق واعظ کاشفی کا افادہ:

علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں۔

عباس مبازرنا مدار و شجاع بغایت عالی مقدار بود۔ جرات وقوت از حیدر کرار میراث داشت الخ روضۃ الشہدا ص ۳۶۱

حضرت عباس بڑے نامور نبرد آزما اور زبردست بہادر تھے۔ آپ کو جرأت وقوت شیر خدا حضرت علیؑ سے میراث میں ملی تھی۔

حضرت عباس کا رئیس الشجعان ہونا:

آپ کی شجاعت اس درجہ بلند تھی کہ تمام مورخین اور ارباب سیر کو یہ کہنا پڑا کہ "انه کان رئیس الشجعان" آپ مملکتِ شجاعت کے تاجدار اور اقلیم شجاعت کے راس ورئیس تھے۔ ملاحظہ ہو مقتل عوالم ص ۹۴ ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۸۹' شرح زیارت ناحیہ' تحفہ حسینیہ۔ ج ا ص ۱۷۸ ابصار العین ص ۲۶

حضرت عباس اور عہدہ علم برداری

علم کی تاریخ:

علم' رائت' لواء' جھنڈا' نشان وغیرہ یہ مختلف زبانوں کی تقریباً ہم معنی لفظیں ہیں جو قریب قریب ایک ہی مطلب میں مستعمل ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ مواقع کے لحاظ سے ان کے مفاہیم اصلیہ میں فی الجملہ اختلاف کی شان پیدا ہو جائے۔

ان کے استعمال کا سلسلہ زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ بنی آدم میں سب سے پہلے اس کا استعمال اس موقع پر ہوا جبکہ جناب شیث اور قابیل میں قتل ہابیل کی وجہ سے مڈبھیڑ ہوگئی۔

مورخین جنگ کی ابتداء کو واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ "ان اوّل حرب

کانت بین بنی آدم ما کان بین شیث و قابیل و ذالك ان الله تعالٰی اهدی الیه حلة بیضاء و رفعت الملائکة له رایته عبید الشیث الخ" بنی آدم میں سب سے پہلے جنگ جناب شیث اور قابیل میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں جناب شیث کے لئے ایک سفید جنتی حلہ بھیجا تھا۔ اس جنگ میں عہدہ علمبرداری ملائکہ کے سپرد تھا وہ سفید پھریرے والے رائت کو اٹھائے ہوئے تھے۔ بالآخر قابیل پر غلبہ پالیا گیا اور اسے گرفتار کر کے مقام عین الشّمس میں پہنچا دیا گیا۔ اور اس کی اولاد کو شیث کی زنجیر غلامی میں جکڑ دیا گیا

(مناقب ابن شہر آشوب جلد۳ صفحہ ۱۵۹۔ طبع بمبئی)

اس عبارت سے دو باتوں کا استفادہ ہوتا ہے (اوّل) یہ کہ "علم کی ابتداء حضرت آدمؑ کے قریبی زمانہ سے ہے۔ (دوم) یہ کہ علمبرداری ایسا جلیل القدر منصب اور عہدہ ہے جس پر ملک یا ملک صفت انسان ہی فائز ہوا کرتا ہے۔

وحشی قبائل کے قومی نشان:

جب یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جملہ اقوام عالم اپنے قومی نشان اور جھنڈوں کو خاص عزت واحترام کا مستحق سمجھتی ہیں اور نظام طلیعہ میں بھی اس پر زور دیا جاتا ہے کہ قومی نشان کی عزت وحرمت مدنظر رکھی جائے۔

یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ قومی نشان نہ صرف امتیاز قومی کا ذریعہ ہے بلکہ دراصل وہ قومی عروج وزوال کا صحیح ترجمان ہوتا ہے۔ زندہ اور بہادر قومیں اس کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہیں۔

نوٹ: (۱) صاحب معالم زلفی لکھتے ہیں۔ یدہ مغلولۃ الی عنقہ معلق بقرونہ فی عین الشّمس یدومع الشّمس حیث ما دارت یعذب بحر الشّمس وزمھریرالبرد حتی تقوم الساعۃ۔ قابیل کے دونوں ہاتھ اس کی گردن سے بندھے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے سینگوں میں بندھا ہوا عین الشّمس میں لٹکا ہوا ہے۔ وہ آفتاب کے ساتھ ساتھ چکر میں رہتا ہے۔ وہ قیامت تک آفتاب کی حرارت اور زمہریر کی برودت کے ساتھ معذب ہوتا رہے گا۔ ص ۱۲۷

نوٹ (۲): امین الدین خاں حسینی ہروی لکھتے ہیں کہ عین الشّمس ایست کہ در وقت طلوع آفتاب بجانب مغرب رواں باشد وچوں آفتاب میل غروب کند بجانب شرق گردد۔ عین الشّمس وہ چشمہ ہے جو طلوع آفتاب کے وقت مغرب کی جانب اور غروب آفتاب کے وقت مشرق کی طرف بہا کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ معلومات الآفاق طبع لکھنؤ ۱۲۹۰ھ)

نورالحسن صاحب وکیل دھولپوری لکھتے ہیں کہ عین الشّمس وہ ہے جو قاہرہ مغربیہ مصر کے قریب ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ مصر ص ۱۲ طبع آگرہ ۱۸۹۴ھ علامہ احمد اللہ قزوینی لکھتے ہیں کہ عین الشّمس وہ چشمہ ہے جو توابع مصر میں ہے۔ اور جس میں حضرت عیسیٰؑ نے غسل کیا تھا جس کی وجہ سے اس کے کنارے درخت بلساں پیدا ہوتا ہے۔ جس کے تمام اجزاء اور روغن وغیرہ کثیر امراض فالج۔ صرعہ عرق النساء وغیرہ کے لئے مفید ہیں۔ (نزھۃ القلوب بیان اشجار۔ طبع بمبئی ۱۳۱۱ھ)

بائبل سے صاف ظاہر ہے کہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تھے تو ان کے مختلف قبائل ریگستانوں میں اپنی کیمپ کی ترتیب میں جھنڈوں سے کام لیتے تھے' کولمبس نے جب امریکہ دریافت کیا اور عرب الہند واقع امریکہ کے وحشی قبائل کا جائزہ لیا۔ جن کا سردار گوانا گاری تھا۔ تو ان میں زرخالص کے بنے ہوئے جھنڈے بھی تھے جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نئی دنیا کی قدیم جنگلی قوموں میں بھی اس کا رواج پہلے سے موجود تھا۔

سنتا ہوں کہ ایشیا کی قدیم ترین سلطنت ایران تسلیم کی گئی ہے۔ اس کے ایک پرانے بادشاہ فریدون کا جھنڈا (درفش کاویانی) کے نام سے موسوم تھا جس کا تذکرہ قومی جذبہ کے ماتحت شعرائے قدیم اکثر کیا کرتے تھے۔

قومی نشان اور زمانہ جاہلیت:

زمانہ جاہلیت میں بھی جھنڈے اور قومی نشان کا موجود ہونا مسلم ہے ہر قبیلہ کے افراد اپنے قبیلہ کے نیچے جمع ہوتے تھے۔ خاندانِ قریش جس میں اسلام کا پرچم لہرایا۔ قبل اسلام بھی مرتبے اور شرافت کے لحاظ سے نہایت ہی ممتاز اور ذی عزت قبیلہ سمجھا جاتا تھا۔ خانہ کعبہ کے متولی ہونے کی حیثیت سے دیگر قبائل عرب کے مقابلہ میں اس کی سرگرمیاں اور ذمہ داریاں بہت تھیں۔ اور اس کا دائرہ اثر بھی نہایت وسیع تھا۔ اسی بناء پر جملہ امور متعلقہ انتظام خانہ کعبہ و مراسم مذہبی و تمدنی و تصفیہ نزاعات مابین قبائل و معاملات صلح و جنگ اور دیگر ایسے ہی زبردست امور انہیں کے سپرد ہوتے تھے۔ ان حضرات کے اہم دستور العمل اور تجاویز میں عہدہ علمبرداری کی نگہداشت شامل تھی۔

زمانہ جاہلیت کے مشہور شاعر زہیر بن حباب کلبی (جس نے ۱۵۰ سال کی عمر میں ۵۰۰ مسیحی میں انتقال کیا) کا حسب ذیل شعر قدامت علم کا شاہد ہے۔

فانا حیث لا یخفی علیکم　　　لیوث حین یحتضر اللواء

دنیا والو! تم پر یہ پوشیدہ نہیں کہ جب ہم میدان جنگ میں اپنے قبیلہ کا "علم" دیکھ لیتے ہیں تو غنیم پر شیر غضبناک کی طرح حملہ آور ہوتے ہیں۔

یورپین ممالک کے جھنڈے:

اس میں شک نہیں کہ جھنڈے پر مخصوص علامات بنانے کا رواج بعض اقوام مثلاً روم' چین وغیرہ میں پہلے سے جاری تھا۔ تاہم جہاں تک یورپین اقوام کا تعلق ہے۔ جھنڈوں پر مخصوص

تصاویر یا اشکال یا طغرئی بنانے کی ابتدا عام طور پر صلیبی جنگ ۱۱۸۹ء تا ۱۱۹۲ء سے ہوئی۔ جس میں انگلستان، فرانس اور جرمنی کی بے شمار فوجیں اور مختلف یوروپین اقوام کے رضا کار متحد ہو کر ملک شام میں بغرض فتح بیت المقدس جمع ہوئے تھے۔ چونکہ یہ لوگ جدید طرز کے خود استعمال کرنے لگے تھے۔ جس میں سارا چہرہ چھپ جاتا تھا۔ اس لئے ان کو خاص طور پر اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ہر قوم کے جھنڈے پر خاص خاص امتیازی علامات مرتسم ہوں۔ جس سے اس جماعت کی ترتیب و تنظیم میں سہولت ہو۔ اور وقت ضرورت ہر قوم کے جنگجو بہادر اپنے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں۔ بعد اس تنظیم الاعلام کی بنیاد جرمنی میں پڑی اور اس کی باقاعدہ تنظیم و تکمیل تیرہویں صدی مسیحی میں ہوئی۔

فوجی جھنڈوں کا رواج انگلستان میں نارمل فتوحات یعنی ۱۰۶۶ء سے تھا۔ لیکن فرانس کی فوج میں ان امتیازی جھنڈوں کی مزید توسیع سولہویں صدی میں اس وقت ہوئی جبکہ اٹلی برسر پیکار تھا۔

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بعض بعض جھنڈوں پر لکھی ہوئی عبارت کے ایک دو ترجمے لکھ دیئے جائیں۔ ملاحظہ ہو۔ ۱ کسی سے مت دبو۔ ۲ تیز دم اور جری رہو۔ ۳ کل امور میں بہادر رہو۔ ۴ کوئی قدم پیچھے نہ ہٹے۔ ۵ ہمیشہ وفادار رہو۔

راجپوت اور ان کے جھنڈے:

ہندوستان میں قدیم راجپوتوں کا جھنڈا زرد رنگ کا ہوتا تھا ان کے لئے مشہور ہے کہ وہ جھنڈا لے کر میدان جنگ میں جب جاتے تھے تو یہ عہد کر کے جاتے تھے کہ یا فتح کر کے لوٹیں گے یا جان دے دیں گے۔

بعض مشرقی اقوام کے قومی نشان:

اشاعت اسلام سے قبل شمالی افریقہ کی بربری اقوام منہاجہ وغیرہ کے جھنڈوں کا کوئی ایک مخصوص رنگ نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ رنگ برنگ کے خالص ریشمی ہوا کرتے تھے۔ اور ان پر طلائی نقش ونگار بھی ہوتے تھے۔ بعض ترک اقوام کے جھنڈوں کے بالائی حصہ پر گھوڑے کے دم کے بالوں کا ایک بڑا گچھا ہوتا تھا۔ جس کو وہ "چتر" کے نام سے موسوم کرتے تھے چینیوں کے جھنڈے پر ایک ہیبت ناک مگر فرضی اژدھے کی شکل ہمیشہ بنتی آئی ہے۔

اسلامی نشان یا علم کے امتیازی علامات:

سنا جاتا ہے کہ صدر اسلام میں علم کا پھریرہ سفید ہوا کرتا تھا۔ بنی امیہ کا شاہی جھنڈا سرخ

رنگ کا ہوتا تھا۔ بنی عباسیہ کا علم تو در کناران کی ساری وردی سیاہ رنگ کی تھی۔ بنی ابی طالب کا علم سفید تھا۔ شیعہ اوراعیان ہاشم کا جھنڈا سبز تھا۔

چونکہ بنی ہاشم کا علم سبز تھا' اس لئے یوم عاشورہ قمر بنی ہاشم کے دستِ مبارک میں جو علم تھا وہ بھی سبز تھا۔ شمس العلماء جناب مولانا سیّد سبط حسن صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ' حضرت عباس علیہ السلام کے نہر پر پہنچنے کو دکھلاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

رائت عباس کے پرچم سے بدلا رنگ آب خضر آیا نہر کی پوشاک دھانی ہو گئی

قریش کا علم' قصی بن کلاب کے ہاتھوں میں رہا کرتا تھا۔ ان کے بعد بنی ہاشم کے ہاتھوں آیا۔ بعثت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد یہ علم مستقل طور پر حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں میں رہا۔

اتفق ابن الجنتری و سائر اهل السیر انـه كـانـت رأيـت قـريـش ولوائها جـمـيـعًا بيدى قصى بن كلاب ثم لم تزل الـرايتـه فى يدى عبد المطلب فـلـما بعث النبى صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اقرهانى بنى هـاشـم ودفعها الى على فى اوّل غزاة حـمـلـت فيها و هى و دان فلم تزل مـعـنـه و كـان الـلـواء يـومـئـذٍ فى عبد الـدار فـاعطاه النبى مصعب بن عمير فـاستشهد يـوم احـد فـاخـذهـا النبى و دفـعـهـا الـى عـلـى فـجـمـع يـومئذله الرايته واللواء وهما ابيضتان (مناقب ابـن شـهـر آشـوب . جـلـد۳ ص۱۵۹ طبع بمبئی. و ارشاو مفيد ج۱ ص۴۲ طبع ايران)

ابن نجتری اور جملہ اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ قریش کے رائت والواء دونوں قصیٰ بن کلاب کے ہاتھوں میں تھے۔ پھر رائت جناب عبد المطلب کے پاس رہنے لگا۔ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث برسالت ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بنی ہاشم میں مستقر کر دیا۔ اور اسلام کی پہلی جنگ ''دوان'' میں حضرت علی السلام کے سپرد فرمایا پھر دائماً انہیں کے ہاتھوں میں رہا۔ البتہ لوا، بنی عبد الدار میں تھا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مصعب بن عمیر کے سپرد فرمایا جب وہ جنگ احد میں شہید ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بھی حضرت علی کے حوالہ کر دیا۔ اب حضرت علی ان دونوں رایت ولواء کے حاملِ قرار پائے جن کا رنگ سفید تھا۔

غرضیکہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا۔ جھنڈوں کے امتیازات میں اضافہ ہوتا گیا۔ بسا اوقات نشانوں اور جھنڈوں پر سلاطین یا ان امراء کے نام لکھائے جاتے تھے جو قوم کے سردار ہوا کرتے تھے۔ جس کی ایک مثال یہ ہے کہ ابن تحکم کے جھنڈے پر ابن رائق کی نسبت سے الرائقی لکھا ہوا تھا۔ موجودہ زمانہ کی اسلامی سلطنتوں کے جھنڈوں کے نشانات بھی اسی اصول پر مبنی ہوتے

تھے۔ دیکھئے ترکی، مصر، مراکو، کابل، حیدر آباد، ایران وغیرہ کے جھنڈے پر شیر اور آفتاب کی تصویر پائی جاتی ہے۔[1] (علیگڑھ میگزین)

مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر اپنے دوست لسان الملۃ جناب سیّد آغا مہدی صاحب لکھنوی کا وہ مضمون نقل کر دوں جو آپ نے ''تاریخ علم'' کے سلسلہ میں 'پیغام حسینی' بمبئی کے محرم نمبر ۱۳۶۲ھ کے سپرد اوراق کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ ''اجزاے علمداری میں سب سے زیادہ اہم جز علم ہے۔ جو نوحہ و شیون کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ اس وقت تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ علم حسینی فوج کے علمدار حضرت ابوالفضل العباس کی یادگار ہے۔ مگر اس کے پردے میں سلف صالحین کی یاد مضمر ہے جو دین خدا کی حمایت میں اپنی جان کو جان نہ سمجھتے تھے۔

منصب علمبرداری بہت قدیم منصب ہے اور علم حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی یادگار ہے۔ جس کو سب سے پہلے آپ نے بنایا' تاریخ میں ہے۔ ''العلم هي لوٰاء ضعها خليل الرحمن في العالم'' آداب مجالس ص ۳۸

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ دین ابراہیمؑ کو زندہ کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دور میں اس یادگار ابراہیمؑ کو نئے سرے قائم کیا۔ اور جب مکہ معظّمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ''بریدہ'' کو حکم دیا کہ وہ علم بنائے۔ وہ علم لئے ہوئے مدینہ منورہ کی گلیوں میں ''لاالٰہ الا اللہ'' کی صدا بلند کرتا پھرتا تھا۔ مسلمان اچھی طرح اس علم کو پہچان گئے تھے۔ اور لڑائیوں میں اسی علم کو مسلمان سپاہیوں کا نشان قرار دیا تھا۔

---

[1] جہاں تک مجھے علم ہے۔ ہندوستان میں عام سیاسی اسلامی جھنڈا اگر تھا تو کسی خصوصیت کا مالک نہ تھا۔ میرے خیال میں گزشتہ ہندوستان میں چونکہ شیعہ طبل و علم کے مالک رہے لہٰذا ان کے سیاسی جھنڈے کی یہ خصوصیت رہی کہ اس پر شمس و شیر بنے ہوئے تھے۔ اب عہد پاکستان میں تمام مسلمانوں کا سیاسی جھنڈا وہی ہوگا جو آج کل اسلامیان ہند کا سیاسی جھنڈا ہے۔ جس کے سبز پھریرے پر چاند تارا بنا ہوا ہے۔ موجودہ ہندوستان میں ہمارا ابھی سیاسی جھنڈا یہی ہے اور عہد پاکستان میں رہے گا اب رہ گیا قومی جھنڈا یا نشان تو وہ وہی ہے جو ید اللہ کے ہاتھوں کی میراث ہے۔ اور جس پر حضرت عباس کا قبضہ رہا اور جس کی حفاظت میں علی کے شیر نے اپنے دونوں ہاتھوں کو نثار کر دیا۔ جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس جھنڈے یا علم کے اوپری حصہ میں ان کے پنجوں کے نثار ہونے کی یادگار میں پنجہ بنا ہوتا ہے۔ ع: عباس کا علم ہے قومی نشاں ہمارا

نوٹ: حضرت علیؑ کے اس رائت کا سفید ہونا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا تھا یہ واضح کرتا ہے کہ آپ سے میراث میں جو علم حضرت عباس کو ملا تھا اسے بھی سفید ہونا چاہئے تھا لیکن کتابوں میں ملتا ہے کہ جب حضرت عباس پانی کے لئے نہر فرات پر تشریف لے گئے تو آپ کے ہاتھ میں سبز علم تھا۔ اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ حضرت عباس کا جنگی علم سفید رہا ہوگا لیکن اس وقت جبکہ آپ پانی لینے کے لئے تشریف لے گئے تو آپ کو لڑنے کی اجازت نہ تھی آپ کا علم سبز رہا ہوگا۔ اس کی تائید ملائکہ کے افعال سے ہوتی ہے وہ بھی جب لڑنے کے لئے آئے تو ان کے ہاتھ میں سفید علم رہا۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور جب جنگ کے علاوہ تشریف لانا ہوا تو سبز علم لے کر آئے علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ جب شب قدر ہوتی ہے تو جبرئیل سبز علم لے کر آتے ہیں اور بالائے خانہ کعبہ نصب کرتے ہیں۔ (زاد المعاد ص ۱۴۸)

تاریخ وسیر میں اس محل پر دو لفظیں اور استعمال کی گئی ہیں۔ لواء اور رائت[1] لغت میں ہے کہ لواء اس علم کا نام ہے جس میں نیزے کی بوڑی پر ایک پرچم لہرا رہا ہو۔ یہ علم کے علاوہ ایک چیز ہے۔ (معجم المطالب) روزِ حشر کے واقعات میں لوائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں معنوں میں آیا ہے۔ نبوی لشکر میں لواء اور رائت کا ذکر ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے ہر گروہ کا ایک علیحدہ رائت قرار دیا تھا۔ مہاجرین وانصار کے رائت الگ الگ تھے۔ جنگ بدر میں (جو اسلام کی پہلی لڑائی ہے) پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مخصوص رائت حضرت علی کے ہاتھ میں تھا اور انصار کا نشان سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا اور لواء مصعب بن عمیر کو دیا تھا سعد بن عبادہ نشان برداری کے عہدہ پر فتح مکہ معظمہ کے قبل تک برقرار رہے اور فتح مکہ معظمہ کے موقعہ پر جناب علی مرتضیٰ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایماء سے سعد کو معزول کیا یہ وہی رایت ہے جو ہر گروہ کے اختلاف کے لحاظ سے قرار دیا تھا۔

جو علم بریدہ نے سب سے پہلے ترتیب دیا اس پر بریدہ کے بعد حضرت حمزہ کا قبضہ ہوا۔ اور علمبرداری ہی کی حالت میں آپ ''جنگ احد'' میں شہید ہوئے۔ جنگ موتہ میں تین شخص یکے بعد دیگرے علمدار ہوئے۔ (۱) حضرت جعفر طیارؓ، (۲) حضرت زید بن حارثہؓ (۳) حضرت عبد اللہ بن رواحؓ۔ یہ تینوں مجاہد اپنے فرائض کی ادائیگی میں شہید ہوئے۔ ان تاریخی حقایق پر تیرہ سو برس کے بعد آج ہم مطلع ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ عہد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور لوگ ''ابو سعید خدری'' اور تابعین میں ابن عباس اس تقسیم سے بے خبر ہوں۔ ابو سعید کا بیان ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اے علی تم ہمارے جسم کو غسل دو گے اور ہمارے قرض کو ادا کرو گے اور ہم کو قبر میں رکھو گے۔ اور تم ہی دنیا و آخرت میں ہمارے علمدار ہو۔ (ارجح المطالب ص ۵۵۲) یہ روایت فردوس الاخیار دیلمی کی ہے اور اصل الفاظ زبانِ مبارک کے یہ ہیں۔ ''انت صاحب لواء فی الدنیا والاخرة'' اس کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص علم صرف علی کے ہاتھ میں رہا۔

[1] صاحب آداب المجالس کے علاوہ خود علامہ ابن شہر آشوب نے بھی ایک روایت کے حوالہ سے اس کی ابتدا کو حضرت ابراہیمؑ سے منسوب کیا ہے لیکن حضرت شیثؑ اور قابیل کی جنگ کے واقع میں تحریر فرمایا ہے کہ ملائکہ سفید رائت لے کر آئے تھے اس سے علم کی قدامت پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

[2] نہج البلاغہ کے صفحہ ۴ پر زیر جملہ قلیل تحت الرایات' علم اور رائت کو ایک معنوں میں لکھا ہے اور منجد کے صفحہ ۳۶۱ پر تقریباً وہی ہے جو معجم الطالب سے لکھا گیا۔ ناظرین کرام! میں نے ''ذکر العباس'' طبع اوّل کے صفحہ ۳۳ پر لکھا تھا کہ بظاہر رائت اس علم کو کہتے ہیں جو تمام لشکر کے سردار کے پاس ہو اور ''لواء'' اس کو کہتے ہیں جو کسی قبیلہ کا ہو۔ یہی سبب ہے کہ جنگ خیبر میں رائت ہی دیا گیا تھا۔ لواء نہ تھا۔ اس لئے کہ وہ ساری مملکت اسلامی کا علم تھا۔ کسی چھوٹے یا مخصوص قبیلہ کا نہ تھا۔''

میرا اب بھی خیال ہے کہ رائت لواء سے بڑا ہوا کرتا تھا اور میری تائید علامہ سپھر کاشانی بھی فرماتے ہیں۔ ''لواء علمے خورد تر از رائت است۔ رائت سے چھوٹے علم کو لواء کہتے ہیں۔ ناسخ التواریخ ج ۳ ص ۱۱۱ے طبع بمبئی۔ لیکن المنجد کے ص ۷۴۴ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لواء رائت سے بڑا ہوا کرتا تھا۔ واللہ اعلم۔

ابنِ عباس کی ترجمانی سے اس مطلب کی اور توضیح ہوتی ہے۔ وہ افتخار یہ لب ولہجہ میں کہتے ہیں کہ جناب علی علیہ السلام میں چار صفتیں ایسی ہیں کہ ان کے سوا کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ وہ تمام عرب و عجم میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے قبل پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ اور وہ ایسے شخص ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم ہر غزوہ میں انہیں کے ہاتھ رہا۔ اور وہ ایسے شخص ہیں کہ جب لوگ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر میدانِ جنگ سے فرار ہو گئے تھے تو وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صبر کیے ہوئے تھے۔ اور انہیں نے مرسل کو غسل دیا اور قبر میں اتارا۔

(ارجح المطالب ص ۵۵۳)

یہ روایت ابن عبد البر نے استیعاب فی فضائل الاصحاب میں لکھی ہے اور صحیح ترمذی میں بھی موجود ہے۔ عیون الفاظ حدیث کے یہ ہیں۔ "هو الذی کان لواء ه معه فی کل زحف" اگر کسی کو اشتباہ ہو کہ لواء ہر غزوہ میں علی کے ہاتھ نہیں رہا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رائت کسی اور کو ملا۔ تو دوسری جگہ ابن عباس کے الفاظ ہیں۔ "کان اخذ رایت رسول الله یوم بدر والمشاهد کلها" غزوہ بدر اور تمام لڑائیوں میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رائت علی ہی کے ہاتھ میں تھا (ارجح المطالب ص ۵۵۳) بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی جنگ میں آپ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لواء لے کر جہاد فرماتے تھے اور کسی میں رائت۔ اور یہ دونوں مخصوص علم ان کے سوا کسی کے ہاتھ میں نہیں رہے۔ اخطب خوارزمی مشہور سنی محقق کا بیان ہے کہ بروز احد حضرت علیؑ کے ہاتھ میں لواء تھا۔ جو داہنے ہاتھ میں ضرب شدید آنے پر بائیں ہاتھ میں لے لیا تھا۔

علامہ حلیؒ نے ایک نیا افادہ فرمایا ہے وہ جناب علی مرتضیٰ کے خصوصیات کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ "و منها فی غزاة احد جمع له الرسول بین اللواء و الرائته" (شرح تجرید) منجملہ اس کے ایک فضیلت یہ تھی کہ بروز جنگ احد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لواء اور رائت دونوں علی کو دیئے تھے۔

---

[۱] لواء الحمد کی صفت کرتے ہوئے علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ وہ ایک طویل علم ہوگا۔ جس کی لمبان ایک ہزار سال راہ کے برابر ہو گی اور اس کا سرا یاقوت سرخ کا ہوگا اور اس کی چوب چاندی کی ہوگی اور اس کا زیریں حصہ سبز موتی کا ہوگا۔ اور اس کے تین زاوئے ہوں گے۔ ایک مغرب اور ایک مشرق اور وسط دنیا میں پھیلا ہوگا۔ اور ان پر تین سطریں لکھی ہوں گی۔ پہلی سطر بسم اللہ الرحمن الرحیم دوسری سطر الحمد للہ رب العالمین۔ تیسری سطر لا الٰه الله محمد رسول الله اور ہر سطر کی لمبائی اور چوڑائی ہزار سالہ راہ کے برابر ہو گی یہ علم حضرت علی کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور آپ کے داہنی طرف امام حسن علیہ السلام اور بائیں جانب امام حسین علیہ السلام ہوں گے۔ (عین الحیاۃ ص ۱۳۲ طبع لکھنؤ ۱۳۰۲ھ)

سعد بن عبادہ کی علمبرداری کا جائزہ حلبیہ بن ابی مالک نے لیا ہے وہ کہتے ہیں۔ ''کان سعد بن عبادہ صاحب رأت رسول اللہ صلعم فی المواطن کلھا فاذا کان وقت القتال اخذھا علی'' اس روایت کو ابن اثیر جذری نے اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ سعد بن عبادہ (غیر وقت جنگ) رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمبردار تھے۔ اور جب لڑائی شروع ہو جاتی تھی تو حضرت علیؑ ان سے علم لے لیا کرتے تھے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ سعد محافظ تھے علم کے اور علم ان کی نگرانی میں رہتا تھا۔

اوپر کے بیان سے واضح ہو گیا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مخصوص علم حضرت علیؑ کے سوا کسی کو اٹھانا نصیب نہ ہوا۔ جمل میں خود حضرت علی نے فوج کا علم محمد حنفیہ کو دیا۔ اور صفین میں ہاشم بن عتبہ کو اور نہروان میں ابوایوب انصاری کو۔

اب سوال یہ ہے کہ کربلا میں کتنے علم تھے اور علم اٹھانے والا کون تھا۔ جب یہ معلوم ہے کہ عہد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تہذیب جنگ یوں قائم ہو چکی ہے کہ ایک لشکر میں کئی کئی علم ہوتے ہیں۔ تو پھر کیا تعجب ہے کہ اس روایت کو دیکھ کر جس میں موجود ہے کہ امام حسینؑ نے کربلا پہنچنے کے قبل بارہ علم تیار کیے اور گیارہ علم اصحاب و انصار کو تقسیم کر دیئے اور بارہواں علم حبیب ابن مظاہر اسدی کو مرحمت فرمایا۔ اس روایت میں سواء حبیب کے کسی علمدار کا ذکر نہیں ہے ورنہ ہم علمداروں کے ذیل میں نام کی صراحت کرتے۔ یہ طرزِ عمل بھی امام حسینؑ کی نانا کی عین پیروی ہے۔ جس طرح عہد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مختلف علمبردار تھے اسی طرح آپ کی فوج میں بھی بارہ علمبردار ہیں۔ اور وہ علم جو یداللہ کے ہاتھ میں رہا کرتا تھا۔ اس کے حقدار صرف حضرت عباسؑ کو تجویز کیا۔ ابن اثیر جذری نے روزِ عاشورا کے واقعات میں لکھا ہے کہ حسین علیہ السلام نے زہیر قین کو اپنے اصحاب کے میمنہ (دہنی جانب) پر افسر اور حبیب ابن مظاہر کو میسرہ (بائیں جانب) کا سردار قرار دیا اور علم لشکر اپنے بھائی ''عباس کو عطا فرمایا۔ تاریخ کامل ص ۲۴۔ ملک الشعر منشی اسیر مرحوم لکھنوی لکھتے ہیں۔

بہ ترتیب سپہ آں شاہ پر داخت ۔۔۔ بہ تزئین کواکب ماہ پر داخت

بر روئے زہیر از میمنہ تافت ۔۔۔ حبیب بن مظاہر میسرہ یافت

علم در دست عباس دلاور

بسانِ حمزہ در فوجِ پیغمبر

جناب عباس علیہ السلام کو علمدار قرار دینے سے حسب ذیل انکشافات ہوتے ہیں:

ا۔ وہ بعد حسینؑ افضل الناس تھے۔ اگر علمدار ہونا سبب عزت نہ ہوتا تو پیغمبر خدا

ﷺ اپنے بھائی جناب امیر المومنین کی شان میں بار بار یہ نہ فرماتے۔ "یا علی انت صاحب لوائی"

۲۔ روزِ عاشورا جناب عباس کے ہاتھ میں علم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ بروز حشر بھی سپاہ قلیل کا علم حضرت عباس کے ہاتھ میں ہوگا جس طرح جناب امیر دنیا و آخرت میں رسول صلعم کے علمبردار ہیں۔

۳۔ کربلا میں اگر کوئی دشمن کو پشت دکھانے والا ہوتا تو حدیث خیبر کی طرح علمدار کی صفت کرار غیر فرار قرار نہ پاتی۔ مگر یہاں جو میدان جنگ کی طرف بڑھا اس کی لاش ہی مقتل سے آئی۔ اس لئے اس صفت کا مظاہرہ نہیں ہوا۔ لیکن حضرت عباس کے لئے کرار ہونا بھی ثابت ہے جو آبائی ورثہ ہے۔

۴۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے بتایا ہے کہ علمدار کے لئے محبت خدا و رسول ﷺ کی ضرورت ہے۔ تو ان کے آخری جانشین نے اس صفت کو کربلا کے ہر مجاہد کا حصہ قرار دیا۔ "السلام علیکم یا اولیاء الله و احباءه" اگر اللہ تعالیٰ کے دوست نہ ہوتے تو نام حسین پر جان نہ دیتے۔

۵۔ جناب عباس حافظ قرآن اور علم الٰہی کے ماہر تھے۔ جناب سرور کائنات ﷺ نے کسی غزوہ میں علم لشکر مرحمت کئے جانے کا یہ معیار قرار دیا کہ اصحاب سے پوچھا کہ تم کو کوئی سورہ یاد ہے۔ بد قسمتی سے بزم میں سناٹا تھا۔ ایک نو عمر لڑکا حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ مجھے سورہ بقر یاد ہے۔ آپ ﷺ نے بلا تکلف علم اس کو دے دیا۔ لوگوں کو اس منصب کے تفویض کر دینے میں جب عذر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا "معہ سورۃ البقر" اس کے ساتھ سورہ بقر ہے۔ اصحاب حسین علیہ السلام میں ایسے لوگ موجود تھے جن کو پورا قرآن پاک یاد تھا۔ ان حافظان قران کی موجودگی میں حضرت عباس کو علم دیا جانا بتاتا ہے کہ کسی ذاتی رشتہ یا قرابت کی بناء پر۔ عہدہ تفویض نہیں ہوا بلکہ علم قران پاک میں بھی وہ ممتاز ترین انسان تھے۔ اور صحیح معنوں میں ان کو حق تھا کہ جو علم حضرت علیؑ کے ہاتھوں میں رہ چکا ہو اس کو حضرت عباس اپنے ہاتھ میں لیں۔

ہمارا علم جو عزاخانہ کی زینت ہے اگر ایک ہوتا تو پیغمبر اسلام ﷺ کا اسوۂ حسنہ مکمل طور پر پورا نہ ہوتا۔ غور سے دیکھو امام باڑہ یا شہ نشین یا عاشور خانہ میں بہت سے علم نظر آئیں گے۔ یہ ان علموں کی شبیہ ہیں جو دیگر مجاہدین کے ہاتھوں میں تھے۔

اور ایک ممتاز علم ہے۔ وہی حضرت عباس کا علم ہے دیہات کے خوش عقیدہ لوگ اس کو بڑا علم آج تک کہتے ہیں یہ علم ضریح مبارک سے آگے ہوتا ہے اور جلوس میں بھی تابوت کے آگے

دلدل کے آگے یہ کیوں، صرف اس لئے کہ عباس علیہ السلام اپنی زندگی میں ہمیشہ سینہ سپر رہے اور علمدار عموماً آگے رہتا ہے۔ حتیٰ کہ بہشت میں جاتے وقت بھی علمدار کے قدم جنت میں (پہلے پہنچے) لہٰذا جس کو حسین نے مقدم کیا تھا وہی آج مقدم ہے۔ اور شیعان لکھنؤ کا صدیوں سے یہ رویہ چلا آتا ہے کہ علم اٹھاتے وقت وہ سینہ زنی کرتے ہوئے جوق در جوق آگے چلتے ہیں اور علم عقب میں ہوتا ہے تا کہ اگر کوئی ناعاقبت اندیش اس مقدس یادگار پر حملہ کرے تو جس طرح حضرت عباس، حضرت حسینؑ کے سینہ سپر تھے۔ ہماری جانیں نثار ہو جائیں اور علم مبارک پر آنچ نہ آئے۔ یہ اس علم کی شبیہ ہے جس پر عباس نے اپنے ہاتھ نثار کئے۔ جس پر علی کے لال کا خون بہا۔ شیعو! تم اس علم کے سایہ میں حسینی بن سکتے ہو۔ کجا علم کا اقتدار اور بے پناہ عزت اور کجا چمڑے کا معمولی مشکیزہ۔ مگر اس پکھال کو یہ عزت دی جاتی ہے کہ کبھی وہ علم میں آویزاں کبھی دوش پر، عباس بتاتے ہیں کہ مسلم کے لئے پانی بھرنا بے عزتی نہیں ہے۔ دوسروں کے ممنونِ احسان نہ بنو۔ اپنا کام خود کرو۔ اگر یہ پانی پہنچ جاتا تو حسین ایسے غیور پر کسی کا احسان نہ ہوتا۔ بھائی کا احسان تھا۔ جو اپنی حیات کی غرض و غایت بھائی کی خدمت سمجھتا تھا۔ نام نہاد مسلمانو! تم بھی غیر کے احسان سے بچو۔ حسین نے اپنے سارے خاندان کو کربلا میں مٹا دیا۔ مگر ایک فرزند کو باقی رکھا جو بیڑیاں پہنے ہوئے کوفہ سے آ کر ان کی پارہ پارہ لاش کو دفن کر دے اور ان کے جسم کو غیر ہاتھ بھی نہ لگانے پائے۔

مسلمانو! کیا تم میں قوت عمل کا فقدان ہے۔ کیا تم کام نہیں کر سکتے۔ جو دوسروں کے دست نگر، اور ایک ناتوان مریض قیدی قبر کھود سکتا ہے اور نہیں چاہتا کہ دوسرا اس کے بازو کو سبک کرے تو تم آزادی کا دعویٰ کرتے ہو۔ حفظ صحت میں تمہارے ملک کا ہزار ہا روپیہ صرف ہوتا ہے۔ مگر تم تندرست نہیں ہو۔ بیماروں سے بدتر ہو عباس کا ایک ہاتھ کٹ جاتا ہے تو دوسرے میں تلوار لے لیتے ہیں۔ تمہارے دونوں ہاتھ ہیں مگر تم بے دست و پا ہو۔ اور اپنے تئیں اتنا سست بنا دیا ہے کہ کانگریس تم پر چاروں طرف سے حملہ کر رہی ہے اور تم نہیں چونکتے عباس کے علم سے سبق لو۔ علمدار دونوں ہاتھ قطع ہونے کے بعد مشک کا تسمہ دانت سے دباتا ہے۔ مگر کیا کرے جب سر پر گرز آہنی پڑے تو فطرت کا تقاضا ہے کہ جبڑا دھچکے سے ساتھ چھوڑ دے اور پانی بہہ جائے۔ اور محنت رایگاں ہو جائے۔ اے عباسؑ! آپ نے قوت عمل کو آخر تک باقی رکھا۔ مشک و الم لے کر باپ کی بیر الالم والی تصویر بن گئے۔ تو یہ بات رہ گئی تھی۔ کہ علیؑ کے سر پر ابن ملجم کی ضرب پڑی اور عباس کا سر دشمن کی تلوار سے بچ گیا

---

[۱] مولانا کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عباس جب پانی لینے کے لئے گئے تو آپ کے پاس تلوار بھی نہ تھی۔ مجھے اس سے اختلاف ہے میرا خیال ہے کہ چونکہ لڑنے کے لئے تشریف نہ لے گئے تھے لہٰذا شمشیر کی ضرورت نہ تھی۔ معتبر تاریخوں اور سیر میں بھی صرف مشک و علم لے کر جانے کا نشان ملتا ہے ملاحظہ ہو۔ جلاء العیون، بحار الانوار، مجالس المتقین، ریاض الشہادت، کتاب الصفو معہ ساکیہ، مقتل عوالم۔

تھا لیکن (سقائی کی جدوجہد میں گرزِ آہنی سے مضروب ہونے میں بھی علی کے ہم پلہ بنا دیا۔) تلوار سے گرز آہنی کا وزن زیادہ ہے۔ اس گرز کے پڑنے کے بعد نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑے اور امیدیں پامال ہوئیں۔ مسلمانو! حضرت عباس سے عزائم کی پختگی سیکھو۔

حضرت عباس کی علمداری:

اگرچہ تاریخوں سے یہ واضح طور پر نمایاں نہیں ہوتا ۶۰ھ سے قبل آپ کو کب یہ عہدہ تفویض کیا تھا۔ لیکن قرائن بتاتے ہیں کہ آپ کو یہ عہدہ علمبرداری بچپنے ہی سے مل گیا ہوگا۔ مختلف جنگوں میں آپ کا ہونا اور خصوصیت سے جنگ صفین میں نبرد آزمائے کرنا جبکہ آپ کی عمر صرف گیارہ سال کی تھی۔ اس بات پر روشنی ڈالتا ہے کہ آپ نے علمداری کی ہوگی۔ خصوصاً ان جنگوں میں جن میں حضرت امام حسینؑ شریک تھے۔ لیکن بہرصورت اس وقت سے آپ کی علمبرداری مسلم ہے جس وقت مدینہ منورہ سے روانگی ہوئی ہے۔ اور آپ اپنے بھائی کے چھوٹے سے لشکر کے آگے آگے علم بدست سینہ سپر چل رہے تھے۔

کربلا پہنچنے کے بعد جتنے مواقع علمداری کے سامنے آئے ہیں معصوم کی نظر انتخاب اسی بہادر پر پڑتی رہی ہے۔ اور کربلا کی ہولناک جنگ میں مستقل علمبردار یہی بہادر رہا جس کا نام آج تک دنیا احترام سے لیتی ہے۔ قیامت تک لیتی رہے گی۔

حضرت عباس اور شانِ علمبرداری:

میری کیا مجال کہ حضرت عباس علیہ السلام کی شانِ علمبرداری کے متعلق کچھ لکھ سکوں۔ سرِ دست صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت عباس علیہ السلام نے اسی شان و شوکت کے ساتھ علمبرداری کی ہے جس شان سے حضرت علی علیہ السلام اور حضرت جعفر طیار نے لشکرِ اسلام کی علمبرداری کی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ وہ تمام صفات جو ایک علمبردار میں ہونے چاہئیں وہ سب ان حضرات میں مکمل طور پر موجود تھے۔

سب سے بڑی چیز جو علمدار لشکر کے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ بلند ہمت، قوی دل، جری، بہادر اور شجاع ہو۔ بڑے بڑے ہولناک جنگاہ میں پہنچا دینا اور دشمن سے بے جھجک لڑ جانا۔ غم کھانا، تلوار کا پانی پینا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانا، دشمن سے مرعوب نہ ہونا، مستقل مزاج ہونا، میدان جنگ کی طرف پشت کرنے کو عار جاننا۔ اپنے آقا کا تابع فرمان ہونا اس کا شیوہ زندگی ہو۔ اور وہ علم کی حفاظت میں ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کو تیار رہے۔ مختصر یہ کہ اتنا بہادر ہو کہ

ہاتھوں کے ٹوٹ جانے اور بازوؤں کے کٹ جانے پر بھی علم اسلام سرنگوں نہ ہونے دے۔

یہ ظاہر ہے کہ ان صفات سے متصف بہت کم لوگ ہوا کرتے ہیں۔ اسی لئے عہدہ علمبرداری دوسروں کے سپرد کرنا تو درکنار خود اس وقت بھی ان کو ہاتھ نہیں لگانے دینا چاہئے۔ جب علمدار کا ہاتھ زخمی ہوگیا۔ ثبوت کے لئے فعل رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھ لیجئے۔

کسرت زند علي يوم احد في ويده لواء رسول الله فسقط اللواء من يده فتحاما المسلمون ان يا خذوه فقال رسول الله صلعم قضعوه في يده الشمال نانه صاحب لواء في الدنيا والاخرة. (مناقب شهر آشوب ج۳ صفحه ۱۵۹. طبع بمبئی و ناسخ التواريخ ج۳. صفحه ۷۱۱ طبع بمبئی)

جنگ احد میں علم رسول علی کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت علی کی داہنی کلائی ٹوٹی۔ ہاتھ سے علم چھوٹا۔ لوگوں نے سنبھالنا چاہا۔ ارشاد ہوا کہ کوئی نہ لے۔ علم علی ہی کے بائیں ہاتھ میں دے دو۔ اس لئے کہ یہی دنیا و آخرت دونوں میں میرے علمبردار ہیں۔

اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ علم اسلام اٹھانے والے تنہا علی ابن ابی طالب ہی تھے۔ دوسرے یہ تعلیم بھی واضح ہوگئی کہ اگر داھنا ہاتھ ٹوٹ جائے تو علم کو بائیں ہاتھ میں لے لینا چاہئے۔ علی ابن ابی طالب کے واقعہ میں صرف داہنا ہاتھ بیکار ہونے پر بائیں ہاتھ میں لینے کی تعلیم ملی۔ اس سے آگے کی نوبت نہیں آئی۔ لیکن ایک عہدِ رسالت کے دوسرے مجاہد حضرت جعفر طیار نے اسے بھی واضح کر دیا کہ اگر بایاں ہاتھ بھی کٹ جائے تو علم کو سینہ سے لگا کر دل کی قوت اور ایمان کی طاقت سے سنبھالنا چاہئے۔ یہی وجہ تھی کہ علمدار کربلا کا جب داہنا ہاتھ کٹ گیا تو علم اور اس مشکیزہ کو (جس کی حیثیت وہ علم ہی کے لگ بھگ سمجھتے تھے۔) بائیں ہاتھ سے سنبھالا۔ جب وہ ہاتھ بھی کٹ گیا تو الم کو "ضمہ الی صدرہ" اپنے سینہ سے لگالیا اور دل کی قوت سے تھامے رہے اور مشکیزہ کے تسمہ کو دانتوں سے دبا کر ایمان کی طاقت اور وفاداری کی قوت سے سنبھالے رکھا۔

حضرت عباس کا علم نکالنا سنت آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

چونکہ علم حضرت عباس علیہ السلام میں ایک کرامت موجود ہے۔ کہ اس کے منظر عام پر آتے ہی ناواقف نگاہیں تجسسانہ فکر کرنے لگتی ہیں کہ آخر یہ کیا چیز ہے اور جاننے والوں کے دلوں میں خونِ اسلام جوش مار کر شہید انسانیت کی بہادری کی داد دیتا۔ اور ہمہ تن دعوت تبلیغ بن کر نظر دں

میں سما جاتا ہے۔ کٹے ہوئے ہاتھوں کے سنبھلے ہوئے علم کو بیساختہ چوم لینے کو جی چاہتا ہے۔ مولانا سیّد ابن حسن صاحب جارچوی لکھتے ہیں۔ ''عباس کا قاتلِ موت کے دستبرد کا شکار ہوگیا۔ مگر عباس کا علم آج بھی اسلامی رگوں میں خون کو جوش میں لانے کے لیے منظرِ عام پر نظر آتا ہے'' فلسفہ آل محمد ص ۷ اطبع لکھنؤ۔ لہٰذا حضرات آلِ محمد علیہم السلام نے اس علم کو منظر عام پر لانا سنت قرار دیا اور خود اسے نکالتے رہے۔ رسالہ اوراق غم مصنفہ حکیم ابوالحسنات سیّد محمد صاحب حنفی۔ قادری، چشتی، متقی الورد پنجاب خطیب مسجد لاہور کے حوالہ سے (رسالہ معین دین ماہ اپریل ۱۹۳۴ء میں ننگے سر ہونے، منہ پیٹنے، سیاہ پوش ہونے، واویلا کرنے، اقسام اقسام کے مرثیے پڑھنے، نوحہ کرنے، نوحہ گر ہونے، چلا چلا کر رونے، تعزیے نکالنے وغیرہ وغیرہ کے بعد لکھا ہے:

''سات محرم الحرام کو علیؑ اور حضرت عباس علیہ السلام کا علم نکالنا مندرجہ ذیل بالا سب درست ہیں۔ اور افعال آل محمد ہیں۔

ناظرین کرام! جناب مفتی صاحب حنفی کے بیان سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام کا علم نکالنا اسی طرح سنت آل محمد ہے جس طرح مجلس منعقد کرنا اور تعزیہ نکالنا سنت ہے۔

خواجہ حسن نظامی کا روزنامچہ اور علم:

خواجہ حسن نظامی محرم ۱۳۶۵ھ میں حیدر آباد دکن گئے تھے۔ اور وہاں کی عزاداری میں سنی نواب حیدر آباد کے ساتھ شرکت کی تھی۔ وہ اپنے روزنامچہ مطبوعہ اخبار منادی دہلی مورخہ ۱۶/ ۲۶ دسمبر ۴۵ میں مفصل حالات کے ذیل میں علم کے متعلق لکھتے ہیں: ''آج محرم کی ساتویں تاریخ ہے۔ تمام ہندوستان میں علم اٹھائے جائیں گے۔ حیدر آباد میں بھی بہت سے امام باڑوں میں بھی تاریخی علم موجود ہیں۔

۱۰ محرم..... ہزاروں سیاہ پوش سر دپا برہنہ بڈھوں، جوانوں اور بچوں کا ایک جلوس اندر آیا جس کے ہاتھ میں عباس کا علم تھا جلوس ''ایں زہرا واویلا'' کے نعرے لگا رہا تھا اور فارسی میں اعلیٰ حضرت کا مرثیہ پڑھتا جاتا تھا۔ نواب سالار جنگ بہادر اور شیعہ امراء سیاہ لباس اور سیاہ دستاروں میں تھے۔ جب جلوس نے تمام جلوخانہ کا گشت لگالیا تو علم لے کر وہ امام باڑہ کے اندر گیا۔ میں بھی اعلیٰ حضرت اور دیگر روساء کے ہمراہ امام باڑہ کے اندر گیا۔ وہاں بکثرت سیاہ پوش بوڑھے اور جوان بچے سر دپا برہنہ سینے کھولے ہوئے جمع تھے۔ ان میں اکثر ایرانی نسل سے معلوم ہوتے تھے..... کچھ دیر بعد حضرت بیوی کا علم ہاتھی پر آیا۔ اعلیٰ حضرت میرے قریب تشریف لائے اور دریافت فرمایا: خواجہ صاحب کبھی پہلے بھی حویلی قدیم کا یہ جلوس دیکھا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ ''جی نہیں میرے

لئے یہ پہلا موقع ہے" علم آجانے کے بعد سیاہ پوش سروپا برہنہ ماتم گزاروں کا ایک بڑا جلوس اندر آیا۔ جو صف بندی کر کے کھڑا ہو گیا۔ ان میں بوڑھے، جوان اور بچے ہزاروں کی تعداد تھی میرا خیال تھا کہ عزاخانہ زہرا کی مجلسیں ختم ہو گئی ہیں اور اب مجھے کہیں جانا نہیں ہے۔ مگر معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت نے چو محلے میں بلایا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی موجودہ سکونت کنگ کوٹھی میں ہے ان کے والد اور تمام اجداد چو محلے میں رہتے تھے۔ مگر بعد میں ان کے والد حویلی قدیم میں رہنے لگے تھے۔ جہاں میں پہلی دفعہ عشرہ محرم کی شام کو بیوی کا علم دیکھنے گیا تھا۔ چو محلہ مبارک .... پرانے شہر کے اندر ایک بہت وسیع اور شاندار پر فضا مقام ہے اس مکان میں قدیم زمانہ کے نہایت نادر تبرکات اور آثارِ قدیمہ ہیں جن میں قلمی قرآن مجید بھی ہیں۔ علم بھی ہیں اور سونے کے تعزیئے بھی ہیں۔ دہلیز کے اندر کے دو کمروں میں تلاوتِ قرآن مجید کی آواز آ رہی تھی۔ نواب صاحب چھتاری نے مجھے وہ سب علم دکھائے جو کچھ چاندی کے اور بقیہ سب سونے کے تھے۔ جن پر نہایت خوش قلم طغرے عربی خط میں منقش تھے۔ اور ہیرے، موتی یاقوت، زمردان پر چڑھے ہوئے تھے۔ اور برقی روشنی میں جگ مگ جگ مگ کر رہے تھے۔ سونے کے دو تعزیئے بھی وہاں تھے۔ ایک تعزیہ نجف اشرف کے روضہ کے ہم شبیہ اور دوسرے کربلائے معلیٰ کے روضہ کے ہم شبیہ تھے۔ اور تقریباً تین فٹ اونچے اور پانچ فٹ چوڑے چکلے تھے۔ نواب سالار جنگ بہادر نے کہا یہ دونوں تعزیئے ٹھیک پیمائش اور پیمانہ کے موجب دونوں روضوں کی نقل ہیں۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت پھر دہلیز میں تشریف لے آئے۔ اور وہاں انہوں نے ان آثار قدیم اور تبرکات کے تاریخی حالات بیان فرمائے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ان میں بعض علم میں نے رام پور سے منگوائے ہیں۔ اور ان سب کی لاگت خود ادا کی ہے۔ اگرچہ نواب صاحب رامپور چاہتے تھے کہ ان کی تیاری کے مصارف وہ ادا کریں۔ مگر اعلیٰ حضرت نے صرف ایک علم ان کا قبول فرمایا۔ باقی سب کی قیمت زیدی صاحب چیف منسٹر رامپو کو روانہ فرمائی۔ الخ

بہادر شاہ ظفر کا تبدیل مذہب اور علم:

ناظرین کرام! خواجہ صاحب کے روزنامچہ سے آپ کو سنی ریاست حیدرآباد دکن کے حکمران کا طرزِ عمل معلوم ہوا۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سمجھدار لوگ علم اور تعزیہ کی کس درجہ قدر کرتے ہیں۔ اب ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ابوالمظفر نواب بہادر شاہ نے تبدیلی مذہب میں علم کی کس درجہ تک قدر کی ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ بہادر شاہ ایک دفعہ بیمار ہوا اور اس نے منت مانی کہ اگر میں صحت یاب ہو گیا تو حضرت عباس کا علم درگاہ میں چڑھاؤں گا۔ چنانچہ اس نے صحت پائی۔ لہٰذا اس نے مرزا محمد حیدر شکوہ بہادر اور مرزا محمد نور الدین بہادر کی وساطت سے حضرت عباس کا

علم تیار کرا کر مولانا سیّد محمد صاحب قبلہ مجتہد کے ہاتھوں درگاہِ حضرت عباس میں چڑھایا اور ایک مرثیہ بھی کہہ کر بھیجا جو درگاہ میں پڑھا گیا۔ اور اسی سلسلہ میں اس نے مذہب اہلسنت کو ترک کر کے مذہب اہل تشیع اختیار کیا۔ چنانچہ اس کا ثبوت امین الدولہ سمن فرید صاحب بہادر دلیر جنگ ایجنٹ شاہ جہاں آباد کے اس خط سے ملتا ہے جو انہوں نے اس واقعہ سے گھبراہٹ میں لکھ کر ایجنٹ مقیم لکھنو کے پاس بھیجا تھا۔ یہ خط ۲۶ دسمبر ۱۸۵۳ء کو لکھا گیا تھا۔ جس کے بعض جملے یہ ہیں۔

دریں ایام بملاحظہ قطعات سوالات علماء و مشائخ ابن شہر بوضوح پیوستہ کہ از روئے اخبار و خطوط لکھنؤ بدریافت ایں مردم رسیدہ کہ بتاریخ ششم ربیع الاوّل سنہ حال مرزا حیدر شکوہ بہادر و مرزا نور الدین بہادر شیعی مذہب نبیرگان مرزا سلیمان شکوہ بہادر در لکھنؤ علمے بکمال تجمل ہمراہ عمائد آں شہر برداشتہ بدرگاہ حضرت عباس بردہ ند و فضیلت پناہ سیادت دستگاہ سیّد محمد مجتہد شیعہ بدست خود علم مذکور را در درگاہ موصوف نصب نمودہ و مرزایان موصوف نسبت ابلاغ آں علم بہ بندگانِ والا کردند و نیز مرزا نور الدین بہادر بہ منبر برآمدہ مرثیہ بزبان اردو کہ متضمن بہ بے ادبی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بودہ در مجمع کثیر بآواز بلند برخواندہ۔ در مطلع آں مرثیہ تخلص آں حضور پرنور درج کردہ قطعہ شقہ مہری خاص متعر ترک کردن مذہب اہل سنت و اختیار نمودن مذہب اہلِ تشیع و وثوق آمادہ تعمیر امامباڑہ و اختیار تعزیہ داری بردوام موسومہ مجتہد مذکور ساختہ۔ الخ

مشائخ و علماء دہلی کی درخواستوں سے جو اس زمانہ میں آتی ہیں واضح ہوا کہ لکھنؤ کے خطوط اور خصوصی اطلاعات سے ان لوگوں کو معلوم ہوا ہے کہ ۶ ربیع الاوّل سال رواں کو مرزا حیدر شکوہ بہادر اور مرزا نور الدین بہادر نے جو مذہب شیعہ رکھتے ہیں۔ اور مرزا سلیمان شکوہ کے پوتے ہیں۔ لکھنؤ میں ایک علم بہت شان و شوکت کے ساتھ وہاں کے عمائدین اور رؤساء کی معیت میں اٹھایا اور حضرت عباس کی درگاہ لے گئے اور فضیلت پناہ و سیادت دستگاہ سیّد محمد صاحب مجتہد شیعہ نے اپنے ہاتھ سے وہ علم درگاہ میں قائم کیا اور مرزایان مذکور نے اس علم کے بھیجنے کی نسبت اعلیٰ حضرت بادشاہ معظم کی طرف دی اور مرزا نور الدین بہادر نے منبر پر جا کر ایک مرثیہ اردو زبان میں پڑھا جو صحابہ کرامؓ کی شان میں بے ادبی پر مشتمل تھا۔ ایک بڑے مجمع میں بآواز بلند پڑھا۔ اور اس مرثیہ کے مطلع میں حضور پرنور کا تخلص درج کیا۔ اور ایک خط بادشاہ کی مہر سے مزین اس مضمون کا کہ بادشاہ نے مذہب اہل سنت کو ترک کیا اور مذہب شیعہ اختیار کیا اور یہ کہ عنقریب وہ ایک امامباڑہ بنوائیں گے اور تعزیہ داری ہمیشہ کرتے رہیں گے مجتہد مذکور کا نام ظاہر کیا الخ۔ رسالہ حقائق۔

حضرت عباس اپنی نظیر آپ تھے

حضرت عباس کے وہ کارنامے جو ولادت سے شہادت تک دنیا کے سامنے پیش ہوئے اس بات کی کھلی شہادت ہیں کہ آپ نے سوتیلے بھائی ہونے کے باوجود حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ وہ سلوک کیا جو دنیا کے کسی حقیقی بھائی سے ممکن نہیں۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:

علامہ ابن اثیرؒ حضرت ابوبکر کے داماد زبیر جو جنگ جمل کے لیڈر تھے اور عشرہ مبشرہ میں شامل۔ کے دو سگے بیٹوں عبداللہ بن زبیر اور عمرو بن زبیر کے متعلق لکھتے ہیں۔

فارسل الی الفزمن اهل المدينة فضربهم ضرباً شديداً لهواهم فی اخيه عبد اللـه منهم اخوه المنذر بن زبير وابنه محمد بن المنذرو عبد الرحمن بن الاسود عبد يغوث وعثمان بن عبد الله بن حكم بن حزام و محمد بن عمار بن ياسروغيرهم فضربهم الاربعين الی الخمسين الی السين فاستشار عمر و بن سعيد عمر و بن الزبير فيمن يرسله الٰی اخيه فقال لا توجه اليه رجلا انكاله منی فجهر معه الناس وفيهم انيس بن عمر والا سلمٰی فی سبع مائة و فجاء مروان بن الحكم الی عمر بن سعيد فقال له لا تعز مكة واتق الله ولا تحل حرمة البيت وخلو ابن زبير فقد كبروله ستون سنة وهو لجوج فقال عمر بن الزبير والله لنقرونه فی جوف الكعبة علی زغم انف من زغم والی ابو ثريح الخزاعی الی عمر وقتال لا تفزمكة فانی سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول انما اذن لی بالقتال فيها ساعة من نهارثم عادت كحر متها ما الامس فقال له عمر النحو اعلم محرمتها منك ايها الشيخ فسارا انيس فی مقدمة. وقيل ان يزيد كتب الی عمر بن سعيد ليرسل عمر بن الزبير الی اخيه عبد اللـه فنعل فارسله و معه سبيش نحوالف رجل ننزل انيس بذی طوی و نزل عمر باالا بطح فارسل عمرو الی اخيه به يمين يزيد و كان حلف ان لا يقبل بيعته الاان يوتی به فی جامعة و تعال حتی اجعل فی عنقك جامعة من فضة لا تری ولا يضرب الناس بعضهم بعضاً فانك فی بلد حرام فارسل عبد الله بن زبير عبد الله بن صفوان نحن انيس فی من معه من اهل مكة ممن اجتمع اليه فهزمه ابن صفوان بذی طوی واجهر علی جرمجهم و قتل انيس بن

عمرو سار مصعب بن عبد الرحمن الی عمرو بن الزبیر فتفرق عن عمرو اصحابه فدخل دار بن علقمة فاتاه اخوه عبیده فاجاده ثم اتی عبد الله فقال له انی قد اجرت عمر افقال اتجبر من حقوق الناس. هذا مالا یصلح وما امرتك ان محتیر هذا الفاسق المستحل لحرمات الله ثم اقاد عمرا من کل من ضربه الا المنذر وابنه فانهما ابیا ان لستقیدا ومات تحت السیاط (تاریخ کامل ج۴ ص۸ طبع مصر)

ترجمہ: جب عبداللہ ابن زبیر کے بھائی، عمر بن زبیر حاکم مدینہ منورہ کے کوتوال مقرر ہوئے تو انہوں نے مدینہ منورہ کے بہت سے معززین کو گرفتار کر کے اس جرم میں بہت پٹوایا کہ وہ سب ان کے بھائی عبداللہ بن زبیر کے بہی خواہ اور طرفدار تھے۔ ان معززین میں عمر بن زبیر کا ایک اور بھائی منذر بن زبیر اور اس کا بیٹا محمد بن منذر اور عبدالرحمٰن ابن اسود بن عبد یغوث اور عثمان بن عبداللہ بن حکم بن حزام اور محمد بن عمار اور عمار بن یاسر وغیرہ تھے۔ عمر بن زبیر نے ان سب چاروں کو ۴۰۔ ۵۰۔ ۶۰ درے لگوائے۔ پھر حاکم مدینہ منورہ عمر بن سعید اشرق نے اس عمر بن زبیر سے مشورۃً پوچھا کہ تمہارے بھائی عبداللہ بن زبیر سے لڑنے کل کس کو بھیجا جائے۔ عمر بن زبیر نے کہا میرے بھائی کا مجھ سے بڑا کوئی دشمن نہیں۔ اس سے لڑنے کے لئے میرے علاوہ کسی کو نہ بھیجنا۔ چنانچہ حاکم مدینہ منورہ نے ایسا ہی کیا۔ اور عمر بن زبیر کی ماتحتی میں عبداللہ بن زبیر سے لڑنے کے لئے ایک بھاری فوج بھیج دی۔ عمر بن زبیر کا ماتحت انیس بن عمر اسلمی تھا جو سات سو سپاہیوں کے ساتھ روانہ ہوا۔ جب یہ خبر مدینہ منورہ میں پھیلی تو حاکم مدینہ منورہ کے پاس مروان بن حکم آیا اور کہا کہ مکہ معظمہ پر چڑھائی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ خانہ خدا کی حرمت برباد ہونے سے بچاؤ اور عبداللہ بن زبیر کو چھوڑ دو۔ دیکھو ان کی عمر بھی زیادہ ہے وہ سٹھیا گئے ہیں۔ اور ضدی بھی ہیں۔ اس کے جواب میں عمر بن زبیر نے کہا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ہم مکہ معظمہ پر ضرور حملہ کریں گے اور عبداللہ بن زبیر اگر خانہ خدا کے اندر ہوگا تو وہاں بھی جنگ کریں گے۔ چاہے کسی کو کتنا ہی برا لگے پھر ابو شریح خزاعی عمر بن زبیر کے پاس آیا اور سمجھایا کہ مکہ معظمہ پر چڑھائی نہ کرو کیونکہ میں نے آنحضرت صلعم کو یہ کہتے سنا ہے کہ صرف (فتح مکہ) کے موقعہ پر تھوڑی دیر کے لئے مجھے اجازت ملی تھی۔ پھر اس کے بعد اس پر

[1] یزید نے خلیفہ ہونے کے بعد حاکم مدینہ منورہ ولید بن عتبہ کو لکھا کہ امام حسینؑ اور عبداللہ ابن زبیر وغیرہ سے میری بیعت لے لے اگر انکار کریں تو ان کا سر کاٹ کے میرے پاس بھیج دے۔ (روضۃ الصفا ج ۳۔ ص ۵۶۶۔ تاریخ اعثم کوفی ص ۱۲۸) ان لوگوں نے بیعت سے انکار کیا اور مدینہ منورہ کو چھوڑ کر مکہ معظمہ کو روانہ ہو گئے۔ یزید منورہ نے حاکم مدینہ ولید کو معزول کر کے ان کی جگہ پر عمر بن سعید اشرق کو مقرر کر دیا۔ عمر بن سعید نے عبداللہ ابن زبیر کے بھائی عمر بن زبیر کو مدینہ کا کوتوال مقرر کیا۔ ۱۲ منہ

چڑھائی کرنا حملہ کرنا اسی طرح حرام ہوگیا جس طرح پہلے تھا۔ مگر اس کا جواب بھی عمرو بن زبیر نے ٹیڑھا ہی دیا۔ کہلا بھیجا کہ اے بڈھے میں حرمت کعبہ تجھ سے زیادہ جانتا ہوں۔ غرضکہ عمرو کسی طرح نہ مانے اور عبداللہ بن زبیر سے لڑنے کو مکہ معظمہ پر چڑھائی کر دی۔ انیس بن عمر بھی ان کی ماتحتی میں اپنی فوج لے کر چل پڑا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ یزید ہی نے عمر بن سعید کو لکھا تھا کہ عبداللہ ابن زبیر سے لڑنے کے لئے عمرو بن زبیر کو تیار کر چنانچہ اس نے تیار کیا اور دو ہزار کا رسالہ دے کر اسے روانہ مکہ معظمہ کیا۔ غرضکہ انیس اپنی فوج سمیت مقام ذی طوی میں اترا اور عمرو بن زبیر مقام ابطح میں ٹھہرا۔ عمر بن زبیر نے اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر کے پاس پیغام بھیجا کہ میرے مالک یزید نے قسم کھائی ہے کہ اس وقت تک تمہاری بیعت قبول نہ کرے گا۔ جب تک تمہیں زنجیروں میں جکڑا ہوا دربار میں نہ دیکھ لے بہتر ہوگا کہ تم چپکے سے میرے پاس چلے آؤ۔ میں تمہاری گردن میں باریک سی نقرئی زنجیر ڈال کر تمہیں یزید کی خدمت میں حاضر کر دوں۔ اس طرح تمہاری ذلت بھی نہ ہوگی اور اس کی قسم بھی پوری ہو جائے گی۔ اور کشت و خون بھی رک جائے گا۔ دیکھو تم ایسے شہر میں ہو جہاں لڑنا حرام ہے۔ عبداللہ بن زبیر بھلا گرفتار ہونا کیسے قبول کر سکتے تھے۔ انہوں نے انیس اور اس کی فوج کے مقابلہ میں ایک مکی فوج کے ساتھ عبداللہ ابن صفوان کو بھیج دیا۔ دونوں فوجوں میں مڈبھیڑ ہوئی۔ عبداللہ ابن صفوان نے انیس کو شکست دی اور زخمیوں کو تہ تیغ کیا۔ پھر انیس کو بھی قتل کر ڈالا۔ اور عبداللہ بن زبیر کی طرف سے ایک دوسری فوج مصعب بن عبدالرحمٰن کی ماتحتی میں عمر ابن زبیر سے لڑنے کے لئے گئی اور کامیاب ہوئی۔ عمر کی ہزیمت شدہ فوج پراگندہ ہوگئی۔ اور عمرو بن زبیر کی جان کے لالے پڑ گئے۔ بھاگے اور بھاگ کر ابن علقمہ کے دامن میں پناہ لی۔ پھر اس کے بھائی عبیدہ نے اپنے کنار امن میں لے لیا۔ اور عبداللہ بن زبیر سے مل کر کہا کہ میں نے عمرو کو پناہ دے دی ہے۔ اس پر وہ بگڑ کر بولے۔ کیا تم اسے لوگوں کے حقوق سے پناہ دے سکتے ہو۔ یہ تو تم نے اچھا نہیں کیا۔ میں نے تو تم سے نہیں کہا تھا کہ تم اس فاسق و فاجر کو جس نے حرمات خدا کو حلال کر دیا ہے۔ امن دینا۔ الغرض عبداللہ ابن زبیر نے حکم دے دیا کہ وہ گرفتار کر لیا جائے۔ اور اس سے ان تمام کوڑوں کا بدلہ لیا جائے جو اس نے مدینہ منورہ کے معززین کی پشتوں پر لگوائے ہیں۔ چنانچہ تمام لوگوں کی طرف سے اس کی پشت پر کوڑے لگوائے گئے۔ البتہ اس کے بھائی منذر ابن زبیر اور بھتیجے محمد بن منذر نے عوض لینے سے انکار کر دیا۔ غرضکہ عمرو بن زبیر نے کوڑوں کے سایہ میں دم توڑ دیا۔ الخ

جناب مولانا سیّد علی حیدر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے چند باتیں ثابت

ہوئیں (۱) عمر بن زبیر اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر کے ساتھ مکہ معظمہ نہیں گئے۔ (۲) پھر عبداللہ بن زبیر کے دشمن یزید کی حکومت میں ملازمت کر لی۔ اور حاکم مدینہ منورہ کے کوتوال ہو گئے۔ (۳) کوتوال ہونے پر بھی اپنے بھائی کو کوئی مدد نہ دی۔ نہ حاکم مدینہ منورہ سے ان کی کوئی سفارش کی بلکہ اپنے بھائی کے ہوا خواہوں کو کوڑوں سے پٹوایا (۴) جب حاکم مدینہ منورہ نے ان سے مشورہ کیا کہ ان کے بھائی سے لڑنے کو کسے بھیجا جائے تو بجائے اس کے کہ وہ انہیں جنگ سے بچاتے۔ خود حملہ کرنے کو تیار ہو گئے (۵) مروان نے حاکم مدینہ منورہ کو عبداللہ بن زبیر پر حملہ کرنے سے روک دیا۔ مگر عمرو بن زبیر نے اس کی مخالفت کی اور قسم کھائی کہ ان سے خانہ کعبہ کے اندر جا کر لڑوں گا۔ (۶) ابوشریح خزاعی نے بھی روکا مگر یہ اپنی بات سے نہیں ہٹے۔ (۷) اپنے بھائی کے پاس پیغام بھیجا کہ آؤ میں تمہیں گرفتار کر کے یزید کے پاس بھیج دوں۔ (۸) عبداللہ ابن زبیر نے بھی موقع پایا تو عمر ابن زبیر سے انتقام لیا کہ وہ کوڑے کھاتے کھاتے مر گئے۔ اس کے مقابلہ میں حضرت عباس علیہ السلام جناب سیّد الشہداء کے سوتیلے بھائی ہیں۔ مگر آپ نے حضرت کو کسی وقت چھوڑنا پسند نہیں کیا۔ حضرت مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ گئے تب بھی آپ ساتھ رہے۔ حضرت مکہ معظّمہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تب بھی جناب عباس ہمرکاب ہی رہے اور اس طرح خدمت کی کہ بھائی بھی معلوم ہوئے' بیٹے بھی' نوکر بھی اور غلام بھی' کہ جس وقت کوئی ضرورت پیش آئی جناب عباس لبیک یا سیّدی' یا مولائی کہتے ہوئے حاضر خدمت ہوئے۔ الخ (اصلاح۔ ج ۷ ۳۔ ص ۸ ص ۱) یہی وجہ ہے علماء نے کھلے الفاظ میں لکھ دیا کہ دنیا کے تمام فردوں پر بھی حضرت عباس کا قیام نہیں کیا جا سکتا۔ حتیٰ کہ امیر المومنین علی علیہ اسلام کے دیگر بیٹے بھی ان کے مقابلہ میں حد قیاس سے باہر ہیں۔ یہاں تک کہ محمد حنفیہ جیسی ہستی بھی اس کے مقابلہ میں نہیں لائی جا سکتی۔ علامہ کنتوری لکھتے ہیں۔ **"لا یقاس امرہ بامر غیرہ من ابناء امیر المومنین مثل محمد بن الحنیفہ"** ان کے معاملہ کا قیاس حسنین علیہم السلام کے علاوہ حضرت امیر المومنین کے دوسرے بیٹوں محمد حنفیہ جیسوں پر نہیں کیا جا سکتا۔..... مائتین ص ۴۵۸)

ناظرین کرام! حضرت محمد حنفیہ کی ہستی نہایت ہی بلند ہستی ہے۔ ان کے متعلق مورخین کا بیان ہے کہ یہ نہایت مضبوط دست و بازو اور زبردست طاقت کے مالک تھے۔ حضرت علی کی خدمت میں چند زریں پیش کی گئیں۔ ان میں ایک زرہ متوسط انسان کے قد و قامت سے اک ذرا لمبی تھی۔ حضرت علی نے محمد حنفیہ سے فرمایا کہ میں نشان لگائے دیتا ہوں اس زرہ کو چھوٹی کرالاؤ۔ محمد حنفیہ نے زرہ لی اور حضرت علی کے لگائے ہوئے نشان کی جگہ سے پکڑ کر۔ چنانکہ باقتہ حریرا قطع

کنند دامنہائے درع آہنی را قطع۔ "جس طرح پارچہ حریر پھاڑا جاتا ہے آپ نے اس آہنی زرہ کو پھاڑ دیا۔ ایک دفعہ شاہ روم نے اپنے ملک کے بہادر کو معاویہ کے پاس بھیجا۔ معاویہ نے محمد حنیفہ ہی کو مقابلے کے لئے تجویز کیا۔ آپ نے چشم زدن میں اس کو زیر کرلیا۔ (ناسخ التواریخ۔ ج ۳ ص ۲۰۵، کامل مبرد ج۔ ا۔ ص ۲۵۰) اس کے علاوہ جنگ جمل و صفین کے کارناموں سے بھی آپ کی شجاعت کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن ان تمام کمالات کے باوجود علماء نے یک زبان لکھا ہے کہ محمد حنیفہ حضرت عباس کے مقابلہ میں کوئی ہستی نہ رکھتے تھے۔ اور خود امیر المومنین نے واقعہ کربلا کے لئے محمد حنیفہ جیسے بہادر کو ذخیرہ نہیں کیا۔ اور حضرت عباس علیہ السلام کے وجود کو ضروری سمجھا۔

مختصر الفاظ میں یہ بھی جان لینے کی ضرورت ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے محمد حنفیہ پر حضرت عباس کو واقعہ کربلا کے لئے کیوں ترجیح دی۔ بات یہ ہے کہ محمد حنفیہ بہادر ضرور تھے اور بڑے بہادر تھے۔ لیکن ایک موقع ایسا ہی آنے والا تھا جس میں ان کی زبان سے امیر المومنین کے حکم جہاد پر یہ جملے نکلے تھے۔ "الا تری لسھا کانھا شآبیب المطر" بار بار آپ حملے کرنے کو بھیجتے ہیں۔ کیا آپ ملاحظہ نہیں فرمارہے ہیں کہ تیروں کا مینھ برس رہا ہے۔ امیر المومنین نے کہا "فیك عرف من امك" یہ تیری ماں کا اثر ہے (شرح نہج البلاغہ)

واقعہ کربلا کے لئے ایسے بہادر کی ضرورت تھی جو نجیب الطرفین ہو۔ جو حسین کے قدموں پر مرنے کو زندگی سمجھتا ہو۔ جسے آب سرد کی ضرورت نہ ہو۔ جو تین دن کی پیاس کے باوجود چلو میں پانی لے کر پھینک دے۔ تیروں کی بارش اور تلوار کے پانی سے پیاس بجھانے کو سعادت جانتا ہو۔ اس وقت بھی حسین کی حمایت کا حوصلہ رکھتا ہو جب ہاتھ کٹے ہوں، سینے میں تیر و نیزے لگے ہوں۔ گرز گراں بار کی ضرب سے بھیجا کندھوں پر آ گیا ہو۔ زمین گرم پر لاشہ ہو، سر کٹ چکا ہو، گھوڑوں کی ٹاپوں سے نعش پس گئی ہو۔

اللہ تعالیٰ کی قسم اس صفت کا انسان عباس کے علاوہ مادر گیتی نے پیدا ہی نہیں کیا۔ اسی لئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ عباس اپنی آپ نظیر تھے۔

حضرت عباس غلام کے لباس میں

جس طرح حضرت علی علیہ السلام، حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی عبدیت کا دم بھرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے۔ "انا عبد من عبید محمد" میں آنحضرت صلعم کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں اسی طرح حضرت عباس علیہ السلام بھی حضرت امام حسینؑ کی غلامی کا دم بھرتے

تھے اور فرمایا کرتے تھے۔"انا عبد من عبید الحسین" میں حسینؑ کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں۔(مائتین ص ۴۴۰)

ناظرین کرام! عبد اس غلام کو کہتے ہیں کہ "لزمه ولم یفارقه" جو کسی وقت ساتھ نہ چھوڑے اور جو صحیح غلامی کا دم بھرنے والا ہو۔(المنجد ص ۴۲۶) اور عبید اسم جمع ہے یعنی بہت بندگی کرنے والے۔لغات سروری۔ص ۱۷۸۔اس میں شک نہیں کہ حضرت علی یا حضرت عباس علیہم السلام نے عبدیت کے صحیح معنوں پر عمل کیا۔کوئی وقت تاریخ کے دامن میں ایسا نہیں ملتا جس میں یہ کہا جائے کہ ان حضرات نے اپنے ممدوح اور آقا کا ساتھ چھوڑا ہو۔چاہے خوشی کا موقع ہو۔مسرت کی گھڑی ہو۔یا تیر برستے ہوں۔نیزے لگتے ہوں۔تلواریں چلتی ہوں۔غرضکہ ہر حال میں ساتھ رہے۔فریضۂ خدمت گزاری میں بسر و چشم منہمک رہے۔اور فخر یہ کہتے رہے کہ میں اپنے آقا کا غلام ہوں۔اور صرف کہتے ہی نہ تھے بلکہ عمل کر کے دکھلاتے تھے۔

تاریخ اعثم کوفی اردو۔طبع دہلی کے ص ۲۶۳ پر ہے کہ "دوسرے دن جب امام حسین علیہ السلام نے عمر سعد کے پاس پیغام پہنچایا کہ تجھ سے کچھ کہنا ہے۔رات کے وقت مجھ سے مل جانا اور میری باتیں سن لینا۔عمر سعد ایک سو بیس سوار لے کر اپنے لشکر گاہ سے نکلا۔امیر المومنین حسین علیہ السلام نے اپنے ہمراہی سواروں سے کہا کہ تم پرے ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔وہ سوار پرے سرک گئے۔عباس بن علی اور علی اکبر آپ کے ساتھ رہے عمر نے بھی اپنے آدمیوں کو جو ہمراہ تھے پیچھے ہٹا دیا۔اس کا غلام لاحق اور بیٹا حفص اس کے ساتھ رہے۔

اکثر کتب مقاتل میں ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ دیکھا کہ عمر بن سعد نے تمام سواروں کو علیحدہ کر دیا لیکن اپنے بیٹے حفص اور غلام لاحق کو ساتھ رکھا۔تو امام حسین علیہ السلام تن تنہا اس سے ملنے کو چلے۔امام حسینؑ نے فرمایا۔بھائی مجھے تنہا جانے دو۔تم لوگوں کے ہونے سے وہ ڈر نہ جائے۔حضرت عباس نے عرض کی مولا! جبکہ اس کا غلام "لاحق" ساتھ ہے تو آپ کا غلام عباس بھی آپ کے ساتھ چلے گا۔غرضکہ ادھر سے عمر سعد اور اس کا بیٹا حفص اور غلام لاحق اور ادھر سے امام حسین علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت علی اکبر اور غلام کی جگہ حضرت عباس علیہ السلام یکجا ہوئے اور گفتگو ہوئی۔

جناب ایڈیٹر صاحب رسالہ مولوی دہلی تحریر فرماتے ہیں کہ:

حضرت عباس کو امام حسین کے ساتھ عشقیہ نیاز مندی کا شرف حاصل تھا۔آپ جناب امام کے ہر امر میں مطیع و منقاد تھے اور آپ کے پسینہ کی جگہ اپنا خون بہانا سعادت ابدی تصور کرتے

تھے۔ باوجودیکہ آپ امام حسینؑ کے بھائی تھے مگر آپ نے کبھی بھائی کہہ کر جناب امام حسینؑ کو خطاب نہیں کیا بلکہ فرط ادب و تعظیم سے ہمیشہ آقا۔ سیّد اور مولا کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ آپ کو جناب عالی مقام کے بچوں سے بے حد محبت تھی۔ اور جناب سکینہ بھی آپ سے مانوس تھیں۔ چنانچہ دشت کربلا میں بھی حضرت سکینہ کی تشنگی اور پیاس کو دیکھ کر آپ بے حد بے چین اور مضطرب ہو رہے تھے۔ اور حضرت سکینہ بھی جناب عباس سے ہی بار بار پانی کا تقاضا فرماتی تھیں۔ اور بالآخر حضرت عباس پانی لانے ہی کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ کہ دشمنوں نے آپ کو ساحلِ فرات پر شہید کر دیا۔ (شہید اعظم ص ۲۰۰ طبع دہلی)

علامہ قزوینی لکھتے ہیں کہ حضرت عباس اپنے کو غلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو ہمیشہ آقا سمجھتے رہے کبھی بھائی کو بھائی کہہ کر نہیں پکارا۔ (ریاض القدس۔ ج ۲ ص ۶۷) ایک شاعر حضرت امام حسینؑ کی زبانی اس موقع پر حضرت کو پکار رہا ہے۔ جب آپ ریگ گرم پر کربلا میں دم توڑ رہے تھے۔

اس تیری وفا کے ہوں میں قربان علمدار — اپنے کو غلام اور مجھے آقا سمجھے
رہ جائے نہ دل میں مرے ارمان علمدار — اک بار تو بھائی مجھے تم کہہ کر پکارو

حضرت عباس علیہ السلام علم کے میدان میں

باپ کا اثر بیٹے میں ہونا ضروری ہے۔ حضرت عباس حضرت علی کے فرزند ارجمند ہیں۔ حضرت علیؑ نے اپنے علمی کمالات کا ذکر کرتے ہوئے اکثر فرمایا ہے ''زقنی رسول اللہ زقًا زقًا'' مجھے رسول اللہ ﷺ نے اس طرح علم بھرایا ہے جس طرح کبوتر اپنے بچہ کو دانہ بھراتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کبوتر جب اپنے بچہ کو دانہ بھراتا ہے تو وہ تمام دانے جو اس کے پوٹے میں ہوتے ہیں بلا تحلیل کل کے کل بچے کے پوٹے میں پہنچا دیتا ہے۔ یہی مقصد حضرت علیؑ کے ارشاد کا بھی ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ جو علمِ خدا کی طرف سے لے کر آئے تھے وہ سارا کا سارا مجھے عطا فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؑ خود علم لدنی رکھتے تھے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے بھی تمام علم حاصل کر لیا تھا۔ گویا آپ علمی نقطہ نظر سے ساری کائنات پر فوقیت کے مالک ہو گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ''سلونی قبل ان تفقدونی'' جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لو۔ قبل اس کے کہ میں تم میں موجود نہ ہوں۔ اور یہ بھی کہتے تھے کہ ''علمنی رسول اللہ الف باب الخ'' پیغمبر اسلام ﷺ نے ہزار باب علوم کے مجھے تعلیم کئے ہیں اور میں نے ہر باب سے ہزار باب خود پیدا کر لئے ہیں۔

عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے حضرت علیؑ کو علوم بھرائے ہیں اس طرح آئمہ معصومین نے حضرت عباس علیہ السلام کو علوم سے بھرپور کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عباس کے لئے ارشادِ معصومین یہ ملتا ہے۔ "ان العباس بن علی زق العلم زقا" عباس بن علی کو علوم بھرا دیئے گئے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ حضرت علی نے جو علم رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا تھا وہ سارا کا سارا حضرت عباس کو عطا کر دیا ہے۔ ان کے علاوہ امام حسن اور امام حسین علیہم السلام نے اپنے علوم سے بہرہ ور فرمایا ہوگا۔ اب ایسی صورت میں حضرت عباس کے علم کا کیا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ (اسرار الشہادت ص ۳۲۴)

حضرت عباس کا عبد صالح ہونا

یہ ظاہر ہے کہ عبدیت کا درجہ بہت بلند ہے۔ کم ایسے انبیاء بھی گزرے ہیں جنہیں خدا نے اپنا عبد قرار دیا ہو۔ کیونکہ عبد اپنے معبود سے ایسا مستحکم رشتہ رکھتا ہے جو بڑے بڑے انبیاء کو بھی نہ نصیب ہو سکا۔ قرآن مجید میں چند انبیاء ایسے نظر آتے ہیں جنہیں اس خاص لقب سے خدا نے نوازا ہے۔ ان میں خاص طور پر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ، حضرت داؤدؑ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت عیسیٰؑ اس لقب و خطاب سے ممتاز قرار دئے گئے ہیں۔ حضرت عباس جو اپنے کمالات نفسی و نسبی کی وجہ سے اس خاص خطاب کے قابل تھے۔ انہیں عبد صالح قرار دیا گیا۔ جس کی سند حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس زیارت مخصوصہ میں دے رہے ہیں جس کے راوی ابوحمزہ ثمالی ہیں ارشاد فرماتے ہیں۔

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ"

"اے عبد صالح آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی ہو۔"

حضرت عباس آئمہ طاہرین کی نظر میں

اہل عصمت ہی سمجھتے ہیں تری شانِ وفا

دنیا میں ایسے افراد بہت کم ہوں گے جو کسی بلندی پر فائز ہونے کے بعد دوست اور دشمن، طرفدار و ہمدرد اور مخالف نہ رکھتے ہوں۔ لیکن مدح اس کی اچھی نظر سے دیکھی جاتی ہے جو خود بلند ترین درجہ کا مالک ہو۔ اگر کوئی ایسی شخصیت موجود ہو جس کی مدح اللہ تعالیٰ کرے جس کی ستائش حضرت محمد ﷺ کریں اور جس کی تعریف میں آئمہ معصومین رطب اللساں ہوں تو پھر اس کی فضیلت کی کوئی حد نہ ہوگی۔ حضرت عباس علیہ السلام کی ہستی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے

کہ خداوند عالم تذکرۃ الشہداء میں آپ کو سراہ رہا ہے اور "لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ" کہہ کر مرنے کے بعد بھی آپ کو دیگر شہداء کی طرح زندگی دے رہا ہے اور غذا پہنچانے کا وعدہ فرما رہا ہے اور شہادت کے بعد بقول معصوم دونوں ہاتھوں کے بجائے دو پر پرواز دے کر جنت میں اڑنے کا موقع دے رہا ہے۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدائش سے پہلے آپ کی شجاعت کی پیشین گوئی فرما رہے ہیں حضرت علی آپ کی ولادت کی تمنا کر کے جب اپنی آغوش میں آپ کو پالتے ہیں تو بے حد مسرور ہو کر کبھی رخسار کو کبھی دست و بازو کو چومتے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام آپ کے مداح نظر آتے ہیں۔ اور اپنی زندگی میں آپ سے استعانت چاہتے ہیں۔ امام حسین اپنے تمام امور میں آپ ہی کو مرکز سمجھتے ہیں۔ اور آپ کے وجود کو لشکر کے برابر قرار دے کر عہدہ علمبرداری آپ ہی کے سپرد فرماتے ہیں۔ حضرت امام زین العابدین واضح الفاظ میں فرما رہے ہیں۔

(۱) رحم اللہ عمی العباس لقد آثر وابلی و فدیٰ اخاہ بنفسہ حتیٰ قطعت یداہ قاید لہ اللہ بجناحین یطیر بھما مع الملائکۃ فی الجنۃ کما جعل فعفر بن ابی طالب وان للعباس عند اللہ تبارک و تعالیٰ منزلۃ یغبطہ علیھا جمیع الشھداء یوم القیامہ (الخصال الصدوق ج۱ صفحہ۳۵)	اللہ تعالیٰ میرے چچا حضرت عباس پر رحم کرے انہوں نے قربانی پیش کرنے میں پورا پورا ایثار کیا۔ اور امتحان گاہ میں بڑی کامیابی حاصل کی۔ اور اپنی جان امام حسین پر قربان کر دی کہ دونوں ہاتھ تک کاٹے گئے (لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا بدلہ یہ ملا کہ انہیں جعفر طیار کی طرح جنت میں پر پرواز عطا کر دئے ہیں۔ بیشک عباس کا درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہے کہ قیامت کے دن تمام شہداء غبطہ کریں گے۔

اور لفظ جمیع الشہداء فرما کر اتنی بلندی دے دی ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ کیونکہ ان میں وہ ہستیاں بھی آتی ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے کار تبلیغ کی شہادت دینے والی ہیں۔ جیسے حضرت حمزہ و جعفر طیار (اصول کافی) اور اس کی تائید زیارت کے اس جملہ سے بھی ہوتی ہے۔ فرمایا گیا ہے۔

(۲) السلام علیک ایھا الربانیون انتم لنا فرط و نحن لکم تبع وانصار وانتم سادۃ الشھداء فی الدنیا والآخرہ انھم لم یسبقھم سابق ولا یلحقھم لاحق۔	ترجمہ: اے خدائی کارگزارو تم پر سلام ہو۔ تم ہم سے پہلے چلے گئے۔ اور ہم تمہارے بعد آرہے ہیں۔ بے شک تم شہداء کے دنیا و آخرت میں سردار ہو۔

بے شک تم لوگ ایسے ہو کہ نہ تم جیسے پہلے شہداء گزرے ہیں اور نہ آئندہ گزریں گے۔

(کامل الزیارات ص ۲۷۰۔ ۲۱۹)

علامہ عبدالرزاق لکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے مذکورہ جملہ زیارت میں تمام دنیا کے شہداء کی سرداری شہدائے کربلا کے لئے ثابت فرمادی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ شہداء کربلا میں بعض امور اور خصوصی حالات کی بناء پر حضرت عباس کو ان میں امام حسین کے بعد سب سے بڑا درجہ حاصل ہوا ہے جس کی تصدیق امام زین العابدین علیہ السلام کے ارشاد سے ہوتی ہے۔ جہاں پر آپ نے فرمایا ہے کہ آپ کو جنت میں دو پر دیئے گئے ہیں اور انہیں وہ فضیلت نصیب ہے جس پر جمیع شہداء غبطہ کریں گے۔ (قمر بنی ہاشم صفحہ ۵۴) اور چونکہ حضرت عباس کو بہت سے امور میں دیگر شہداء سے زیادہ فضیلت حاصل ہے اور آپ کو بلند درجہ نصیب ہے۔ اسی لئے امامت کے بہت سے کاموں میں آپ مددگار نظر آتے ہیں اور اہل بیت میں عملاً داخل دکھائی دیتے ہیں۔ مثال کے لئے ملاحظہ ہو۔

(۳) محب الدین طبری کتاب ذخائر العقبیٰ کے ص ۱۴۱ پر لکھتے ہیں کہ جب حضرت امام حسن شہید ہوئے اور حضرت امام حسین علیہ السلام ان کو غسل دینے لگے تو آپ نے حضرت عباس کو طلب فرمایا اور پانی ڈالنے اور دیگر خدمات غسل میں بھی انہیں شریک فرمایا۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ امام کو امام ہی غسل دے سکتا ہے کفن پہنا سکتا ہے نماز پڑھ سکتا ہے اور دفن کر سکتا ہے۔ (ہدیۃ المعاجز میں علامہ ہاشم بحرانی صفحہ ۲۶۱ پر ہے) کہ آسمان سے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور زمین پر تشریف فرما امام کی مدد کر کے نبی یا امام کی تجہیز و تکفین کرتے ہیں۔ جیسا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں مفصل مرقوم ہے۔ (بصائر الدرجات صفاء ج ۵ باب ۳۔ صفحہ ۶۰ میں ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دیتے وقت حضرت علی کی مدد ملائکہ کر رہے تھے۔ جنہیں آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

علامہ شیخ عباس قمی النفس المہموم کے صفحہ ۲۰۵ پر رقمطراز ہیں کہ واضح ہو کہ یہ امر اپنی جگہ پر ثابت ہو چکا ہے کہ معصوم کا دفن و کفن معصوم ہی کرتا ہے اور امام کے سوا امام کو کوئی غسل نہیں دیتا۔ اگر امام کی وفات مشرق میں ہو اور اس کا وصی مغرب میں ہو تو خداوند عالم دونوں کو یکجا کر دیتا ہے۔ الخ

اب ایسی صورت میں جبکہ آپ کو امام حسینؑ کے غسل میں شریک کیا۔ آپ کی بلندی مرتبت کے متعلق کیا رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ اور کیوں نہ سمجھا جائے کہ آپ کا درجہ آئمہ طاہرین کے بعد دنیا میں سب سے بلند ہے اور کیوں نہ انہیں عصمت غیر استکفائیہ سے متصف سمجھا جائے۔ کیونکہ اگر ان کے لئے عصمت واجب نہ تھی۔ جیسے آئمہ معصومین کے لئے تھی۔ جسے عصمت استکفائیہ کہتے ہیں جو معرفت علم و یقین میں کسی کے محتاج نہ تھے تو بہ سبب احتیاج الی المعصومین بوجہ

عمل و کردار اور عدم صدور گناہ انہیں معصوم غیر استکفائی تسلیم کیا جائے جیسا کہ کتاب قمر بنی ہاشم ص ۶۱ میں بحوالہ کتاب اتقان المقال ص ۵۷ مذکور ہے اور پھر ایسی صورت میں جبکہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے آپ کے لئے اس بات کی نص فرمادی ہے کہ تمام شہداء آپ کے درجہ رفیعہ پر فائز ہونے پر غبطہ کریں گے۔ ظاہر ہے کہ شہداء میں حضرت علی علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ تو جسے ایسا درجہ مل سکے جس پر حضرت علی جیسی شخصیت غبطہ کرے تو اس کے مرتبے اور درجے کی بلندی کا کیا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(۴) اسی طرح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے آپ کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اس سے آپ کی بلندی مقام کا پتہ چلتا ہے۔ ایک مقام پر آپ نے ارشاد فرمایا ہے "کان عمنا العباس نافذ البصیرت صلب الایمان" میرے چچا عباس بن علی کمال بصیرت اور بہترین ایمان کے مالک تھے۔ ایک مقام پر زیارت ضریح اقدس حضرت عباس کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔ "اشهد لقد نصحت لله ورسوله والاخيك فنعم الاخ الموسىٰ" میں اس کی گواہی دیتا ہوں......

علامہ عبدالرزاق موسوی مقرم لکھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت عباس کی شہادت کو حضرت امام حسین علیہ السلام کی معیت میں اس درجہ پر پہنچادیا کہ جس سے بلند درجہ اور نہیں ہوسکتا یعنی اب ایسی صورت پیدا ہوگئی کہ گویا حضرت عباس نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کاملہ کی اور اس سلسلہ میں ان کے یقین کا کمال اور توحید کی تکمیل اور دین وایمان کی انتہا واضح ہوگئی۔

(۵) علامہ عبدالرزاق موسوی اپنی کتاب قمر بنی ہاشم میں بحوالہ تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۳۷۔ رقمطراز ہیں کہ جب ہم شب عاشور کے واقعات میں یہ دیکھتے ہیں کہ امام حسین عباس بن علی سے اس وقت جبکہ لشکر آ پہنچا تھا۔ یہ فرمایا کہ "ارکب بنفسی یا اخی" اے میرے بھائی تجھ پر میری جان فدا ہو جائے ذرا جا کر دیکھو تو سہی کہ یہ لوگ کیوں آئے ہیں' تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یقیناً عباس کا درجہ آئمہ معصومین کی نظر میں اس درجہ بلند ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ اور اس کی مزید وضاحت اس چیز سے ہوتی ہے کہ آپ کے اور دیگر شہداء کربلا کے لئے زیارت جامعہ وارثہ میں فرمایا گیا ہے۔ "بالی انتم وامی طبتم و طابت الارض التی فیها دفنتم" میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔ تم بڑے اچھے اور زمین خوش نصیب ہے کہ جس میں تم دفن کئے گئے۔ زیارت کے ان جملوں سے شہداء کربلا کی بلندی کی حد ختم ہوگئی۔ اللہ اکبر! معصوم کائنات کا یہ فرمانا کہ

میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔ کتنا بلند جملہ ہے اور اس سے بڑی کیا فضیلت ہو سکتی ہے۔

(۷) کتاب مصباح التہجد شیخ طوسی میں تحریر ہے کہ صفوان کہتے ہیں۔ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ حضور زیارت سیّد الشہداء کس احترام سے کریں۔ ''ارشاد ہوا'' اے صفوان! جب زیارت کا ارادہ کرو تو تین روز قبل سے روزہ رکھو اور جب حائر میں پہنچو تو کہو۔ اللہ اکبر کبیرا۔ الخ پھر علی بن الحسین کی پائنتی کی طرف سے نکل کر آگے بڑھو اور شہدائے کربلا کو مخاطب کر کے کہو: ''**السلام علیکم یا اولیاء الله**'' اے اولیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم پر سلام ہو۔ امام علیہ السلام نے زیارت میں حاضر کی ضمیر اس لئے فرمائی ہے کہ یہ شہداء سلام راہِ خدا میں شہید ہوئے۔ اور شہدائے راہِ خدا زندہ ہوتے ہیں۔ ''**لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل الله اموات بل احیاء**''

(۸) حضرت عباس کے بلندی مدارج کا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جب آپ نے عمر بن سعد سے رات کے وقت ملاقات کی تھی تو اس موقع پر آپ کے ہمراہ حضرت عباس اور علی اکبر تھے اور اسی طرح عمر بن سعد کے ہمراہ بھی اس کا غلام اور فرزند تھا۔ (ناسخ التواریخ۔ ج ۶ ص ۲۲۸ طبع بمبئی)

(۹) اسی طرح جب روز عاشورا عوراتِ بنی ہاشم میں شورِ فریاد وفغاں بلند ہوا تو حضرت امام حسینؑ نے حضرت عباس سے فرمایا۔ ''**ان یسکتهن**'' اے عباس خیمہ میں جاؤ اور عورتوں و بچوں کو خاموش کرو۔ اس لئے کہ اگر دشمن رونے کی آواز سنیں گے تو شماتت کریں گے۔ چنانچہ حضرت عباس داخل خیمہ ہوئے۔ اور سب کو سمجھا بجھا کر خاموش کیا۔ (قمر بنی ہاشم ص ۵۸)

(۱۰) حضرت امام حسین علیہ السلام نے کمال اعتماد کی وجہ سے حضرت عباس کو علمدار لشکر قرار دیا تھا۔ اور آپ امتحان اکبر کے موقع پر حامل اللواء تھے۔ یہی سبب ہے کہ آپ کی شہادت سب سے بعد میں ہوئی ہے۔

(۱۱) امام حسینؑ نے اس وقت جبکہ حضرت عباس اجازت جنگ کے لئے حاضر ہوئے۔ فرمایا کہ ''**اذا مضیت تفرق عسکری**'' اے بھائی! کیا اجازت جنگ مانگ رہے ہو۔ ارے میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر تم چلے گئے تو پھر میرا سارا لشکر تتر بتر ہو جائے گا۔

(امام حسین کا تفرق عسکری) فرمانا واضح کرتا ہے کہ امام حسین تنہا حضرت عباس کو لشکر کے برابر سمجھتے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام حسین کو حضرت عباس پر کس درجہ اطمینان، اعتماد اور بھروسہ تھا۔

(۱۲) حضرت عباس کی حیثیت اور فضیلت کا اس سے بھی نمایاں طور پر اندازہ لگایا جا سکتا

ہے۔ کہ جب حضرت امام زین العابدین دفن شہداء کے لئے کربلا تشریف لائے تھے تو آپ نے دیگر شہداء کے دفن میں بنی اسد سے مدد لی تھی۔ اور امام حسین اور حضرت عباس کا لاشہ خود تن تنہا دفن کیا تھا۔ خود قبر میں اترے تھے کسی نے کہا: مولا ہم مدد کریں تو فرمایا "ان معی من یعیننی" ان کے دفن کے لئے ہمارے پاس مددگار موجود ہیں۔ اور ہم ان کی مدد سے دفن کر رہے ہیں۔

(دمعہ ص ۳۵۵ ساکبہ بحوالہ اسرار الشہادت وقمر بنی ہاشم ص ۵۸ بحوالہ ہدیث الایقان شاہ عبد العظم)

(۱۳) حضرت عباس کے لئے یہ اہم فضیلت بھی موجود ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا شفاعتِ امت کے لئے انہیں کے ہاتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش فرمائیں گی۔

(کتاب جواہر الایقان صفحہ ۱۹۴)

(۱۴) حضرت فاطمہ زہراؑ حضرت عباس کو اپنا فرزند فرمایا کرتی تھیں۔ کتابوں میں موجود ہے کہ آپ نے ایک شخص سے خواب میں فرمایا تھا کہ "تزوروابنی الحسین ولا تزوروابنی العباس" میرے ایک بیٹے حسین کی تو زیارت کرآ تا ہے اور میرے دوسرے بیٹے عباس کی زیارت کو نہیں جاتا۔ مقامِ حشر میں آپ کا ارشاد ہوگا "کفانا لا جل ھذا المقام الیدان المقطوعتان من ابنی العباس" (اسرار الشہادت ص ۳۲۵ طبع ایران)

(۱۵) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت عباس کی مستند زیارت میں فرماتے ہیں:

"سلام اللہ وسلام ملائکتہ المقربین وانبیاء المرسلین و عبادہ الصالحین وجمیع الشھداء والصدیقین الزاکیات الطیبات فیما تغتدی و تروح علیك یابن امیر المومنین" غور کرنے کی بات ہے کہ وہ امام جو اسرارِ قلوب اور تخیل اذہان سے واقف ہے۔ وہ ارشاد کرتا ہے کہ عباس بن علی پر اللہ اور ملائکہ مقربین انبیاء المرسلینؑ اور ساری کائنات کے بندوں اور دنیا کے تمام شہداء اور صدیقین کے پاک و پاکیزہ سلام ہوں۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عباس کن مدارج پر فائز تھے۔ "کتاب قمر بنی ہاشم صفحہ ۶۳ میں ہے کہ **"فکل ھولاء یتقربون الی اللہ بالدعاء لہ واستنزال الرحمۃ منہ"** تمام ملائکہ انبیاء صالح بندوں اور تمام دنیا کے شہداء اور صدیقین حضرت عباس پر دعا کے وسیلہ سے بارگاہ احدیث میں تقرب حاصل کرنے اور رحمت کی استدعا کرنے کے قائل ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت عباس کی زیارت کے مذکورہ جملوں کو پیش نظر رکھنے کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے الفاظ کو پڑھا جائے تو معلوم ہو کہ حضرت عباس کا درجہ کتنا بلند ہے۔ امام حسین کی زیارت میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

"سلام الله وسلام ملائكته فيما تروح و تغدى والزاكيات الطاهرات لك و عليك. سلام الملائيكة المقربين والمسلمين لك بقلوبهم و الناطقين بفضلك" الخ

دونوں زیارات کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی نظر میں دونوں شہید بلند مرتبہ ہیں۔ (بحار الانوار کتاب المزار بحوالہ کامل الزیارت)

میرا خیال ہے کہ مساوات اسلامی میں اس سے بہتر کوئی نظیر نہیں مل سکتی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے خدمات کے پیش نظر آقا و غلام کو ایک ہی جیسا درجہ عنایت کر دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مولانا نے واقعہ کربلا میں عمل و سیرت حسینی کی رعایت کی ہو اس لئے کہ امام حسین نے یوم عاشورا جس زانو پر حضرت علی اکبر کا سر رکھا تھا اسی زانو پر جناب حر اور دیگر غلاموں کا سر بھی رکھا تھا۔

(۱۶) زیارت میں ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ "اشهد لك بالتسليم والتصديق والوفاء والنصيحة لخلف النبي المرسل" میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ اے عباس تم منزل تسلیم و تصدیق اور وفاء و نصیحت پر فائز ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ان جملوں نے بھی حضرت عباس کی بلندی مرتبت پر روشنی ڈالی ہے کیونکہ یہ منازل سالکین میں بہترین منزلیں ہیں اور جنہیں یہ منزلیں نصیب ہو جائیں ان کی بلندی مقام کا کوئی ٹھکانا نہیں۔

(۱۷) ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ "لعن الله من جهل حقك و استخف بحرمتك" اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے جس نے تمہارے حق کی پرواہ نہیں کی اور تمہارا احترام نہیں کیا۔

زیارت کے اس جملہ میں حضرت عباسؑ کو منفرد اً یاد کیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ جس نے تمہارے حق سے غفلت کی اس پر لعنت ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جملہ شہدائے کربلا صفائے ضمیر اور خدمات کے لحاظ سے بہت بلندی کے مالک ہیں۔ لیکن جو درجہ کمال حضرت عباس کو حاصل تھا۔ وہ شاید امام حسینؑ پر قربان ہونے والوں میں کسی اور کو نصیب نہ تھا۔

(۱۸) آپ اس زیارت میں جو حرم میں داخل ہوتے وقت پڑھی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

اشهد و اشهد الله انك مضيت على ما مضى به البدريون

ہم اور خدا گواہی دیتے ہیں کہ اے عباس تم اس طرح تحفظ اسلام کے میدان میں گزر گئے جس طرح بدر والے گزرے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ فرمانا واضح کرتا ہے کہ حضرت عباس نے اس وقت

اسلام کی حمایت کی جبکہ اسلام ختم ہو رہا تھا۔ کیونکہ بدر کے مجاہدین سے مشابہت دی ہے اور جنگ بدر اس وقت ہوئی تھی جب اسلام انتہائی کمزور تھا۔ اگر بدر کے مجاہد ہمت نہ کرتے تو اسلام اپنی پہلی منزل میں ختم ہو جاتا۔ لیکن انہوں نے کمال ہمت سے قربانی دے کر اسلام کو بچا لیا تو جس طرح بدر میں اسلام کمزور تھا اسی طرح کربلا میں بھی اسلام اختتام کی منزل تک پہنچ رہا تھا۔ اگر واقعہ کربلا نہ ہوتا اور عباس جیسوں نے کمال دلیری سے قربانی نہ پیش کی ہوتی تو اسلام رخصت ہو جاتا۔

(۱۹) امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "**اشهد انك قد بالغت في النصيحة واتيت غاية المجهود فبعثك الله في الشهداء و جعل روحك مع ارواح السعداء و اعطاك من جنانه افسحها منزلاً و افضلها غرفا**" میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے نصیحت شہادت میں کمال حاصل کر لیا اور بے انتہا سعی و کوشش سے جہاد کیا۔ یہی سبب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں شہداء میں مبعوث ہونے کا درجہ دے دیا۔ اور تمہاری روح کو ارواح سعداء میں بلند مقام عطا کیا اور جنت میں سب سے زیادہ وسیع اور بہترین جگہ عنایت فرمائی۔ امام کے یہ جملے حضرت عباس کی خصوصی فضیلت کا پتہ دیتے ہیں۔

(۲۰) ایک مقام پر آپ ارشاد فرماتے ہیں "**رفع ذكرك في عليين**" اے عباس تمہارا ذکر اعلیٰ علیین میں لوگوں کی زبان پر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباس کا کیا درجہ ہے۔ اللہ اکبر! اس ہستی کا کیا کہنا جس کا ذکر اعلیٰ علیین میں موجود ہو۔

(۲۱) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام مطابق روایت مزار بحار صفحہ ۱۶۵ پر ارشاد فرماتے ہیں: "**لعن الله امته استحلت منك المحارم و انتهك فيك حرمة الاسلام**" اللہ تعالیٰ اس امت پر لعنت کرے کہ جس نے تمہاری عزت نہ کی اور اپنی سمجھ میں تمہیں رسوا کر کے اسلام کو ذلیل کرنے کی کوشش کی۔ یہ ظاہر ہے کہ جس کی عزت اسلام کی عزت اور جس کی ذلت اسلام کی ذلت ہو اس کا درجہ کتنا بلند ہوگا۔

(۲۲) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ۱۵ رجب کی زیارت میں ارشاد فرماتے ہیں: "**السلام عليك يا مهديون. اسلام عليكم يا طاهرون من الانس**"۔ اے کربلا کے ہدایت یافتہ شہید و تم پر میرا اسلام ہو اور اے گناہوں سے پاک و پاکیزہ تم پر میرا اسلام اس زیارت کا آخری جملہ عصمت کی طرف اشارہ کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض علمانے دیگر بے شمار فضائل کے حوالہ سے حضرت عباس کو معصوم قرار دیا ہے

(۲۳) حضرت صاحب العصر امام مہدی آخر الزماں علیہ السلام زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں

نہایت شد ومد سے ذکر فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے السلام علیٰ ابی الفضل العباس بن امیر المومنین المواسی اخاہ بنفسہ" ابوالفضل العباس بن علی امیر المومنین پر سلام ہو جنہوں نے کربلا میں اپنے بھائی پر جان نثار کر دی۔ اور پانی کی طلب میں اپنے دونوں ہاتھ قربان کر دئے۔ (شفاء الصدور شرح زیارت عاشورا ص ۱۱۱ طبع بمبئی)

مجاہدین اسلام میں حضرت عباس کی حیثیت

ہر مجاہد، مجاہد ہے۔ ہر جاں باز جانباز اور ہر شہید، شہید ہے۔ لیکن ان میں بھی مدارج ہیں۔ بدر واحد میں شہید ہونے والے، خیبر وخندق میں جام شہادت پینے والے، جنگ موتہ اور دیگر جہادوں میں جان دینے والے یقیناً شہید ہیں۔ اور حیات ابدی حاصل کر کے اللہ تعالیٰ سے رزق پاتے اور آرام سے دن گزارتے ہیں۔ لیکن ان شہداء میں سیّد الشہداء حضرت حمزہ اور جنت میں پرواز کرنے والے حضرت جعفر طیار کا کچھ اور درجہ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ خصوصی شہداء بلند درجہ کے شہداء ہیں۔ ان کی قدر ومنزلت کوئی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھے ان کے حالات کوئی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھے تو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان شہداء کو کیا درجہ عطا کیا ہے۔ لیکن یقین کرنا چاہئے کہ حضرت امام حسینؑ نے اپنے مٹھی بھر جانبازوں کو کربلا میں لا کر تمام دنیا کے شہداء سے بلندی دے دی ہے۔ آپ نے بار بار فرمایا ہے کہ خدا کی قسم جیسے اصحاب مجھے ملے ہیں نہ میرے نانا کو نصیب ہوئے نہ بابا جان کو ملے۔ نہ بھائی حسنؑ کے ہاتھ آئے۔ اس کی مزید تصدیق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے قول سے ہوتی ہے۔ آپ زیارت میں ارشاد فرماتے ہیں۔ "انتم سادۃ الشہداء فی الدنیا والاخرۃ" اے شہیدانِ کربلا تم دنیا وآخرت میں تمام شہدائے عالم کے سردار ہو۔ پھر فرماتے ہیں۔ یہ وہ ہیں "لم یسبقہم سابق ولا یلحقہم لاحق" کہ نہ اتنے بلند درجہ کے شہداء پہلے گزرے ہیں اور نہ آئندہ گزریں گے۔ اب غور کرنا چاہئے کہ دنیا میں کیسے کیسے شہداء گزر چکے ہیں اور کتنی بڑی ہستیاں جام شہادت نوش کر چکی ہیں۔ جناب یحییٰ بن زکریاؑ کی شہادت خرقیل پیغمبرؑ کی شہادت کے کارنامے دیکھئے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ کسی کو درخت کے اندر آرے سے چیر ڈالا گیا۔ کسی کو دیگ میں بند کر کے آگ سے ابال ڈالا گیا۔ غرضکہ نہ جانے کس کس انداز سے شہادتیں واقع ہوئی ہیں۔ مگر اللہ رے کربلا کے شہداء کہ انہیں دنیا کے شہیدوں پر فضیلت دی جا چکی ہے۔ سوچنے کی چیز ہے کہ اس فضیلت عامہ کی وجہ کیا ہے؟ قطع نظر اس کے صرف یہ دیکھئے کہ امام حسینؑ کے ساتھ رہنے والوں نے جس دلیری اور بہادری، عزم واستقلال سے جانیں

دی ہیں اور جو جذبہ شہادت رکھتے تھے شاید وہی انہیں عالم کے شہداء میں ممتاز کر رہا ہو یہ معمولی بات نہیں ہے کہ چھوٹے اور بڑے بوڑھے اور جوان سب میں یکساں جذبہ شہادت کارفرما تھا۔ استاذی العلام مولانا سیّد عدیل اختر صاحب قبلہ ایک ریڈیائی تقریر میں فرماتے ہیں۔ ''اب ذرا آج کی رات تاریخ کے سہارے کربلا کا منظر دیکھئے۔ ایک طرف کم سے کم تیس ہزار کی یزیدی سیر و سیراب فوج عیش و طرب کے نشہ میں چور اطمینان کے ساتھ اپنی رنگ رلیوں میں مصروف ہے۔ دوسری طرف حسین صرف بہتر مددگار لے کر کچھ از کار رفتہ بوڑھے چند نوجوان' کچھ کمسن اور یتیم بچے ہیں بلکہ ایک تو صرف چھ مہینہ کا مجاہد ہے۔ ان کو صرف رات بھر کی مہلت عبادت و دعا کے لئے یزیدیوں نے بڑی مشکل سے دی ہے۔ کربلا کا ہیرو سیّد الشہداء اپنی اس چھوٹی سی جماعت کو اکٹھا کرتا ہے۔ تین دن کے بھوکے پیاسے زندگی سے سیر زاہرا کے چاند کو ستاروں کے جھرمٹ میں لئے ہوئے ہیں۔ نبی و علی کے مطمئن دل کے ساتھ حسین اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ دنیاوی لڑائی لڑنے والے اپنے طرفداروں کی تعداد بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ برخلاف اس کے حسین بعد حمد و ثنا اپنے ساتھیوں میں ہر شخص کو موقع دیتے ہیں کہ چلا جائے اور یہ فرماتے ہیں'' دیکھو یہ رات کا وقت ہے' موقع اچھا ہے۔ اپنی جانیں بچالو۔ یزیدی تو صرف مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر میں ان کو مل گیا تو پھر وہ کسی کی تلاش نہ کریں گے۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ جو عہد تم نے مجھ سے کیا ہے میں نے اس کو بھی معاف کر دیا تمہیں کوئی گناہ بھی نہ ہوگا۔ لیکن بھلا حسین کے ساتھیوں کا سا کوئی چشم فلک نے کاہے کو دیکھا ہے۔ سب نے ایک زبان ساتھ چھوڑ دینے سے انکار کر دیا۔ اور ساتھ رہ کر جان دینے کا اقرار و اصرار کیا۔ حسین نے یہ خبر سنائی کہ کل سب قتل ہو جائیں گے۔ فوراً یتیم قاسم (جن کا سن بہت ہی کم تھا) بول اٹھے۔ ''میرا نام بھی فہرست شہادت میں ہے نا'' یہ سن کر حسین کو بچہ کی کمسنی کا خیال ہوا فوراً جواب دینا مناسب نہ سمجھ کر فرمایا۔ کیوں بیٹا! تمہارے نزدیک موت ہے کیسی چیز؟ یتیم بچے نے عرض کی چچا جان موت شہد سے زیادہ میٹھی چیز ہے۔ اب حسینؑ کو کیا جھجک تھی فرمایا ''بیٹا! تجھ پر چچا قربان تیرا نام بھی فرد شہداء میں موجود ہے۔ بلکہ کل تو میرا شیر خوار بچہ بھی ذبح کر ڈالا جائے گا۔'' اور وہی ہوا جو حسین نے فرمایا تھا۔ ''حسین کے چھوٹے چھوٹے بچے داد شجاعت دے کر شہید ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کی قسم جذبہ شہادت اور خدمت اسلام کے سلسلہ میں جان دینے کی حلاوت میں تین دن کے پیاسے بہادروں نے دشمنان اسلام کا اس طرح مقابلہ کیا کہ دنیا لوہا مان گئی۔

حوصلہ تھا یہ جوانانِ حسینی کا فقط ۔۔۔ ورنہ لاکھوں سے بہتر کی لڑائی کیسی

الغرض اس جذبہ شہادت اور شوق خدمت اسلام نے ایسے وقت میں جبکہ اسلام کا

نام دنیا سے مٹ رہا تھا۔ ان کی سچی قربانی کی وجہ سے انہیں ایسی بلندی دے دی کہ یہ ساری کائنات کے شہداء میں ممتاز نظر آتے ہیں اور ان کی یادگار تاریخ انسانیت میں جلی حرفوں سے لکھی ہوئی قائم ہے۔

میں سچ کہتا ہوں، کہ غلط جان گنوانے والوں کا ذکر ہی کیا۔ تاریخ عالم میں جامِ شہادت پینے والوں کی بھی کمی نہیں۔ بلکہ خاص اسی خطہ پر جو کبھی بابل اور نینوا کے نام سے پکارا جا چکا ہے اور آج کربلا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے' حسین سے پہلے اللہ تعالیٰ کے کتنے نیکوکار بندوں کا خون بہہ چکا ہے۔ لیکن ان کے تذکرے اس طرح مٹ گئے گویا وہ حوادث کبھی رونما ہی نہ ہوئے تھے۔ وہ اس طرح سہو و نحو ہو گئے کہ دماغوں کے خزانوں تک میں محفوظ نہ رہ سکے۔ زبانوں تک آنا یا ان کی یاد منانا کیسی۔ اصل یہ ہے کہ واقعات میں جتنی اہمیت اور جاذبیت ہوتی ہے ان کا اثر بھی اتنا ہی گہرا پڑتا ہے۔ اور ان کی عمر بھی اتنی ہی بڑھ جاتی ہے۔ کبھی قصوں کو دہرانے' سننے، سنانے کی آزادی ہوتی ہے پھر بھی وہ دور تک نہیں چل سکتے۔ اور کبھی اظہار واقعہ پر ہزاروں پابندیاں عائد کی جاتی ہیں لیکن وہ زبان زد خلائق ہو کر دائمی زندگی پا جاتے ہیں۔ جناب آدمؑ نے ہابیل کی موت پر خود بھی بڑا جزع و فزع کیا۔ اور تاریخ و تفسیر بتلاتی ہے کہ آپ نے مرثیہ کہہ کر حضرت شیث سے وصیت کی کہ ان کو یاد کریں۔ اور لوگوں تک پہنچا دیں۔ تاکہ یہ بات بطور میراث نقل ہوتی رہے۔ اور لوگ سنتے اور روتے رہیں۔ چنانچہ آپ کی فرمائش کے مطابق آپ کی اولاد جیسا کہ مشہور ہے اس مرثیہ کو نسلاً بعد نسلٍ ایک دوسرے تک پہنچاتی رہی۔ یہاں تک کہ یعرب ابن قحطان تک پہنچ کر اسی مرثیہ نے سریانی سے عربی لباس اختیار کیا۔ اب صرف کتابوں میں باقی ہے۔ اور بس۔ لیکن شہیدانِ کربلا نے نینوا کی چٹانوں پر اپنے خون سے کچھ ایسی تصویریں کھینچی ہیں جن کی رنگینی نے عالم کو ان کا دیوانہ بنا رکھا ہے۔ چھپانے، مٹانے کی کوششوں کے باوجود یزیدیت کامیاب تو کیا ہوتی خود فنا کے گھاٹ اتر گئی۔ اور حسینی یادگار زندہ اور پائندہ ہو گئی۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا حسینی جان نثاروں کا نقشِ وفا ابھرتا اور ان کی خوش کرداری کے چہرے کا رنگ نکھرتا گیا۔ گننے میں تو شہیدان کربلا ۳۲ سوار اور ۴۰ پیادے نظر آتے ہیں لیکن جب ذرا غور سے دیکھا جائے تو سوار بھی عجیب اور پیادے بھی نرالے نظر آتے ہیں۔ حسینی فوج کے سواروں میں ایسے کم عمر بچوں کا بھی شمار ہے جو خود گھوڑوں پر سوار نہ ہو سکے بلکہ کسی دوسرے نے انہیں گھوڑے پر سوار کرایا۔ اور پیادوں میں ایسے نونہال بھی ہیں جو بہادری سے تڑپ کر تلوار کا وار بے کھٹکے اپنے ہاتھ پر روکتے تو ہیں مگر بمقتضائے سن ان کے منہ سے "یا اماہ" اے میری ماں کی فریاد بلند ہو جاتی ہے۔ صاحبان اولاد

اب ایک اور مجاہد باقی ہے اس کو کس صف میں رکھا جائے۔ پیادہ کہوں کہ سوار، جو ماں کی گود سے باپ کے ہاتھوں پر آتا ہے اور شیر کے بدلے تیر کی باڑھ سے اپنی پیاس بجھاتا ہے۔ شہیدان کربلا پر ہماری جانیں نثار، جو اپنی بے مثال وفاداری کے سبب تمام حق پرستوں کی محبت کا مرکز بن گئے۔ جنہیں حبیب خدا کے محبوب فرزند نے بجا طور پر خطاب عنایت فرمایا کہ میں اپنے اصحاب سے زیادہ باوفا اور بہتر و برتر کسی کے اصحاب کو نہیں پاتا۔ تاریخ عالم پر نظر ڈالئے۔ آپ پر حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔ اور آپ تصدیق کریں گے کہ واقعاً شہیدان کربلا یعنی امام حسین کے سے اصحاب کسی کو نہیں مل سکے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض کو بعض ملے اور بہت ہی اچھے ملے مگر کسی کو کل نہ ملے اور پھر کربلا کی کڑیاں جھیلنے کا تو دنیا میں کوئی نمونہ ہی نہیں۔ اگر کسی کے لئے ایسا ہوتا تو نہ جانے جو ملے تھے وہ بھی کیسے ثابت ہوتے۔ جناب مسیحؑ کو گرفتار کرنے والے حواری اور صحابی کا تذکرہ موجود ہے۔ صرف ایک رات میں تین بار شک کرنے والے کا بھی ذکر مذکور ہے۔ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابؓ کے لئے قرآن مجید کی آیتیں کافی ہیں۔ احادیث بھی پکار رہی ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے "نہ جانے تم لوگ میرے بعد کیا کیا کرو گے۔ حضرت علی کو تمنا رہ گئی۔ کاش! چالیس صاحبان ہمت مل جاتے۔ امام حسن کو تو ایسوں سے سابقہ پڑا جنہوں نے آپ پر ہی حملہ کر دیا۔ لیکن یہ تاریخی حقیقت ہے کہ حسین کے اصحاب خیر و وفا میں سب سے آگے نکل گئے۔ اس شرف کے قسام ازل نے حسین کو مخصوص کر دیا۔ شہیدان کربلا کا یہ حصہ ہو گیا کہ آزاد سے غلام تک، مردوں سے عورتوں تک، بڈھوں سے جوان تک کمسنوں سے شیر خوار تک اور مجھے کہنے دیجئے کہ انسانوں سے لے کر اونٹوں تک اپنی اپنی صنف اور سن کے ایسے ایسے نمونے بن گئے جن کی نظریں غیر معصوم اور دنیاوی اقتدار والوں کو تو کیا نصیب ہوتیں روحانین کا خزانہ بھی ایسے وفا شعار خوش رو جواہر آبدار سے خالی نظر آتا ہے۔ شہیدان کربلا میں کسی ایک کے حالات بھی پورے پورے عرض نہیں کئے جا سکتے۔ ان میں کا ہر ایک بزرگ جہاں فضائل کا مالک ہے بنی ہاشم تو بنی ہاشم تھے۔ اوروں کی طرف نظر اٹھائیے تو معلوم ہوگا کہ حق کا ساتھ اور باطل سے کنارہ کشی ان کی نظر میں کتنی اہم اور عزیز تھیں۔ زہرقین کے نصائح آج بھی موتیوں میں تولنے کے قابل ہیں۔ حبیب و حنظلہ کی ہدائتیں مشعلِ ہدایت ہیں۔ ادھر یزیدی فوج میں دنیا اپنی تمام راحتوں، دلچسپیوں اور بناؤ سنگار سمیت دلربائی میں مصروف ہے ادھر حسین اور ان کے چند گنے چنے ساتھیوں پر فرات کے سامنے ہوتے ہوئے تین دن سے پانی تک بند ہے کسی اور راحت کا تو وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ جلتی ریتی۔ تپتا بن، دشمن کی ٹڈی دل فوج جدھر دیکھئے خون کے پیاسے دشمنوں کے نیزے

تلواریں، تیر، تبر نظر آتے ہیں۔ انہیں بار بار حسینؑ کا ساتھ چھوڑنے کے لئے طرح طرح کے لالچ دلائے جاتے۔ امن و امان کے پروانے سنائے جاتے، ساتھ دینے والوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کی دھمکی دی جاتی ہے۔ عیال واطفال کی اسیری اور بربادی کا خوف دلایا جاتا ہے۔ مگر خوف و ہراس کے بدلے حسینؑ کے ساتھی نہایت خندہ پیشانی سے مشکلوں کا استقبال کرتے۔ اور یزیدیوں کی پیشکش کو نہایت نفرت وحقارت سے ٹھکرا دیتے تھے ان میں سے ایک جان وفا زہیر قین ہیں۔ جو شمر سے فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ہمیں حسینؑ کی رفاقت میں مرنا تم لوگوں کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہنے سے زیادہ محبوب ہے۔ اس کے علاوہ حق وایمان کی حمایت کا یہ غیر فانی کارنامہ بھی آب زر سے لکھا جانے کے لائق ہے کہ ایک ماں اپنے نوجوان فرزند کو جس کی شادی کو صرف سترہ دن گزرے ہیں حسینؑ پر قربان کرنے کے لئے خود تاکید کرتی ہے۔ اور جب وہ داد جوانمردی دے کر میدان جنگ سے واپس آتا ہے اور پوچھتا ہے کہ کیوں مادر گرامی! اب تو آپ مجھ سے خوش ہوئیں۔ تو ماں یہ کہہ کر واپس کر دیتی ہے کہ میں تو اس وقت خوش ہوں گی جب تم حسینؑ پر جان دے کر میرے پاس آؤ گے۔ سچ ہے۔

غرضکہ کربلا کے مجاہدوں کی نظیر ناممکن ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان مجاہدوں میں بھی اٹھارہ بنی ہاشم کو دیگر شہداء میں امتیاز حاصل ہے۔ علامہ حسین واعظ کاشفی اپنی کتاب روضۃ الشہداء میں صفحہ ۶ طبع بمبئی ۱۳۸۵ھ میں بحوالہ کتاب مراۃ الجنان امام یافعی لکھتے ہیں کہ "در واقعہ کربلا شانزدہ کس از اہل بیت بابی عبداللہ الحسین شربت شہادت چشیدند کہ در آں روز بر روئے زمین ایشاں راشبیہ ونظیر نہ بود" واقعہ کربلا میں شہید ہونے والے بہادروں میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے اہل بیت کے ایسے اٹھارہ نفوس بھی تھے جن کی نظیر اس زمانہ میں روئے زمین پر نہ تھی۔ گویا اس وقت کائنات عالم میں امام حسینؑ کے علاوہ وہ اسی طرح افضل تھے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں ان کے اہل بیت ساری کائنات حتیٰ کہ انبیاء کرامؑ کی طرح تھے۔ اب ان بنی ہاشم میں بھی بغور دیکھا جائے تو قمر بنی ہاشم کو فضیلت نظر آتی ہے۔ آپ کے لئے حضرت امام حسینؑ یہ کہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں "بنفسی انت" میں آپ پر فدا ہو جاؤں۔ (المواعظ والبکا، ص ۱۱۰) اور جب شہادت واقع ہو جاتی ہے تو "الان انکسر ظھری" اے عباس تمہاری شہادت سے میری کمر ٹوٹ گئی۔ اور شہادت سے پہلے ان کے وجود کو پورے لشکر کے برابر قرار دیتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کونسے وہ ایسے اسباب ہیں جن کی وجہ سے قمر بنی ہاشم حضرت عباس علیہ السلام میدان شہادت میں تمام فلک رفعت شہیدوں سے سبقت لے گئے ہیں۔

اس سلسلہ میں جہاں تک میں سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ حضرت عباس میں کچھ ایسی خصوصیت قدرت نے ودیعت کی ہے جو دوسرے شہداء کربلا کو نصیب نہیں ہو سکی مثلاً:

۱۔ آپ کی پیدائش کی علت غائی صرف اسلام کی خدمت ہے جیسا کہ حضرت علیؑ کی تمنائے ولادت سے ظاہر ہے۔

۲۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے عالم زمانہ بنایا تھا۔ آپ عالم غیر متعلم ہونے کے باوجود حضرت علی جیسی ہستی سے کسب علم کئے ہوئے تھے!

۳۔ آپ معصوم یا محفوظ تھے آپ سے کبھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا!

۴۔ آپ عبد صالح تھے!

۵۔ آپ فقیہ کامل تھے!

۶۔ آپ حضرت فاطمہ زہرا کے منہ بولے فرزند تھے!

۷۔ آپ میں امامت کی صلاحیت موجود تھی!

۸۔ آپ یقین محکم اور عزم کامل رکھتے تھے!

۹۔ آپ کی خدمات تمام شہداء سے زیادہ نمایاں اور اہم تھیں۔ اس کے علاوہ آپ کی خصوصیت میں یہ بھی تھا کہ آپ "قمر بنی ہاشم" تھے۔ یعنی جس طرح حضرت علی بمفاد آیہ "الشمس والضحها والقمر اذا تلها" قمر امامت تھے اور حضرت ہاشم کے والد ماجد جناب عبد مناف "قمر البطحٰی" اور سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد بزرگوار موحد کامل جناب عبد اللہ "قمر الحرم" تھے اسی طرح حضرت عباس "قمر بنی ہاشم" تھے آپ کے متعلق مورخین لکھتے ہیں کہ "ان عباس بن علی کان رجلا و سیما جمیلا یقال له قمر بنی هاشم لحسنه وبهائه" مقتل عوالم صفحہ ۹۴۔ حضرت عباس اپنے حسن و جمال اور خوش روئی کمال کی وجہ سے قمر بنی ہاشم کہے جاتے تھے۔

رئیس الشجعان:

اور آپ تمام بہادروں کے سردار تھے۔ کوئی بہادر بھی ایسا نظر نہیں آتا جو صفتِ شجاعت میں حضرت عباس سے بلند حیثیت رکھتا ہو۔ "کان رئیس الشجعان" آپ شجاعان عالم کے سردار تھے ناسخ التواریخ۔ ج ۶ ص ۲۸۹۔

سیّدالفرسان:

اور حضرت عباس علیہ السلام شہسواران کائنات کے سیّد و سروار تھے۔ اور بہت بلند قامت یعنی نہایت ہی لحیم و شحیم تھے۔ "کان سیّد الفرسان یرکب الفرس المطھم و رجلاہ یخطان فی الارض" آپ سیّدالفرسان تھے۔ دور کابے پر جب سوار ہوتے تھے تو آپ کے قدم زمین پر خط دیتے جاتے تھے۔ (تحفہ حسینیہ ص ۱۷۸)

علمدار کربلا:

آپ علمدارِ لشکر حسینی تھے اور یہ ظاہر ہے کہ جو علمدار ہوتا ہے اسے دیگر افراد لشکر سے فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ جنگ کربلا کا ایک علم حبیب ابن مظاہر کے ہاتھوں میں تھا۔ لیکن "اعطی رائۃ اخاہ العباس" حضرت امام حسین علیہ السلام نے لشکر کا سب سے بڑا اور خاص علم حضرت عباس کو عنایت فرمایا تھا (مناقب ابن شہر آشوب ج ۲ ص ۹۵)

وفادار اعظم:

حضرت عباس علیہ السلام "کان اوفی وابر من اھلبیت الحسین" سب سے زیادہ وفادار اور نیکی کرنے والے تھے۔ یعنی امام حسین اور ان کی اہل بیت کے لئے تمام شہداء سے زیادہ وفادار اور فرمان بردار تھے۔ اماتبین فی مقتل الحسین ص ۴۳۷

افضل الشہداء:

حضرت عباسؑ تمام شہداء میں افضل تھے۔ حضرت امام حسینؑ فرماتے ہیں "یا افضل الشھداء یا بن المرتضٰی صلی علیك الله کل اوان" اے افضل شہدا عباس بن علی مرتضٰی تم پر اللہ تعالٰی ہر وقت رحمت نازل فرمائے۔ (معالم الزلفی ص ۱۲۶ طبع ایران)

سقائے حرم:

حضرت عباس نے جس تندہی، جانفشانی اور محنت و مشقت سے اہل بیت حسین کے لئے پانی فراہم کرنے کی سعی کی ہے اور جس جس مشکل سے پانی حاصل کیا ہے وہ کسی اور سے نہیں ہو سکی۔ آپ نے اس سلسلہ میں بہت کافی دوڑ دھوپ کی اور متعدد کنوئیں بھی کھودے ہیں۔ "یلقب السقاء لانہ استقی الماء لاخیہ الحسین یوم الطف" آپ کا سقا لقب اس لئے تھا۔ آپ نے کربلا میں حسین اور ان کے اہل بیت کے لئے پوری جانفشانی کے ساتھ فراہمی آب میں جوہر

شجاعت دکھائے ہیں (عمدۃ الطالب مقتل عوالم ص ۹۴ منہج المقال فی احوال الرجال قلمی)

کمال عبادت گزاری:

حضرت عباس علیہ السلام کو عبادت خداوندی میں بڑا شغف حاصل تھا۔ آپ عابد شب زندہ دار تھے۔ "کان بین عینیہ اثر السجود لکثرۃ عبادۃ الملك العلام" آپ کی پیشانی مبارک پر کثرت سجود کی وجہ سے نشان سجدہ نمایاں تھا (تحفہ حسینیہ ص ۷۵ طبع ایران)

مبشر بالشجاعت:

آپ کو اللہ تعالیٰ نے وہ شجاعت عطا کی ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ آپ مبشر بالشجاعت تھے۔ یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی ولادت سے پہلے شجاعت کی بشارت دی ہے۔ علامہ کنتوری لکھتے ہیں۔ "اماشبیے اعتہ فقد روی بعض علماء الانساب من اھل السنة انھا کانت مبشرہ علی لسان المخبر صادق الامین" آپ کی شجاعت کے بارے میں بعض علمائے اسلام لکھتے ہیں کہ اس کی شجاعت کی مدح سرائی زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جاری ہو چکی ہے۔ پھر فرماتے ہیں "لا سیماء انہ مشیر بالشجاعۃ قبل میلاد" اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بڑی خصوصیت ہے کہ آپ کی شجاعت کی بشارت ولادت سے پہلے دی گئی ہے۔ پھر فرماتے ہیں "وما یکن احد من الشھداء الذین استشھدوا فی الطف فائزا الی تلك الدرجة" کہ اس عظیم درجہ پر کربلا کے شہداء میں سے کوئی بھی فائز نہ تھا۔

(مائتین فی مقتل حسین ص ۳۸ طبع لکھنؤ)

عبید الحسین:

حضرت عباس بلند ترین شخصیت کے مالک ہونے کے باوجود کمال وفاداری کے جذبہ میں اپنے کو امام حسین کا غلام فرما رہے ہیں۔ اس جگہ جہاں آپ کی کمال انکساری ظاہر ہوتی ہے ممدوح کی بلندی مقام کا پتہ بھی چلتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے "انا عبد من عبید الحسین" میں حسین کے غلاموں میں کا ایک غلام ہوں۔ (المنجد صفحہ ۳۲۶ میں ہے کہ عبد اس کو کہتے ہیں کہ "لزمہ ولم یفارقه" جو ہر وقت ہمراہ رہے اور کبھی ساتھ نہ چھوڑے۔ "من کان خالص العبد" جس میں بندگی کا خلوص ہو۔ لغات سروری ص ۸۷۱ میں ہے کہ عبد۔ بندہ۔ غلام۔ تابعدار۔ خدمت گزار کو کہتے ہیں۔

حضرت عباس کا امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ ہونا اور ان کا اپنے کو غلام فرمانا بالکل

ویسا ہی ہے جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ بچپن سے رہے اور ہمیشہ فرمایا کئے۔ "انا عبد من عبید محمد" میں محمد حضرت کا ایک غلام ہوں (مناقب ماثمین ص ۴۴۰)

کثیر البطش:

حضرت عباس علیہ السلام میں ایک یہ بھی خصوصیت تھی کہ وہ بڑے زبردست حملہ آور اور بہادر تھے (لغات کشوری صفحہ ۷۰) علامہ کنتوری لکھتے ہیں۔ "ان العباس کثیر البطش قوی النقمة لا یغاذر من اساء الیه اوالی اخیه الا وینتقم منه" حضرت عباس بڑے دبدبے اور رعب داب کے بزرگ ہیں۔ وہ انتقام لینے میں کسی بے ادب گستاخ کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرتے تھے آپ کا طریقہ تھا جو آپ یا آپ کے بھائیوں کے ساتھ گستاخی کرے اس سے بدلا ضرور لیتے تھے۔ (ماثمین صفحہ ۴۶۴) مثال کے لئے ملاحظہ ہو کتاب طوفان بکاء شعلہ چہارم طبع ایران ۱۳۱۴ھ میں ہے کہ معاویہ نے حضرت امام حسن کو شہد میں زہر دیا۔ آپ نے نانا کے روضہ پر دعا کی، شفا نصیب ہوئی۔ پھر خرمہ میں زہر دیا آپ بچ گئے۔ لیکن طبعت خراب رہنے لگی۔ آپ تبدیلی آب و ہوا کے لئے حضرت عباس کو لے کر موصل تشریف لے گئے اور ایک محب آل محمد کے ہاں مقیم رہے کچھ دنوں کے بعد وہ معاویہ کے پھندے میں آ گیا اور اس سے بھی حضرت کو زہر دلا دیا۔ لیکن اس مرتبہ بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچالیا۔ ایک اور شخص نے آپ کو شہید کرنے کا یہ راستہ نکالا کہ اپنے عصا کی انی کو زہر میں بجھالیا۔ جب امام علیہ السلام نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے برآمد ہوئے۔ اس بیرون اور چھپے ہوئے شخص نے اسے آپ کے پیر میں چبھو دیا۔ آپ اس کی اذیت سے بے ہوش ہو گئے۔ اصحاب نے اسے گرفتار کر لیا۔ آپ نے سزا دینے سے روکا۔ کچھ دنوں بعد زہر نے زور کیا اور طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ ایک ہوشیار جراح نے زخم سے زہر کھینچ لیا اور آپ بچ گئے۔ ایک دن حضرت عباس علیہ السلام نے اسے موصل سے باہر جاتے ہوئے دیکھا اس سے عصا چھین کر اسی کے سر پر مارا کہ اس کا سر شگافتہ ہو گیا۔

معذب القتال:

حضرت عباس کی ایک خصوصیت اور صفت یہ تھی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی اختیار دیا گیا تھا کہ جو آپ کو یا آپ کے بھائی حسین کو ستائے یا ان کے ساتھ کوئی برائی کرے اسے آپ سزا دیں۔ علامہ کنتوری لکھتے ہیں کہ "میں یقین سے کہتا ہوں کہ ایسی روایتوں میں کوئی شک و

شبہ نہیں ہے جن میں یہ ہے کہ حضرت عباس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کو سزا دینے کی قدرت رکھتے تھے جو آپ کے ساتھ یا امام حسین علیہ السلام کے ساتھ برائی کریں۔ نیز آپ کو یہ بھی قدرت دی گئی تھی کہ آپ اپنے قاتل کو اس کی زندگی بھر روزانہ عذاب جہنم میں مبتلا رکھیں۔ جیسا کہ آپ نے اپنے قاتل ابان بن دارم وغیرہ کے ساتھ کیا۔ وہ زندگی بھر روزانہ عذاب جہنم میں مبتلا ہو جاتا رہا۔ جس کے سبب سے رات بھر چیختا چلاتا رہا تھا۔ بالآخر وہ سیاہ ہو کر مر گیا۔ علامہ لکھتے ہیں کہ "هی کرامة خاصة لا یدانی العباس احد من هولأ الشهداء" یہ وہ کرامت خاصہ ہے جس میں شہدائے کربلا کا کوئی شہید عباس سے مساوی نہیں ہو سکتا۔ (مائتین ص ۴۶۴ طبع لکھنؤ) مقصد یہ ہے کہ ساری دنیا کے جان دینے والوں میں شہیدان اسلام کو اور تمام شہداء میں شہداء کربلا کو اور شہداء کربلا میں بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں امام حسین کے بعد حضرت عباس کو فضیلت حاصل ہے۔

وادیٔ الفت کا ہر ذرہ یہ دیتا ہے صدا
حضرت عباس ہیں خضرِ بیابانِ وفا

☆☆☆☆☆

معرکہ کربلا کا تاریخی پس منظر
حق و باطل کی جنگ اور حضرت عباس کے خدمات

شبیر نے طے منزل تسلیم و رضا کی　　عباس نے ہر خدمتِ شاہ شہداء کی

ہر واقعہ، ہر معرکہ، ہر تنازع، ہر جنگ، ہر رسہ کشی اور کشمکش کوئی نہ کوئی پس منظر رکھتی ہے۔
جو واقعہ رونما ہوگا اور جو معرکہ ظہور پذیر ہوگا یقیناً اس کی تہہ میں کوئی نہ کوئی بنیادی راز پنہاں ہوگا۔
اور اس کا اظہار و شہود کسی نہ کسی غرض کے ماتحت عمل میں آیا ہوگا۔ واقعہ کربلا جو تاریخ اسلام ہی نہیں
بلکہ تاریخ عالم کا ایک عظیم واقعہ ہے۔ اس کے پس منظر کے پیش نظر عرض ہے کہ یہ ایک مسلمہ حقیقت
ہے کہ جس طرح ہر پیغمبر ہر نبی اور رسول سطح ارض پر فریضہ تبلیغ کی ادائیگی کے لئے مامور ہو کر آیا اور
اسے مادر گیتی کی آغوش میں ہدایت کا روشن چراغ جلانا حکم خداوندی رہا۔ اسی طرح پیغمبر اسلام
حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ترویج اسلام اور تبلیغ احکام کے لئے مامور تھے۔ آپ اگرچہ ۱ء
عام الفیل میں پیدا ہوئے اور آپ کا عہد ولادت وہ تھا۔ جس میں کفر کی تاریکیاں پھیلی ہوئی تھیں۔
جہالت کا چراغ جل رہا تھا اور ظاہر بظاہر تبلیغی اقدام کی فوری ضرورت تھی۔ لیکن آپ نے ۴۰ ع۔
ف۔ تک کھلی ہوئی تبلیغ کی سلسلہ جنبانی نہیں فرمائی۔ تاریخ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے نہ
شکست ہونے والے بازو کی توانائی اور اپنے نور وجود کے دوسرے ٹکڑے کا انتظار تھا۔ آپ چاہتے
تھے کہ تبلیغ شروع کروں تو اتنی طاقت کے ساتھ شروع کروں کہ کہیں جھول نہ پیدا ہو جائے اور ایسا
کریکٹر پیش کروں کہ موقع پر کہہ سکوں کہ اگر میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے پر ماہتاب
رکھ دیا جائے یعنی دنیا کا نصف حصہ میرے لئے سونے اور نصف حصہ چاندی کا بنا دیا جائے تب بھی
تبلیغی سرگرمیوں سے باز نہ آؤں گا۔ چنانچہ وہ وقت آ گیا ۳۰ ع۔ف۔ میں حضرت علی علیہ
السلام پیدا ہوئے اور ۴۰ عام الفیل تک آپ کے عہد طفولیت پر شباب آ گیا۔ آپ کے بازوؤں
میں توانائی اور کلائیوں میں زور پنجوں میں طاقت آ گئی اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یقین ہو گیا کہ اسد
اللہ میں شمشیر زنی کی تاب پیدا ہو گئی ہے۔ تو آپ تبلیغ کی طرف متوجہ ہوئے۔ حکم خدا آ پہنچا۔
"انذر عشیرتک الاقربین" اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم خداوندی
کے مطابق ایک اجتماع فرمایا۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گمراہ عزیزوں پر مشتمل تھا۔ اجتماع کی تکمیل پر

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقریر شروع فرمائی۔ لوگوں نے آپ کو بات تک نہ کرنے دی اور سخت اختلاف و انتشار پیدا کر دیا۔ دوسرا دن آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر دعوتِ اجتماع دی وہی لوگ پھر جمع ہوئے۔ آپ نے تقریر سے پہلے فرمایا۔ "من یوازرنی" "کون ہے جو میری مدد کر کے میرا وزیر اور دنیا و آخرت میں میرا بھائی بننا چاہتا ہے۔ یہ سننا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام کھڑے ہو گئے۔ "انا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" اس خدمت کے لئے میں حاضر ہوں۔ تین دفعہ اسی طرح فرمایا اور ہر مرتبہ حضرت علیؑ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغی تقریر فرمائی۔ کل تک پیغمبر اسلام کا تنہا نورِ رسالت کا کام انجام دے رہا تھا اور آج نورِ امامت بھی محوِ خدمت اسلام ہے۔ نور کے دونوں ٹکڑے ملے۔ پیغمبر اسلام نے تقریر فرمائی۔ کسی کی مجال نہ ہوئی کہ لب کشائی کرے اور تقریر کامیابی کے ساتھ ختم ہوئی۔ (تاریخ ابوالفداء) تاریخ اس پہلی دعوت اسلام کو "ذوالعشیرہ" کے نام سے یاد کرتی ہے۔ لیجئے آج سے فریضہ تبلیغ اسلام کی ادائیگی شروع ہو گئی۔ اور اتنا زور پکڑا کہ دنیا حیران رہ گئی۔ لیکن یہ واضح رہے کہ جیسے جیسے تبلیغ کو فروغ ہوتا رہا ویسے ہی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امام الانام کی دشمنیاں بھی لوگوں کے دلوں میں ترقی کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ لوگ پیہم حملے کرنے لگے۔ اور آپ کی تبلیغ کو مٹانے کی کوشش کرنے لگے۔ آپ نے اپنے اور اسلام کے تحفظ کے لئے دفاعی جہاد کئے اور جنگِ بدر و احد و خندق و خیبر وغیرہ واقعہ ہوئیں۔ بھلا وہ کونسی طاقت تھی جو شیر خدا علی مرتضیٰ کی شمشیر کی تاب لاسکے۔ بالآخر سینکڑوں کفار حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اور دنیا اسلام کا لوہا مان گئی۔ تاریخ شاہد اور واقعات بتا رہے ہیں کہ جنگ بدر وغیرہ میں اسلام قبول کرنے والے نعمتِ ایمان سے بہرہ ور نہ ہو سکے۔ اگر ان کے دلوں میں ایمان جاگزین ہوتا تو آغوش حق میں پناہ لینے والے حق کو حق مانتے اور ناحق دلوں میں کدورت نہ رکھتے۔ اور شکریہ کے بجائے انتقام لینے کی کوشش نہ کرتے۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جس نے انہیں مسلمان کیا یا جس نے ان کی نسلوں میں اسپرٹ اسلام کی پیدا کی اسی کو تباہ کرنے کی سعی کرتے رہے اور دل و جان سے یہ سعی کرتے رہے کہ علی اور اولادِ علی کا تخم بھی دنیا میں باقی نہ رہے۔ جانے دیجئے دیگر سیاسی زمانوں کو صرف عہدِ بنی امیہ کا جائزہ لیجئے تو معلوم ہو جائے کہ ان میں جو جذبات کارفرما تھے وہ وہی تھے جو جنگ بدر و احد میں پیدا ہو گئے تھے۔ اور جنہیں اسلام لانے کے بعد دلوں سے جانے کا موقع نہ ملا تھا۔ اور جنگ جمل و صفین کا روپ بدل کر عالم واقعات میں رونما ہوئے۔

تاریخ گواہ ہے کہ وفات رسولؐ سے جنگ صفین تک جو حالات گزرے وہ سیاسی رنگ

لئے ہوئے ہونے کی وجہ سے عمل کی دنیا میں رونما ہوتے رہے لیکن نوک زبان ان سے آشنا نہ ہو سکی اور زبان سے کچھ نہ کہا جا سکا۔ سب کچھ کیا جاتا رہا۔ جذبات انتقام ابھرتے رہے۔ دست و بازو کام کرتے رہے۔ تلواریں چلتی رہیں۔ ہزاروں بزرگان دین موت کے گھاٹ اترتے رہے۔ قتل و غارت کا بازار گرم رہا۔ لیکن یہ کھلنے نہ پایا کہ یہ سب کچھ کیوں اور کس واسطے ہو رہا ہے اور کن وجوہ کی بناء پر حضرت علی جیسے قابل انسان کامل کی اطاعت قبول نہیں کی جاتی اور اپنے کو برسر اقتدار لانے کی سعی پیہم ہو رہی ہے۔ لیکن سیاسی دور کے فوراً گزرنے کے بعد ہی چھپے ہوئے جذبات ابھر نکلے۔ جو بات اب تک دلوں میں چھپی ہوئی تھی وہ نوک زبان پر آ گئی۔ سیاسی کرشمہ سازیوں کا بھانڈا پھوٹ گیا۔ مقصد یہ ہے کہ اجماع۔ استخلاف۔ شوریٰ۔ استیلاء کی مجموعی طاقت سے یزید ابن معاویہ ۶۰ھ میں برسر اقتدار آ گیا۔ اور اس نے تخت و تاج سنبھالتے ہی تکمیل جانشینی کے زعم میں نسلی جذبات انتقام کو عمل اور زبان سے ظاہر کیا۔ اس نے صاف لفظوں میں کہا کہ:

لست من خندف ان لم انتم ط من بنی احمد ما کان فعل

مجھے بنی خندف سے نہ سمجھا جائے اگر میں اولادِ محمدؐ سے ان کے کئے کا پورا پورا بدلہ نہ لے لوں۔ الغرض یزید تخت نشین ہو چکا تھا اور دیار و امصار میں بیعت طلبی کے واسطے ہرکارے چھٹے ہوئے تھے۔ حیطہ سلطنت کے گوشے گوشے میں خطوط روانہ کئے جا رہے تھے کہ کسی کو نظر انداز نہ کیا جائے اور سب سے بیعت لے لی جائے۔ مورخ طبری کا بیان ہے کہ یزید نے ولید بن عقبہ والئ مدینہ منورہ کو لکھا کہ حسینؑ سے میری بیعت لے لو۔ اور اگر وہ انکار کریں تو ان کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دو۔ خط پہنچا۔ ولید نے سوچا کہ حسین کو دعوت بیعت کیونکر دی جائے۔ اس لئے کہ وہ ۵۸ھ میں معاویہ کو براہِ راست جواب دے چکے تھے۔ کہ یزید فاسق و فاجر ہے اس کی بیعت کسی طرح نہ کروں گا۔ اگر ان کو یزید کے حکم سے باخبر نہ کروں تو اپنے لئے خطرہ ہے۔ چنانچہ ولید بن عقبہ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنے دربار میں بلا بھیجا۔ آپ کو اطلاع ملی۔ آپ چند افراد بنی ہاشم کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ ولید نے معاویہ کی موت کی خبر سنائی۔ آپ نے فرمایا۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون" اس کے بعد ولید نے یزید کا آیا ہوا حکم پیش کیا۔ آپ نے بروائت الفخری فرمایا کہ "مثلی لا یبائع سوا" مجھ جیسا شخص یزید کی بیعت چھپ کر نہیں کر سکتا۔ میں اس پر غور کروں گا۔ ولید سے بات چیت کرنے کے بعد آپ روانگی کے لئے اٹھے تو مروان علیہ اللعن نے ولید کو مخاطب کر کے کہا کہ حسین سے یہیں بیعت لے لے اگر یہ اب نکل گئے تو پھر ہاتھ نہ آئیں گے۔ یہ سننا تھا کہ امام حسین کو غیظ آ گیا۔ آپ نے فرمایا۔ مروان! کس کی مجال ہے کہ حسین

کو ہاتھ لگا سکے۔ امام حسینؑ کی آواز کا بلند ہونا تھا کہ بنی ہاشم کے وہ جوان جو بیرون دربار حضرت عباس کی ہمراہی میں موجود تھے داخل دربار ہو گئے۔ امام حسین نے ان بپھرے ہوئے شیروں کا غصہ فرو کیا اور واپس تشریف لائے۔ گھر پہنچنے کے بعد آپ عواقب پر غور وخوض کرنے لگے۔ اور سوچنے لگے کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ آیا مدینہ منورہ میں قیام کروں یا کہیں چلا جاؤں۔ بہت ہی سوچ بچار کے بعد آپ نے فیصلہ فرما لیا کہ مدینہ منورہ چھوڑ ہی دینا چاہیئے۔ رات کے تاریک پردے میں جد نامدار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور والدہ ماجدہ جناب فاطمہ زہرا کے روضہ سے رخصت ہو کر ۲۸ رجب کی صبح ہوتے ہوتے اپنے اہل وعیال کو ہمراہ لے کر مدینہ منورہ سے بارادۂ مکہ معظّمہ روانہ ہو گئے۔ چار ماہ مکہ مکرمہ میں گزارے۔ اس دوران میں کوفہ والوں کے بارہ ہزار خطوط پیغامات اور دعوت نامے پہنچے جن کا مجموعی مفہوم مطابق روضۃ الصفایہ تھا کہ "ہم بلا امام ہیں آپ تشریف لائیں اگر آپ نہ آئیں گے تو ہم قیامت کے دن بارگاہ احدیت میں فریاد کریں گے کہ امام حسین کی موجودگی میں ہم گمراہ ہوتے رہے اور آپ نے توجہ نہ فرمائی۔

میری تحقیق کے مطابق یہ خطوط سازشی تھے۔ یعنی والی مدینہ منورہ کی اس اطلاع پر کہ حسین نے مدینہ منورہ چھوڑ دیا تو یزید نے والئ کوفہ کو قتل حسین کے انتظامات کی طرف متوجہ کیا۔ والئ کوفہ نے دارالامارہ میں ایک میٹنگ کی جس میں صرف یزیدیوں کے مخصوص افراد نے شرکت کی اور فیصلہ ہوا کہ حسین کا قتل کوفہ سے زیادہ سہل تر اور کسی جگہ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا انہیں یہیں طلب کیا جائے اور طلبی کے لئے طے کیا کہ حسین کے خاص ماننے والوں کو بھی خوبی کے ساتھ اس جال میں پھنسا لیا جائے۔ چنانچہ ایک پارٹی نے سلیمان بن صرد خزاعی اور دیگر حسینیوں سے مل کر کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ امام حسین کوفہ میں تشریف لے آئیں تا کہ ہماری ہدایت فرمائیں۔ ہم یزید کے دورِ فسق وظلم سے عاجز آ چکے ہیں۔ ان غریبوں کو کیا معلوم تھا کہ محبت کے پردے میں دغا کی جارہی ہے۔ بالآخر فیصلہ ہوا کہ امام حسین کی خدمت میں خطوط لکھے جائیں اور عوام میں پروپیگنڈا کیا جائے۔ چنانچہ چند دنوں میں ہی بارہ ہزار خطوط پہنچے امام حسین ابھی اسی غور وفکر میں تھے کہ کیا کریں۔ آپ نے حالات معلوم کرنے کے لئے اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا۔ ناگاہ حج کا موقع آ گیا۔ آپ نے احرام باندھا۔ دورانِ حج میں آپ کو معلوم ہوا کہ کئی دشمن حاجیوں کے لباس میں احاطہ مکہ مکرمہ کے اندر مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے حج کو عمرہ سے بدلا۔ اور کوفیوں کی دعوت کے پیش نظر کوفہ کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ منزل زبالہ تک پہنچے تھے کہ ۹ ذی الحجہ کو شہادت حضرت مسلم کی خبر پہنچی۔ آپ نے فرمایا۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون" اس کے بعد

آگے بڑھے اور منزلِ شراف پر قیام فرما ہوئے۔ ایک صحابی نے عرض کی مجھے کوفہ کی جانب کیلے کے درخت نظر آ رہے ہیں۔ دوسرے نے کہا یہاں درخت کا کوئی نشان تک نہیں ہے۔ ایک صحابی نے کہا نہیں نہیں! گھوڑوں کی کنوتیاں نظر آ رہی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد دیکھا کہ "حر" ایک ہزار کا رسالہ لئے ہوئے آ پہنچا۔ اور سواری کے جانور پیاس سے بے حال ہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ انہیں اچھی طرح سیراب کردو۔ حضرت عباس نے مشکوں کے دہانے کھول دیے سوار دلی نے اچھی طرح پانی پیا۔ رات آئی۔ بروایت امام شبلنجی حر نے امام حسین سے عرض کی۔ مولا رات کا وقت ہے کسی جانب نکل جائیں۔ امام حسین ایک طرف کو چل پڑے۔ ابھی رات ختم نہ ہونے پائی تھی کی حر نے پھر آ گھیرا۔ آپ نے فرمایا۔ تم نے ہی تو کہا تھا کہ کہیں چلے جاؤ۔ اور تم ہی مجھے گھیر رہے ہو۔ اس نے عرض کی۔ مولا حاکم کا بہت سخت حکم آیا ہے۔ میں مجبور ہو گیا ہوں۔ الغرض امام حسین اسی گھیرے میں چل رہے تھے کہ ناگاہ آپ کے گھوڑے کے قدم رکے۔ امام حسین نے فرمایا محملیں اتارلو۔ اور خیمے نصیب کرو۔ کیونکہ ہماری موت اسی جگہ بسیرا لے رہی ہے۔ دوسری محرم ۶۱ھ کو آپ وارد کربلا ہوئے۔ ساتویں محرم سے آپ پر پانی بند کر دیا گیا۔ اور دسویں محرم کو آپ معہ جملہ اعزاء واقرباء قتل کر ڈالے گئے۔

امام حسین علیہ السلام نے معہ عزیز و اقرباء و اصحاب شہادت پائی۔ قاضی قسطنطینہ شیخ سلیمان قندوزی بلخی اپنی کتاب ینابیع المودۃ طبع مصر کے ص ۳۴۶ پر لکھتے ہیں کہ یوم عاشورہ حضرت امام حسینؑ نے مجمع عام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "ایھا الناس" یہ بتاؤ کہ میں نے کونسی سنت بدل دی اور شریعت کے کس حکم کو بدلا جس کے عوض میں تم مجھے قتل کر رہے ہو۔ "فقالوا والله انا تقتلك بغضا لابيك" اے حسین! تم نے کچھ نہیں کیا۔ لیکن ہم تمہیں تمہارے باپ دادا کے بغض کے سلسلہ میں قتل کرتے ہیں۔

اس بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا کے پسِ منظر میں کیا تھا۔ الغرض گیارہویں تاریخ کو مخدرات عصمت وطہارت کو سر برہنہ ناقوں پر سوار کر کے بازاروں میں پھراتے ہوئے دربار کوفہ میں داخل کیا۔ پھر چند دنوں بعد سرہائے شہداء و مخدرات عصمت و طہارت کو شام بھیج دیا گیا۔ یزید کے سامنے جس وقت امام حسین کا سر بریدہ لایا گیا تو اس نے چھڑی سے لبہائے مبارک کے ساتھ بے ادبی کی اور چند اشعار زبان زد کیے۔ جن کا پہلا مصرعہ یہ ہے۔

لیت اشیاخی ببدر شھدوا

ترجمہ: کاش! میرے وہ بزرگ جو بدر میں شہید ہوئے موجود ہوتے تو دیکھتے کہ میں نے بدر و احد وغیرہ

کے مقتولین کا کس طرح بدلہ لیا ہے اور وہ میرے کارناموں سے بے انتہا خوش ہوتے۔ اور خوش ہو کر مجھے دعائیں دیتے۔ کہ اے یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں، حقیقت یہ ہے کہ بنی ہاشم نے ملک کے ساتھ کھیل کھیلا تھا۔ نہ کوئی وحی آئی تھی نہ ملک کا نزول ہوا تھا۔ ابھی کیا ہے دنیا دیکھتی جائے گی کہ:

لست من خندف ان لم انتقم　　　من بني احمد ما كان فعل

میں بنی خندف سے نہیں۔ اگر آلِ احمد سے بدر واحد کے کارناموں کا بدلہ نہ لےلوں۔

ان اشعار پر نظر ڈالنے کے بعد واقعہ کربلا کا پس منظر پیش نظر آ جاتا ہے۔ اور یہ روزِ روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ کربلا کا واقعہ پیغمبرِ اسلام اور حضرت علیؑ کی تبلیغی سرگرمیوں کے انتقامی نتائج ہیں جو ان مسلمانوں کے ہاتھوں عمل میں آئے۔ جن کے دلوں میں ادعائے اسلام کے باوجود اسلام جاگزین نہ ہوسکا تھا۔ روائح القرآن صفحہ ۵۰۴ (باجازت ریڈیو پاکستان پشاور)

حق و باطل کی جنگ:

اس میں شک نہیں کہ حق و باطل کی دشمنی اتنی پرانی ہے کہ دریا اور پہاڑ بھی اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ کونسا دن تھا کہ جب باطل کی فوجوں نے حق کے سامنے صف آرائی نہیں کی۔ کونسی گھڑی تھی۔ جب طاغوتی فوجوں نے رحمانی طاقتوں سے مقابلہ نہیں کیا۔ یہ دنیا ایک میدان جنگ ہے جہاں شب و روز نور و ظلمت، حق و باطل، کفر و اسلام میں رسہ کشی ہوتی رہتی ہے۔ پیر فلک کی سال خوردہ آنکھیں، بہت سی خوں ریز لڑائیاں دیکھ چکی ہیں۔ کرکشتیز، درہ تھرماپلی، بدر و حنین وغیرہ کی عبرت گاہوں کو جا کر دیکھو۔ ان کے ذرہ ذرہ پر روح فرسا کہانیاں اور ہوش ربا داستانیں لکھی ہوئی ہیں جن سے کسی دن معرکہ حق و باطل کی تاریخ مرتب کی جائے گی۔

یہ سچ ہے کہ ظاہری اعتبار سے باطل کی فوجیں اکثر حق پر غالب آتی رہیں۔ دنیا نے ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ سینکڑوں مرتبہ حق کے علم کو سرنگوں ہوتے دیکھا۔ کیا علم و جہل کی لڑائی میں سقراط نے شکست نہیں کھائی۔ کیا خون آشام یونانیوں نے اس محقق زمانہ کو اپنی غلط فہمیوں کے معبد پر قربان نہیں کر دیا۔ یا امن و امان کا پیامبر "مسیح" یہودیوں کے ظلم و ستم کا نشانہ نہیں بنا۔ کیا اٹلی کے مقدس ہیئت دان "گلیلیو" کو پاپائے روم کی کفر آفرینیوں کا شکار نہیں ہونا پڑا۔ مگر باطل کی ظاہری فتح ہمیشہ عارضی رہی۔ یہ صحیح ہے کہ آتشِ ظلم و ستم نے ایک دفعہ حق کو جلا کر خاک کر دیا۔ مگر اس کے خاکستر سے وہ چنگاریاں نکلیں جنہوں نے خرمن باطل میں کبھی نہ بجھنے والی آگ لگا دی۔

معرکہ کربلا بھی انہیں یادگار جنگوں میں سے ایک عظیم الشان جنگ ہے جو دنیا میں حق و صداقت کا علم بلند کرنے کے لیے لڑی گئی۔

کون نہیں جانتا کہ رسول عربیؐ دنیا کو حریت عمل اور آزادی ضمیر کا سبق پڑھانے کے لئے آئے تھے۔ کس کو خبر نہیں کہ اسلام امن و امان کا حامی اور بیجا تفوق اور ناجائز اقتدار کا دشمن ہے۔ جتھا بندی قومی، ملی، وطنی اور لونی امتیازات کے خلاف سب سے پہلے موثر آواز جو بلند کی گئی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز تھی۔ لیکن بنی آدم کی تلون پسند طبیعت کا برا ہو کہ اس نے دنیا کی کسی مفید تحریک کو بار آور نہیں ہونے دیا اگر حضرت موسیٰؑ کا درس تنظیم چھوڑ کر یہودیوں کو باطل کے بادشاہ کی غلامی کرنا پڑی۔ حضرت عیسیٰؑ کا امن بخش اور صلح آفرین پیام طاق نسیاں کے نذر کر کے، عیسائی بت پرست، رومی شہنشاہوں کے گورکھ دھندے میں پھنس کر رہ گئے۔ تو کس طرح ہو سکتا تھا کہ ریگستان کے جنگ جو باشندے رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کو زیادہ دن تک یاد رکھتے۔ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کفن تک میلا نہ ہونے پایا تھا کہ پرانے عقیدے نئے بہروپ بدل کر سامنے آئے ۲۳ برس کا عرصہ اتنا طویل نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفر کی نشانیوں کو قطعاً مٹا سکتے۔ یہ سچ ہے کہ خانہ کعبہ کے سب بت ٹوٹ چکے تھے۔ مگر دلوں کے صنم ابھی تک آباد ہیں۔ اب لات و منات کے بجائے حرص و ہوا طلب جاہ، خواہش حکومت اور تمنائے سطوت و ثروت کے دیوتاؤں کی پرستش ہو رہی تھی۔ نئے مذہب نے جو جوش پیدا کر دیا تھا مصلح اعظم کی تعلیم نے منتشر قوتوں کو متحد کر کے جو روح پھونک دی تھی وہ بجائے اس کے کہ صداقت کی ترویج میں صرف ہوتی طلب جاہ اور تحصیل زر کے کام آنے لگی۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آنکھ بند کئے ہوئے ابھی پورے پچاس سال بھی نہ گزرے تھے کہ ان کی مقدس تعلیم خود غرض لوگوں کے ہاتھوں مسخ ہو گئی۔ اور اس طرح بظاہر یہ معلوم ہونے لگا کہ آسمانی بادشاہت کا وہ خواب جو اسلام نے دیکھا تھا شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا۔ کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لگاتار ۲۳ سال کی محنت برباد ہو جائے۔

زارِ دمشق کا لاڈلا اور جانشین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

۶۱ھ شروع ہونے کو ہے وہ اسلام جو امن و امان کا مرادف سمجھا جاتا تھا، خون آشام شامیوں کے ہاتھوں پنڈاریوں کا پنتھ معلوم ہوتا ہے۔ ہر طرف لوٹ مار کا بازار گرم ہے۔ عرب کی زمین بے گناہوں کے خون سے رنگین ہو رہی ہے۔ قیصر آئین اور کسریٰ خیال لوگ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ زارِ دمشق کا لاڈلا فرزند اسلام کو اپنی ہوسناکیوں اور عشق پرستیوں کے رنگ میں ڈبو دینا چاہتا ہے۔ حریم خلافت اندر کا اکھاڑہ بنا ہوا ہے۔ پری رخوں کا جھرمٹ ہے۔ شراب و کباب کا زور بندھا ہوا ہے۔ زناکاری کی کوئی انتہا باقی نہیں۔ سوتیلی ماؤں

اور بہنوں سے عقد کا فتویٰ دیا جارہا ہے۔(صواعق محرقہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس صحابہ کرام کچھ تو سفر آخرت کر چکے ہیں۔ کچھ کنج عافیت میں اپنی عزت کو سنبھالے بیٹھے ہیں اور مسلمانوں کا خلیفہ سر دقد گلعذار رومی شاہدوں کے جھرمٹ میں تختِ خلافت پر جلوہ افگن ہے۔ شراب آلودلبوں سے نکلی ہوئی بات قانون الٰہی سمجھی جارہی ہے اور مخمور آنکھوں کے اشارے حدیث کے مرادف بنے ہوئے ہیں۔ دمشق مرکز خلافت ہے۔ اسلام کی تازہ تہذیب روم وایران کے تمدن سے بدل چکی ہے۔اس حریم خلافت کی تقلید میں اب ہر گھر عشرتِ کدہ بنا ہوا ہے۔ نماز روزہ کی جگہ پر عشق ومحبت کے تذکرے ہیں۔اذان واقامت کی جگہ نازنینوں کے آتشین رخساروں کے بوسوں کی آوازوں نے لے لی ہے۔ رات صرف اس لئے ہوتی ہے کہ اسلام کے خلیفہ "یزید" اوراس کے متوسلین نام نہاد مسلمانوں کے چشم ودہن کو شراب شیراز سے لطف اندوز ہونے کا موقع دیں۔ اور صبح صرف اس لئے کہ ان کی خمار آلود آنکھوں کو کسی بے گناہ کے رقص مذبوحانہ کا نظارہ کرادے۔

دنیا رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کلمہ پڑھنے کی ترکتازیوں سے پریشان ہے۔امن پسند شہریوں پر عرصہ زندگی تنگ ہورہا ہے۔ملکوں کی دولت سمٹ سمٹ کر دارالخلافت میں جمع ہورہی ہے۔ جفاکش دہقانوں اور محنتی تاجروں کی گاڑھی کمائی دولت اسلامیہ کے سود و بہبود کے بجائے چند رند مشرب لوگوں کی عیاشیوں کے لئے وقف ہو کر رہ گئی ہے۔ ایمان جیسی گراں جنس کا سودا چند درہم پر کیا جارہا ہے اور جو اس قیمت پر راضی نہیں ہوتے ان کے لئے زہر اور تلوار کا پرانا منتر تیار ہے۔ مسجدیں ویران ہیں۔ میکدوں کی رونق بڑھ رہی ہے۔ خدا پرستی کی جگہ شاہد پرستی نے لے لی۔ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو فراموش کر چکے۔ علمی محفلیں برباد ہو چکیں۔ کفر کی مٹی ہوئی سنت زندہ کی جارہی ہے اور ہندہ وسمیہ کی یاد میں دمشق کے گلی کوچے عیاشی اور بوالہوسی کے اڈے بنے ہوئے تھے۔

غرضکہ جب اسلام کی مقدس تعلیم اس طرح تباہ ہونے لگی۔ جب دور جہالت نے پلٹ آنے کی دھمکی دینی شروع کر دی۔ جب پیکرِ اسلام میں قیصر وکسریٰ کی روح نے داخل ہونے کی کوشش کی۔ جب جاہ وجلال مال ومنال کے نقشہ نے مسلمانوں کو حواس باختہ کر دیا۔ جب اسلامی فتوحات کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے دنیا میں آگ لگانا چاہی۔ جب جہاد دفاعی حد سے گزر کر جنگ زرگری کی شکل اختیار کر گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لیواؤں نے محبت و مساوات کا سبق فراموش کر دیا۔ جب قبیلہ پرستی عربیت اور عجمیت کے امتیازات پھر نئی زندگی کی

کروٹ لینے لگے...... جب مذہب کی آڑ میں ذاتی مفاد کا شکار کھیلا جانے لگا۔ جب شاہد پرستی کے ہلاکت آفرین سیلاب نے مسلمانوں کو مانی ومزدک کا پیرو بنا دیا۔ جب عیش وعشرت کی افراط نے ان کے قویٰ کو مضمحل کر دیا۔ جب مجسمہ حیا اور پیکر شرم نبیؐ کے پیروؤں نے اپنے اعمال سے کفر کو بھی شرما دیا جب اسلام رجعت قہقہری کے سلسلہ میں اپنے قدم کو آخری حد تک پہنچا دینے پر مجبور ہو گیا۔ تو غیرت حق جوش میں آئی۔ بنی امیہ کے طلسم خانے کو توڑنے کے لئے ان کی فرعون سامانیوں کو خاک میں ملانے کے لئے یزید کے دین بوالہوسی پر ضرب کاری لگانے کے لئے' نبی عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر سے تاجدار انسانیت حضرت امام حسین علیہ السلام کو ظاہر کیا۔ جن کی قسمت میں ازل سے انقلاب آفرینی لکھی ہوئی تھی۔ جو تاریخ عالم میں اپنی آپ نظیر تھی۔ (سرفراز محرم نمبر ۳۹ھ) اور ان کا علمبردار عباس ایسے بہادر کو بنایا جائے جس کے لئے حسین خود فرمائیں۔ "بنفسی انت" میری جان تجھ پر فدا ہو جائے۔ المواعظ والبکا ص ۱۰ طبع بمبئی)

تاجداران اسلام کی مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کو روانگی اور اس کے اسباب و وجوہات

وادی الفت کا ہر ذرہ یہ دیتا ہے صدا   حضرت عباس ہیں خضر بیابان وفا

یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ کوئی شخص بھی اپنا وطن خوشی سے نہیں چھوڑ سکتا۔ جب کوئی ترک وطن کرے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کے لئے کچھ ایسے اسباب و وجوہ پیدا ہو گئے ہیں۔ جو ترکِ وطن کی ضرورت میں عملاً ظاہر ہو رہے ہیں۔ کیونکہ وطن کا ترک کرنا بے انتہا اہمیت رکھتا ہے۔ قرآن مجید نے جلا وطنی کو قتل کا درجہ دیا ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کے موقع پر اپنا وطن چھوڑ کر چلے تھے اس وقت۔ اور پھر مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد وطن کی یاد سے غافل نہیں رہے۔ آپ مکہ معظمہ سے آنے والے سے وطن کی گلیوں اور وہاں کے درختوں تک کے بارے میں استفسار فرمایا کرتے تھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام جو معاویہ کی موت کے بعد وطن مالوف چھوڑتے نظر آرہے ہیں یقیناً ان کے سامنے کچھ ایسے اسباب و وجوہ ہوں گے جو آپ کو ترکِ وطن پر مجبور کر رہے ہوں گے۔

اگر تاریخ کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ راز کھل جائے گا کہ حضرت امام حسین کا ترک وطن سقیفائی اسکیم کا ایک مستحکم منصوبہ ہے۔ کون نہیں جانتا کہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں بند ہوتے ہی کلمہ گویوں کی طرف سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین کی تبلیغی خدمات کا آبائی غیر

مسلم بدلہ لیا جانے لگا۔ اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ امیر المومنین کی حقوق سے محرومی فاطمہ زہراؑ کا مصائب و آلام سے دوچار ہونا۔ امام حسنؑ کی شہادت سب اسی جذبہ دیرینہ کی رہین منت ہیں۔

تاریخ شاہد ہے اور واقعات بتا رہے ہیں کہ جب سلسلہ اوّل کی پانچویں کڑی رشتہ ''خلافت'' سے ہمرشتہ ہوئی۔ یعنی معاویہ برسر اقتدار آئے تو انہوں نے آلِ رسول کو دنیا سے ختم کرنے کے سلسلہ میں جنگ جمل و صفین کی بنیاد ڈالی۔ اور بالآخر حضرت علی کو اپنی مکمل سازش کے ذریعے مسجد کوفہ میں شہید کرا دیا۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے نہ فرمان رسول اسلام ﷺ ''حرب علی حربی'' کا لحاظ کیا اور نہ حکم خدا ''من قتل مومنا متعمدا فجزائه جهنم'' پر نظر کی۔

امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد اس نے امام حسنؑ کے وجود کو ختم کیا۔ اور ان بزرگ ہستیوں کے وجود سے زمین کو خالی کرنے کا منشا یہ تھا کہ میں آزادانہ حکومت کرسکوں۔ اور یزید کی ولیعہدی میں کوئی روڑا نہ اٹکنے پائے۔ اسی خیال کے پیش نظر انہوں نے حضرت عائشہ کو جوان کے متعلق پیغمبر اسلام ﷺ کے خیالات اور ان کے فرمان سے بخوبی واقف تھیں کچے چونے کے کنوئیں میں گرا کر مار ڈالا اور ان کے بھائی محمد بن ابوبکر کو جو کبھی کبھی ان کی مخالفت کرتے اور امیر المومنین کی تائید فرمایا کرتے تھے گدھے کی کھال میں زندہ سی کر آگ میں جلوا دیا۔

غرضکہ خلافتِ یزید کے لئے جب زمین ہموار ہوگئی تو آپ بیعتِ ولیعہدی لینے کے بعد اہلِ حجاز کے گلے میں طوق بیعت ڈالنے کے لئے ۵۶ھ میں ایک ہزار سوار لے کر روانہ ہوئے۔ اور مدینہ منورہ پہنچ کر سب سے پہلے حضرت امام حسینؑ سے ملاقات کی۔ اور ان سے بیعت یزید کا سوال کیا۔ آپ نے فرمایا میں یزید کے حالات سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ہرگز بیعت نہیں کرسکتا۔ (وسیلۃ النجات جلد ص ۲۸۳)

معاویہ امام حسین علیہ اسلام کا جواب سن کر خاموش رہ گئے۔ انہوں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ ان پر سختی کریں۔ لیکن اور بہت سے افراد کو ڈرا دھمکا کر حلقہ بگوش یزید کرلیا۔

پادری کینن ایڈورڈ سیل ڈی۔ ڈی لکھتے ہیں کہ معاویہ نے یزید کی ولیعہدی کی بیعت لے کر اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی جو وہ امام حسنؑ سے کر چکے تھے۔ اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ فوج کشی اور جبر سے کیا۔ (رسالہ اثنا عشریہ ص ۳۔۵ طبع لاہور ۱۹۲۵ء)

الامتہ والسیاست ابن قتیبہ ج ا۔ صفحہ ۱۳۸ میں ہے کہ معاویہ نے بیعت یزید کے سلسلہ میں لوگوں کے دین بھی درہم و دینار کے عوض خریدے۔ رسالہ فلسفہ شہادت صفحہ ۹ پر بحوالہ تکمیل الایمان محدث دہلوی مرقوم ہے کہ ''بیعت کرنے والوں سے اس طرح اقرار لیا جاتا تھا۔ کہ یزید کو یہ اختیار ہوگا کہ

چاہے تو وہ ہم کو غلاموں کی طرح سر بازار فروخت کرے اور چاہے عبادت خدا کی اجازت دے اور چاہے تو روک دے۔

الغرض وہ وقت آیا کہ آپ ایسی منزل کی طرف روانہ ہونے پر مجبور ہوئے جہاں اپنے کئے کا بدلہ ضرور ملے گا۔ یعنی ماہِ رجب ۶۰ھ آ پہنچا۔ آپ نے مرنے سے پہلے اپنے فاسق و فاجر لاڈلے فرزند یزید کو برادرانِ اسلام کا چھٹا خلیفہ بنادیا اور اس کے سر پر تاجِ خلافت رکھ کر دنیا سے چل بسے۔ ملاحظہ ہو۔ (تاریخ الخلفاء صواعق محرقہ' ابوالفداء)

یزید نے تخت خلافت اور تاجِ امارت سنبھالتے ہی اپنے آبائی مشن میں روح تازہ پھونکنے کے لئے باپ کے بتائے ہوئے اصولوں اور سمجھائے ہوئے خفیہ طریقوں پر نظامِ سلطنت اور انتظام خلافت و امارت کو استوار کرنا شروع کر دیا۔ اور اس سلسلہ میں اس نے جو سب سے پہلا قدم اٹھایا۔ وہ ولید بن عقبہ کو والی مدینہ منورہ مقرر کرنے کا تھا۔ (حاشیہ سیرت ابن ہشام ج ۴۔ صفحہ ۵۸) جس کے ذریعہ سے وہ اپنے منصوبہ میں کامیابی حاصل کرنے کا یقین رکھتا تھا۔

ولید کو والی مدینہ منورہ بنانے کے فوراً بعد اس مقصد کے لئے ایک خط لکھا کہ "ان یا خذ لـه البیعة عن الحسین" کہ میرے لئے حسین سے بیعت لے لے۔ (وسیلۃ النجات ص ۲۸۴۔ ارجح المطالب ص ۳۶۹) اس واقعہ بیعت کو مورخین معتبرین یوں رقمطراز ہیں:

یزید بن معاویہ ولید بن عقبہ کو لکھتا ہے ۔۔۔ وباید چوں بر فحوائے ایں مکتوب واقفِ شوی از اہلِ مدینہ بیعت بستانی۔ والسلام

واقعہ دیگر در غایت ایجاز نوشت مشعر برآں کہ از حسینؑ و عبداللہ بن عمر و عبدالرحمٰن ابن ابی بکر و عبداللہ بن زبیر بیعت بستاں و دریں باب اہمال متمائی واگر بیعت نہ کنند سر ایشاں را نزد من فرست۔ الخ۔

(ترجمہ) میرے خط کو پاتے ہی اور مدعائے دل سے واقف ہوتے ہی فوراً اہل مدینہ سے بیعت لے لے والسلام۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس خط کے ساتھ ایک نہایت مختصر پرچہ (کـانهـا اذن فارة۔ طبری) چوہے کے کان کے برابر الگ سے لکھ کر لفافہ میں رکھ دیا۔ جس میں لکھا ہوا تھا کہ امام حسینؑ عبداللہ بن عمرؓ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ عبداللہ بن زبیر سے بلا رعایت بیعت لے لے اور انہیں دم لینے کی مہلت نہ دے اور اگر بیعت نہ کریں تو ان کے سر میرے پاس بھیج دے الخ۔

روضۃ الصفا میر شاہ ھروی۔ ج ۳۔ ص ۵۶۶ طبع نولکشور و تاریخ الفتوح خواجہ محمد المعروف اعثم کوفی ص ۱۲۸ طبع بمبئی ۱۳۰۵ھ تاریخ طبری۔ ج ۶ ص ۱۸۸۔ حالات ۶۰ھ طبع مصر و تاریخ کابل ج ۴

صفحہ ۶ طبع مصر و بڑا شہادت نامہ عرف شہید اعظم مؤلفہ عبدالحمید ایڈیٹر مولوی دہلی صفحہ ۴۲ طبع دہلی۔

اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں کہ علامہ ابن جوزی سے سوال کیا گیا کہ کیف نسب قتل الحسین الیٰ یزید وھو بدمشق فانشد.

سھمر اصاب ورامه بزی سلم من العراق لقبا بعد شامر ماك٠

یزید دمشق میں تھا اور امام حسین عراق میں تھے۔ پھر ایسی صورت میں قتلِ حسین یزید کی طرف کیسے منسوب ہوسکتا ہے تو آپ نے جواب میں یہ شعر پڑھا (ترجمہ) تیر عراق سے جا کر لگا حالانکہ اس کا پھینکنے والا ذی سلم میں تھا۔

اے محبوبہ تو نے تو بہت دور نشانہ تاکا ہے (ابجد العلوم ص ۸۴۳ طبع بھوپال ۱۲۹۵) مطلب یہ ہے کہ جس طرح تیر کا نشانہ دور جا کر لگتا ہے چاہے پھینکنے والا کہیں کیوں نہ ہو۔ اسی طرح یزید کے نیزہ حکم اور تیر قلم نے دمشق میں بیٹھے بیٹھے حسین اور ان کے بچوں کو شہید کر دیا۔

ولید کا پیغام امام حسینؑ کے نام:

تاریخ طبری فارسی جلد ۴ صفحہ ۶۱۶ میں ہے کہ ولید نے یزید کا حکم صریح ملنے کے بعد مروان سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ اس نے کہا کہ ان لوگوں کو بلا کر ان سے بیعت یزید کا سوال کر۔ اگر وہ بآسانی بیعت کرلیں تو فہوالمراد۔ اور اگر انکار کریں تو ان کے سر کاٹ کر یزید کے پاس بھیج دے۔ ولید نے کہا۔ سبحان اللہ! تو نے تو بہت ہی اچھی رائے دی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تو مجھے قتل حسین کی ترغیب دیتا ہے کیونکہ مجھے اور تجھے بھی معلوم ہے کہ وہ ہرگز سبقت نہ کریں گے تو میں ان کو قتل کر کے اپنی عاقبت خراب کرلوں مروان نے کہا' اگر تو میری نصیحت پر عمل نہ کرے گا تو نقصان اٹھائے گا۔

ولید نے نبیرہ عثمان کو حضرت امام حسین کی خدمت میں بھیج کر حاضری کی درخواست کی۔ آپ نے اپنے ہمراہ اپنے خاندان کے ستر مسلح افراد لئے اور دربار میں جا پہنچے۔ (سیر الآئمہ ترجمہ کشف الغمہ صفحہ ۶۶ میں ہے) کہ امام حسین علیہ السلام اپنے ہمراہ پچاس جانبازوں کو لے کر دربار ولید کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر آپ داخل دربار ہو گئے۔ اور ان بہادروں سے فرما دیا کہ تم باہر گوش بر آواز رہو۔ اگر میری آواز بلند ہو تو فوراً داخل دربار ہو جانا۔ غرضکہ جب آپ پہنچے ولید نے نہایت عزت و احترام کیا۔ اس کے بعد کہا: کہ معاویہ کا انتقال ہو چکا ہے اور یزید کا خط آیا ہے کہ آپ اور عبداللہ ابن زبیر' عبدالرحمٰن بن ابی بکر' عبداللہ بن عمر سے ضرور بیعت لی جائے۔ آپ نے فرمایا بہتر ہے تم چاروں افراد کو یکجا کرو پھر دیکھا جائے گا۔

تاریخ احمدی میں بحوالہ روضۃ الاحباب مذکور ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو ولید نے عبد اللہ بن عمر بن عثمان کے ذریعہ بھیجا تھا۔

تحریر الشہادتین شرح سر الشہادتین میں ہے کہ امام حسین کے ہمراہ دوستوں اور خادموں کا گروہ گیا تھا روضۃ الشہداء صفحہ ۲۴۴ میں ہے۔ کہ ولید محبّ اہل بیت تھا۔ اس نے حکم یزید پانے کے بعد مروان سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا۔ کہ ان لوگوں کو اپنے دربار میں طلب کر کے ان سے بیعت کا سوال کرو اگر انکار کریں تو ان کا سر کاٹ کر یزید کے پاس بھیج دو۔ الغرض ولید کا پیغام امام حسین کو پہنچ گیا۔ اور آپ نے عصائے مبارک حضور سرور کائنات صلعم دستِ حق پرست میں لیا اور اپنے ہمراہ تیس جانبازوں کو لے کر قریب دربار ولید پہنچ کر ان جانبازوں کو آپ نے پہلے بھی سمجھا دیا تھا اور داخلہ دربار کے موقع پر فرمایا کہ تم باہر موجود رہو اور میں اندر جاتا ہوں۔ اگر میری آواز بلند ہو تو تم فوراً داخل دربار ہو جانا۔ بالآخر امام حسین داخلِ دربار ہو گئے۔ ولید اور مروان کو یکجا بیٹھا دیکھا۔ آپ کی نہایت شاندار تعظیم کی گئی۔ امام حسین نے زحمت دہی کا سبب پوچھا۔ اس نے معاویہ کی موت کی خبر دی اور یزید کا خط دکھلایا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تمام لوگ جمع ہوں گے اور بیعت عامہ شروع ہوگی۔ اس وقت دیکھا جائے گا۔ ولید نے کہا بہتر ہے۔ پھر حضور بوقت ضرورت تشریف لے آئیں گے۔

تاریخ الفخری صفحہ ۸۵ میں ہے کہ امام حسینؑ نے فرمایا کہ "مثلی لا یبائع سرا" میرے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ چھپ کر بیعت کر لوں۔ وسیلۃ النجات صفحہ ۲۸۹ میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ علیٰ روس الاشہاد کل مجمع عام میں دیکھا جائے گا۔

(معہ سا کبہ صفحہ ۳۰۴ میں بحوالہ شیخ مفید مذکور ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو ولید کی طرف سے رات کے وقت ایک اطلاع پہنچی جس میں اس نے آپ سے ملاقات کی استدعا کی تھی۔ آپ اپنے ہمراہ ماننے والوں کا ایک گروہ جو مسلح تھا لے کر تشریف لے گئے۔ پھر دروازہ پر اس گروہ کو چھوڑ کر اندر داخل ہوئے۔ ولید نے آپ کی تعظیم کی اور بڑی عزت کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ ولید نے خبر مرگ معاویہ سنائی آپ نے (انا للہ و انا الیہ راجعون فرمایا) اس کے بعد یزید کا خط دکھلایا۔ آپ نے کمال ضبط کے ساتھ فرمایا: تم چاہتے ہو گے کہ میری بیعت صرف خفیہ نہ رہے بلکہ اس کا ظہور بھی ہو۔ اس لئے میں یہ کہتا ہوں کہ جب سب لوگ جمع ہوں گے اس وقت بیعت کرنی مناسب ہوگی۔ ولید نے کہا جب آپ مناسب تصور فرمائیں وہی بہتر ہے۔ مروان نے جس وقت یہ گفتگو سنی تو بول اٹھا۔ ولید تو غلطی کر رہا ہے۔ حسین کو مت چھوڑ۔ اگر یہ اس وقت

نکل گئے تو پھر ہاتھ نہ آئیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ ان سے اسی وقت بیعت لے لے اور اگر رضا مند نہ ہوں تو سر کاٹ کر یزید کے پاس بھیج دے۔ یہ سننا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کو غصہ آ گیا۔ آپ نے فرمایا۔ اے ابن زرقا کیا بکتا ہے۔ کسی کی کیا مجال کہ حسین کو ہاتھ بھی لگا سکے۔

کتاب تظلم الزہرا طبع ایران میں ہے کہ امام حسینؑ کی آواز کا بلند ہونا تھا کہ انیس بہادر انتہائی غصہ میں داخل دربار ہو گئے۔ امام حسین علیہ السلام نے ان سب کے غصہ کو فرو کیا۔ اور واپس دولت سرا کو تشریف لائے۔

کتاب ریاض القدس میں ہے کہ ان بہادروں میں نمایاں حیثیت حضرت عباس علیہ السلام کی تھی۔

سوال بیعت:

ناظرین کرام! حضرت امام حسین علیہ السلام سے بیعت کا سوال کیا گیا ہے اور بیعت بیع سے مشتق ہے جس کے معنی اپنے دین و ایمان عزت و آبرو اختیار و آزادی کو بیچنے کے ہیں۔

ظاہر ہے کہ دنیا کا کوئی معمولی خوددار انسان بھی اپنے دین و ایمان وغیرہ کو فروخت کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ ایسی شخصیت جو دنیا کے زمان و مکان میں اپنی آپ نظیر ہو۔ اور جسے اپنی اسلامی ذمہ داری کا پورا پورا احساس ہو۔ اور پھر بیعت بھی کس کی۔ ایک فاسق و فاجر کی جسے اس کے باپ نے بروایت تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۶۱۲ سیرت شیخین پر چلنے کی ہدایت کی ہو۔ جس سے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام پہلے ہی اظہار بیزاری کر چکے ہوں۔

تاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے معمولی معمولی انسان اپنی مذہبی خودداری کی وجہ سے بیعت کے بجائے جانی قربانی پیش کرنے پر آمادہ ہوئے ہیں۔

تاریخ انگلستان شیو چند کپور ج۔ ۲ صفحہ ۷۳ طبع الہ آباد ۱۹۳۴ء میں ہے کہ ۱۵۵۸ء میں جب ملکہ میری ٹیوڈر انگلستان پر حکمران ہوئی تو چونکہ وہ کیتھولک تھی لہٰذا اس نے پروٹیسٹوں کو بری طرح تباہ کیا۔ اس کی تمام تر یہ خواہش تھی کہ میری حدود سلطنت میں صرف کیتھولک خیال کے لوگ ہی ہوں۔ اسی نظریئے کے ماتحت اس نے اعلان کرا دیا کہ جو بھی میری بیعت کرے گا نجات پائے گا۔ اور جو منکر ہو گا زندہ جلا دیا جائے گا۔ قتل کر دیا جائے گا اسے جلا وطنی کی سزا دی جائے گی۔ چنانچہ اکثر نے بیعت کر لی اور جنہوں نے طوق بیعت اپنی گردن میں نہ ڈالا وہ شہر بار کرا دیئے گئے اور تین سو سے زائد افراد نذر آتش کر دیئے گئے۔ ان جلنے والوں میں مسٹر لیٹمر اور مسٹر رڈلے بھی زندہ جلا دیئے گئے۔ جب آکسفورڈ میں آگ میں یہ ڈالے گئے تو مسٹر لٹیمر نے آگ کے بھڑکتے

ہوئے شعلوں سے پکار کر کہا۔ مسٹرڈلے مذہب کے لئے بہادری سے جان دو۔ ہم لوگ آج ان شعلوں کو بھڑکا رہے ہیں جنھیں انگلینڈ کی زندگی میں کوئی نہ بجھا سکے گا۔ .... اس کے بعد مسٹر کرلیٹمر کی باری آئی۔ انہوں نے جان کے خوف سے بیعت نامہ پر دستخط کر دیئے۔ لیکن اس کا ضمیر اس فعل پر راضی نہ ہوا اور ان سے فوراً بیعت نامہ واپس لے لیا۔ اور آگ میں جلنا گوارا کیا۔ جب اسے آگ میں ڈالا گیا تو اس نے اپنے داہنے ہاتھ کو آگ کی طرف بڑھا کر کہا کہ پہلے تجھے جلنا چاہئے کیونکہ تو نے معافی نامہ پر دستخط کرنے کا کام کیا تھا۔

مسلمانوں کے لئے یہ امر نا قابل فراموش ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے جو بیعت فاسق نہیں کی اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانیت کا تقاضا یہی تھا اور تحفظ اسلام کا ذریعہ بھی یہی تھا۔ اگر حسین بیعت کر لیتے تو آج سطح زمین پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا کہنے والا کوئی بھی نظر نہ آتا۔

اسے یہ ضد ہے کہ اقرار لے اطاعت کا
مجھے یہ کد ہے کہ ہاتھوں میں اس کے ہاتھ نہ جائے
وہ کہہ رہا ہے کہ بیعت کرو ہلاک نہ ہو
مرا یہ قول کہ سر جائے ''جائے'' بات نہ جائے (وزیر کراروی)

روانگی کا انتظام اور حضرت عباس:

غرضکہ امام حسین علیہ السلام مراجعت فرمائے دولت سرا ہوئے۔ اور سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ مجھے مدینہ منورہ چھوڑ دینا چاہئے۔ چنانچہ ۲۶۔ ۲۷ رجب ۶۰ھ کو اپنے نانا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و حضرت فاطمہ زہرا صلواۃ اللہ علیہا و حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے روضوں پر جا کر ان حضرات سے رخصت ہو آئے۔ اور ۲۸ رجب ۶۰ھ یوم سہ شنبہ کو حضرت عباس سے فرمایا کہ بھائی! اب روانگی کے لئے سواریوں کا انتظام کرو۔ حضرت عباس علیہ السلام نے انتظامات شروع کر دیئے۔ (الدمع الھتون صفحہ ۲۲۴) تھوڑی دیر کی اندر چالیس محملیں حریر دیبا سے آراستہ تیار کر لی گیں۔ (سلسلۃ الذہب ص ۱۱۴ طبع لکھنؤ ۱۳۲۷ھ) ومجاہد اعظم حصہ اوّل ص ۲۸۴ بحوالہ جلاء الحیوان (روایت مسلم جصاص)

حضرت عباس نے تاجدار اسلام حضرت امام حسین کو اطلاع دی کہ حضور سواریاں حاضر ہیں۔ حضرت امام حسین نے عورات مخدرات کو حکم دیا کہ اپنی عزیز عورتوں اور مردوں سے رخصت ہو کر سواری کے لئے چلو۔ اور جناب ام سلمٰی اور ام البنین سے فرمایا کہ تم دونوں میری بیٹی

فاطمہ صغریٰ کے علاج کی خاطر یہیں ٹھہر جاؤ۔ علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ امام حسین کی اس بیمار بیٹی کی عمر اس وقت ۷ سال تھی۔ (روضۃ الشہداء ص ۲۲)

فاطمہ صغریٰ کی علالت:

مخدرات عصمت اپنے عزیزوں سے رخصت ہو رہی ہیں۔ دفعۃً جناب فاطمہ صغریٰ کو جو تپ لازم میں مبتلا تھیں کچھ افاقہ ہوتا ہے۔ آپ حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہیں۔ بابا جان مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ مجھے اپنے ہمراہ نہیں لے جا رہے ہیں۔ بابا جان یہ ناممکن ہے۔ کنیز آپ کے ساتھ چلے گی۔ (خمسہ اقبالیہ صفحہ ۲۰۷ طبع حیدر آباد) ماتمین صفحہ ۱۳۲۔ اور شہید اعظم صفحہ ۴۵

فاطمہ صغریٰ سے امام حسین کا وعدہ:

ایڈیٹر صاحب رسالہ مولوی دہلی لکھتے ہیں: حضرت امام عالی مقام نے اپنے ہمراہ تمام اہل بیت کو لیا۔ صرف بی بی فاطمہ صغریٰ کو نہیں لے جا سکے۔ کیونکہ وہ بیمار تھیں اور اندیشہ تھا کہ علالت بڑھ نہ جائے۔ بی بی صغریٰ امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں۔ اور حضرت سکینہ سے بڑی تھیں۔ الخ کتاب شہید اعظم ص ۴۵

علامہ قزوینی لکھتے ہیں کہ: "کانت مولانا الحسین بنت......."

یعنی امام عالم ایجاد حسین بن علی را دخترے بود فاطمہ نام کہ در حین خروج حضرت از مدینہ مریضہ بود بواسطہ تپ للازم کہ ملازم آں مخدرہ شدہ بود۔ حضرت اورا از ہمراہی خود محروم و مہجور فرمودہ بود۔ آں علیلہ بام المومنین ام سلمیٰ سپرد کردہ بود و وعدہ دادہ بود۔ انشاء اللہ اگر ترا بہبودی از مرض حاصل شد من ہم از اہل کوفہ بیوفائی ندیدم علی اکبر برادرت راہی فرستم بمن برساند۔ الخ (ریاض القدس ج ۱ ص ۱۱۶)

امام حسین کی ایک دختر تھی جس کا نام فاطمہ تھا مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت وہ بیمار تھیں۔ انہیں تپ لازم عارض تھی۔ حضرت اسے اپنے ہمراہ نہ لے جا سکے۔ ام البنین اور حضرت ام سلمیٰ کے سپرد کر کے یہ فرما کر چلے گئے کہ انشاء اللہ تعالیٰ تجھے صحت دے گا اور میں بھی کوفہ والوں کی بے وفائی سے بچوں گا۔ تو تیرے بھائی علی اکبر کو بھیجوں گا وہ آ کر تجھے لے جائے گا اور تو میرے پاس پہنچ جائے گی۔

صاحب فضائل الشہداء لکھتے ہیں کہ "فاطمہ صغریٰ نے جب کمال اصرار کیا تو امام حسین نے فرمایا بیٹی! جلدی نہ کر تجھ میں ابھی اتنی تاب نہیں ہے کہ تو اتنے اہم سفر کو طے کر سکے۔ جب میں

منزل مقصود پر پہنچوں گا تو تیرے بھائی علی اکبر اور تیرے چچا عباس کو بھیج کر تجھے بلالوں گا۔
(فضائل الشہداء صفحہ ۱۰۴۔ب ۲ ف ۸)

علامہ کنتوری لکھتے ہیں کہ "و ترك الحسين اياهافي المدينة مع كونه املا قلبا من حبها لا بتلاء ه بالفراق و صبره عليه" امام حسین علیہ السلام فاطمہ صغریٰ کو اسی حال میں چھوڑ کر چل دیئے کہ آپ کا دل ان کی محبت اور جدائی سے سخت پریشان تھا۔ لیکن یہ سمجھتے تھے کہ اس میں بھی میرا امتحان ہے بیمار بیٹی کو چھوڑا۔ اور تیمارداری جناب ام سلمہ اور ام البنین کے سپرد کی۔ "فهي و ام البنين اعني ام عباس و اخوته عليهم السلام كلتا هما كانتا في المدينة ...... تعالج امر فاطمه بنت الحسين" جناب ام سلمہ اور ام البنین وغیرہ۔ مدینہ منورہ میں رہیں اور فاطمہ صغریٰ کے علاج اور تیمارداری میں مشغول تھیں۔ (مائین صفحہ ۳۱۔
حضرت امام حسینؑ فاطمہ صغریٰ سے وعدہ وعید کرنے کے بعد فرمانے لگے۔ عباس اب ان بیبیوں کو سوار کرو۔ میر انیس مرحوم فرماتے ہیں۔

سن کر یہ سخن بانوئے ناشاد پکاری　　میں لٹتی ہوں کیسا سفر اور کیسی سواری
غش ہو گئی ہے فاطمہ صغریٰ مری پیاری　　بے بس کے لئے کرتے ہیں سب گریہ وزاری
اب کس پہ میں اس صاحب آزار کو چھوڑوں
اس حال میں کس طرح سے بیمار کو چھوڑوں

ماں ہوں میں کلیجہ نہیں سینے میں سنبھلتا　　صاحب مرے دل کو ہے کوئی سینہ میں ملتا
میں تو اسے لے چلتی مگر بس نہیں چلتا　　رہ جاتیں جو بہنیں بھی تو جی اس کا بہلتا
دروازہ پہ تیار سواری تو کھڑی ہے
پر اب تو مجھے جان کی صغرا کے پڑی ہے

چلاتی تھیں کبریٰ کہ بہن آنکھیں کھولو　　کہتی تھیں سکینہ کہ ذرا اس منہ سے تو بولو
ہم جاتے ہیں تم اٹھ کے بغلگیر تو ہو لو　　چھاتی سے لگو باپ کی دل کھول کے رولو
تم جس کی ہو شیدا وہ برادر نہ ملے گا!
گھر بھر میں جو ڈھونڈو گی تو اکبر نہ ملے گا!

(رسالہ نور مراد آباد ص ۱۴ محرم نمبر ۴۵ھ)

حضرت عباس کا بیبیوں کو سوار کرنا:

حضرت امام حسین علیہ السلام کا حکم پانے کے بعد حضرت عباس نے سواریاں دولت سرا

کے قریب پہنچائیں اور بیبیوں کو سوار کرنا شروع کیا۔

فاضلِ معاصر لکھتے ہیں: امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ بنی ہاشم میں سے ہر شخص اپنی اپنی عزیز اور محرم بی بی کو محمل میں سوار کرے۔ ناگاہ ایک جوانِ رعنا نمودار ہوا۔ اور آواز دی۔ سب اس جگہ سے ہٹ جائیں اس کے بعد دو برقعہ پوش بیبیاں تشریف لائیں۔ ان کے چاروں طرف کنیزیں حلقہ کئے ہوئے تھیں۔ وہ نہایت ہی سکون و وقار کے ساتھ آہستہ آہستہ محمل کے قریب پہنچیں۔ اس ماہرو جوان نے اونٹ کو بٹھایا اور اپنا زانو خم کر کے ایک معظمہ کو سوار کیا۔ اسی طرح امام حسین علیہ السلام نے ایک معظّمہ کو سوار کیا۔ جو انتہائے سکون و وقار کے ساتھ محمل کے قریب پہنچی تھیں۔ استفسار حال پر معلوم ہوا کہ ایک معظّمہ حضرت زینب اور دوسری ام کلثوم تھیں۔ اور جوانِ ماہرو حضرت عباس تھے۔ (سلسلۃ الذہب صفحہ ۱۱۴ طبع لکھنوی ۱۳۳۲ مظلومہ کربلا صفحہ ۲۹)

علامہ قزوینی لکھتے ہیں کہ سواری کے لئے وہ بیبیاں نکلیں "**لم تری الوجوہ شمس النہار ولم تنظر الیہن عیون الانجم والاقمار**" جن کے چہروں کو آفتاب نے بھی نہ دیکھا تھا۔ اور جن کی صورتوں پر چاند اور ستاروں نے بھی نظریں نہ ڈالی تھیں۔ جب وہ سوار ہونے لگیں تو علی اکبر نے دوڑ کر پردہ محمل کو اٹھایا۔ قاسم نے زیر پا کرسی رکھی۔ "عباس آمد زانو تہ ہی کرو۔ زینب پا بہ زانوئے عباس میگذارد" عباس نے زیر پائے حضرت زینب اپنے زانو پر رکھے۔ آپ سوار ہونے لگیں۔ حضرت امام حسین نے حضرت زینب کے زیر بغل ہاتھ دے کر سوار کر دیا۔ (ریاض القدس صفحہ ۲۱۲)

اہل بیت کی سواری کا تزک و احتشام:

علامہ دربندی لکھتے ہیں کہ عبید اللہ ابن سنان کوفی کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں امام حسین علیہ السلام سفر کر رہے تھے میں بھی سرزمین مدینہ منورہ پر موجود تھا۔ میرے دل میں آیا کہ چلوں شاہِ حجاز کی سواری کا تزک و احتشام دیکھوں۔ چنانچہ میں موقعہ پر آ گیا اور دیکھا کہ گھوڑوں پر زین کسے ہوئے ہیں۔ لوگ مستعد کھڑے ہوئے ہیں اور تاجدار مدینہ منورہ حضرت امام حسین علیہ السلام ایک کرسی پر تشریف فرما ہیں اور بنی ہاشم انہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ امام حسین ان لوگوں میں اس طرح معلوم ہوتے تھے جیسے ہالہ میں چودہویں رات کا چاند ہو۔ اور چالیس محملیں حریر و دیبا سے آراستہ موجود ہیں۔ حضرت امام حسین نے حکم دیا کہ اے بنی ہاشم اپنے اپنے محارم کو محمل میں سوار کرو۔ "**فبیتما انظر الی الشاب قد خرج من دار الحسین وھو راوبل القامت**" اتنے میں میں نے دیکھا کہ ایک ماہرو خوبصورت طویل القامت جوان دولت

سرا سے برآمد ہوا اور سب لوگوں کو مخاطب کر کے بولا "تنحواعنی" تم سب لوگ ہٹ جاؤ۔ علی اور فاطمہ کی بیٹیاں سوار ہو رہی ہیں۔ پھر میں نے دور سے دیکھا کہ دو بیبیاں دولت سرا سے برآمد ہوئیں۔ ان کے برقعوں کے کنارے زمین سے گھسٹتے جا رہے تھے۔ اور بہت سی ماما ئیں ان کو گھیرے ہوئے تھیں۔ وہ ایک محمل کے قریب جا کر ٹھہر گئیں۔ جوان نے اپنے گھٹنے راست کر دئے۔ وہ اس کے ذریعے سوار ہو گئیں۔ میں نے ایک شخص سے پوچھا کہ چادر (برقعہ) میں لپٹی ہوئی یہ دو بیبیاں کون تھیں؟ جو سوار ہوئیں اور اس جوان کا کیا نام ہے اس نے کہا۔ علی و فاطمہ کی یہ دونوں بیٹیاں ہیں۔ ایک کا نام زینب اور دوسری کا نام ام کلثوم ہے۔ اور جوان عباس بن علی ہیں۔ پھر میں نے دو کمسن عورتوں کو برقعہ میں دیکھا۔ ایک حضرت زینب کے ساتھ اور دوسری ام کلثوم کے ساتھ سوار کر دی گئیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک سکینہ بنتِ حسین اور دوسری فاطمہ بنت حسین ہے پھر ایک جوان بدر طالع کی طرح نکلا۔ اس کے ساتھ ایک بی بی تھیں جو ایک بچہ لئے ہوئے تھیں۔ ان کے گرد بھی کثیر عورتیں تھیں۔ دریافت سے پتہ چلا کہ وہ جوان تو علی اکبر ہیں اور ان کے ساتھ ان کی مادر گرامی، اور بچہ حضرت علی اصغر ہیں۔ پھر ایک اور خوبصورت نوخیز فرزند برآمد ہوا جن کے ساتھ ایک بی بی تھیں۔ معلوم ہوا کہ فرزند خوبرو حضرت امام حسن کے نور نظر قاسم بن حسن ہیں اور ان کے ساتھ جو بی بی ہیں ان کی مادر گرامی ہیں "ثم ارکبوبقیة الحرم والاطفال علی المحامل" غرضکہ اسی طرح تمام حرم محترم اور بچوں کو محملوں میں سوار کیا گیا۔ (اسرار الشہادت صفحہ ۳۶۶ طبع ایران) تمام بیبیاں سوار ہو گئیں۔ اب امام چاہتے ہیں کہ خود سوار ہوں۔ اتنے میں تمام بنی ہاشم کی عورتیں جو کھڑی رو رہی تھیں امام حسین کے گرد جمع ہو گئیں اور فلک شگاف نعرے بلند کرنے لگیں۔

علامہ ابن قولویہ لکھتے ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب ان کا یہ اضطراب دیکھا تو فرمایا "انشدکن اللّٰہ" میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں صبر سے کام لو۔ انہوں نے یک زبان جواب دیا "فلمن نستبقی النیاحة والبکا" ہم کس دن کے لئے نوحہ و بکا اٹھا رکھیں۔ ہماری نظر میں تو آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امیر المومنین، فاطمہ زہرا، حسن مجتبیٰ نے انتقال کیا ہے۔ مولا آپ کا جانا ہمارے لئے بڑی مصیبت ہے۔ (کامل الزیارت قلمی) سیف المقلدین مصنفہ عبدالجلیل یوسف زئی۔ صفحہ ۲۵۵ طبع لکھنؤ ۱۳۱۸ھ)

حسینی فرس کی رکاب عباس کے ہاتھ میں:

امام علیہ السلام سب کو سمجھا بجھا کر سوار ہونے کے لئے آگے بڑھے اور بایں الفاظ

حضرت عباس کو پکارا ''ابن اخی کش کبنتی قمر بنی ہاشم'' میرا قوت بازو میرے لشکر کا مالک قمر بنی ہاشم کہاں ہے۔ ''فاجابہٗ العباس قائلا لبیک لبیک'' مولا آپ کا غلام حاضر ہوا۔ حاضر ہوا۔ کہتے ہوئے پہنچ گئے۔ عرض کی حضور کیا حکم ہے۔ ''فقال الامام قدم لی یا اخی جوادی'' بھائی میری سواری کا گھوڑا لاؤ۔ ''فاتی العباس بجوادالیه وقد حفت به بنو هاشم'' آپ نے فوراً فلک سیر گھوڑا حاضر کیا۔ تمام بنی ہاشم کے جھرمٹ میں امام علیہ السلام سوار ہونے لگے۔ ''فاخذ العباس برکاب الفرس حتی رکب الامام'' حضرت عباس نے فوراً رکاب فرس تھام لی اور بادشاہ دوعالم رونق افروز زین فرس ہوا۔ ''ثم رکب بنوهاشم''

پھر بنی ہاشم بھی سوار ہو گئے (اکسیر العبادات صفحہ ۳۶۷)۔ بنی ہاشم کا سوار ہونا تھا کہ اہل مدینہ منورہ نے فلک شگاف نالے شروع کر دیئے۔

فصاح اهل المدینة شدیدة وعلت اصوات بنی هاشم یا البکاء والنحیب و قلن الوداع الوداع الفراق الفراق فقال العباس ای والله هذا یوم الفراق والملتقی یوم القیامة. (سرار شتهارات ص ۳۶۷

پھر اہل مدینہ منورہ چلا چلا کر رونے لگے اور عورات بنی ہاشم کی صدائے گریہ بلند ہو گئی۔ وہ سب کہنے لگیں۔ الوداع' الوداع' الفراق' الفراق' یہ سن کر حضرت عباس نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم آج جدائی ہو رہی ہے اور اب قیامت میں ہی ملاقات ہو سکے گی۔

غرضکہ صدائے الرحیل الرحیل بلند ہوئی اور اہل بیت رسالت کا قافلہ روانہ ہو گیا۔ صاحب خلاصۃ المصائب لکھتے ہیں۔

فلما ارادالمسیر تبعته فاطمة الصغری الی ظاهر المدینة فقیل یابن رسول فاطمه تجی خلفك باکیه و تقول لا افارق ابی فبکی الحسین

جب یہ قافلہ چل کھڑا ہوا تو فاطمہ صغریٰ روتی ہوئی مدینہ منورہ کے باہر تک چلی آئیں۔ کسی نے حضرت امام حسین سے کہا۔ مولا فاطمہ صغریٰ یہ کہتی ہوئی چلی آتی ہیں کہ میں اپنے باپ کو نہیں چھوڑ سکتی اور نہ جدائی میں صبر کر سکتی ہوں۔

یہ سن کر امام حسین علیہ السلام رونے لگے اور صدائے گریہ وزاری اہل حرم کے کجاوؤں سے بھی بلند ہو گئی۔ حضرت امام حسین نے حضرت عباس اور حضرت علی اکبر سے ارشاد فرمایا کہ جاؤ میری لخت جگر کو میرے پاس لے آؤ۔ یہ دونوں حضرات تشریف لے گئے اور فاطمہ صغریٰ کو سینے سے لگایا اور بے پناہ گریہ کے بعد فرمایا۔ چلو تمہارے بابا جان بلا رہے ہیں۔ ''فسرت بذالك

سروراعظیما" یہ سن کر فاطمہ صغریٰ بہت مسرور ہوئیں اور خدمت پدر میں حاضر ہوگئیں۔ اور دوڑ کر قدموں سے لپٹ گئیں۔ پھر دامن تھام کر کہنے لگیں۔ "یا ابی کیف بعدکم اری منا زلکم خالیة ولم یری فیھا انیس" بابا جان میں آپ کے دولت سرا کو خالی اور خوابگاہ کو سونی دیکھ کر کیسے صبر کروں گی۔

فلما' اھاالحسین فی اسوۂ حال رفع راسه الی السماء و مدیدیه و مرك شفتیه (وقال) یا فاطمه اذھبی الی دارك فاذا وصلت الی العراق ارسل الیاس اخاك علی الاکبرا وعمك العباس. ۳۱ ص ۷۵

امام حسین علیہ السلام نے جب فاطمہ صغریٰ کا حال دگرگوں دیکھا تو ہاتھ اٹھا کر کچھ دعا فرمائی۔ اور کہا اے فاطمہ اب اپنے گھر کو جاؤ۔ میں جب عراق پہنچ جاؤں گا۔ تو تمہیں لے جانے کے لئے تمہارے بھائی علی اکبر یا چچا عباس کو بھیجوں گا۔

غرض کہ امام حسین علیہ السلام نے وعدہ کی تجدید کی اور سواری روانہ ہوگئی۔ یہ روانگی ۲۸ رجب ۶۰ھ یوم سہ شنبہ کو عمل میں آئی۔ سر فروشان اسلام اور بہادرانِ ذوالاحترام، صبر و رضا کی منزلیں طے کرتے ہوئے جارہے تھے۔ مسلم بن عقیل نے کچھ سوچ کر حضرت امام حسین علیہ السلام کو شارع عام سے کچھ ہٹ کر چلنے کا مشورہ دیا۔ حضرت نے فرمایا "واللہ ما فارقنا ھذالطریق ابدا" اللہ تعالیٰ کی قسم میں ابن زبیر کی طرح عام راستہ چھوڑ کر نہ چلوں گا۔ (مقتل ابی مخنف)

حضرت عباس کی شان علمبرداری:

عبداللہ ابن سنان کوفی کا بیان ہے کہ جب حسینی قافلہ منزل تسلیم و رضا طے کرتا ہوا مکہ معظّمہ کی جانب جارہا تھا۔ تو حضرت عباس علیہ السلام گھوڑے پر سوار علم اسلام ہاتھ میں لئے آگے آگے سینہ سپر چل رہے تھے۔ (اسرار الشہادت صفحہ ۳۶۷، طوفان بکا شعلہ ۳)

مکہ معظّمہ میں رسیدگی:

مختصر یہ کہ منزلیں طے کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ۳ شعبان ۶۰ھ یوم جمعہ کو مکہ معظّمہ پہنچے۔ ماہ شعبان، ماہ رمضان، شوال، ذیقعد مکہ معظّمہ میں مقیم رہے (ناسخ التواریخ ج ۶ صفحہ ۲۱۰) اور

ل مذکورہ بالا کتب کے علاوہ حسب ذیل کتابوں سے بھی حضرت فاطمہ صغریٰ کے وجود کا ثبوت ملتا ہے۔
(۱) دراصداف (۲) روضۃ الاحباب (۳) ناسخ التواریخ (۴) بحار الانوار (۵) جلاء العیون (۶) فضائل الشہداء (۷) تاریخ احمدی (۸) سیدہ کا لال (۹) اسعات الراغبین (۱۰) خمسہ اقبالیہ (۱۱) ماتمین (۱۲) مفتاح البکاء (۱۳) علامہ شبلی نعمانی اپنی کتاب موازانہ انیس و دبیر طبع آگرہ ۱۹۰۷ھ کے صفحہ ۳ پر لکھتے ہیں کہ حضرت صغریٰ امام حسین کی چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ جن کو امام مدینہ منورہ ہی میں چھوڑ آئے تھے۔ الخ

عبداللہ بن زبیر جو پہلے سے مکہ معظّمہ آئے ہوئے تھے (تاریخ کامل ج ۴ صفحہ ۷) اور جنگ کی تیاری کر رہے تھے۔ حضرت امام حسین ان سے ہٹ کر قیام فرما ہوئے اور ان کے شریک نہ ہوئے۔ (محرم نامہ صفحہ ۱۳۲) اسی دوران میں کوفہ سے تقریباً ۱۲ ہزار خطوط آئے اور صرف ایک دن میں چھ سو خطوط آئے۔ (ومعہ ساکبہ ص ۳۰۷) جو ہر طبقے اور ہر جماعت کی طرف سے لکھے گئے تھے۔ شاہ عبد العزیز دہلوی مصنف تحفہ اثناعشریہ اپنی کتاب سر الشہادتین طبع لدھیانہ کے ص ۲۷ پر لکھتے ہیں۔ "من کل طائفه و جماعة" یہ خطوط ہر طائفہ اور جماعت کی طرف سے آئے تھے۔ الخ

کوفہ کے خطوط کا مضمون:

یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم بنی امیہ کے ظلم و ستم سے عاجز ہو گئے ہیں اور یزید کی بد کاریوں اور خلاف شریعت اعمال سے بیزار ہیں۔ ہمارا کوئی امام نہیں ہے۔ آپ یہاں تشریف لا کر ہماری امامت قبول کیجئے۔ اگر آپ تشریف نہ لائیں گے تو ہم پیش اللہ تعالیٰ گریبان گیر ہوں گے کہ ہم نے امام کو دین کی حفاظت کی نظر سے بلایا اور آپ نہیں آئے۔ جب اس مضمون کے خط پہنچے تو آپ پر کوفہ جانا واجب ہو گیا۔ کیونکہ انہوں نے حجت قائم کر دی۔ (تاریخ اسلام ج ا صفحہ ۳۰)

علامہ ابواسحاق اسفرائنی لکھتے ہیں کہ "ایک دن جناب امام حسین علیہ السلام اپنے دولت کدہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کوفہ سے ایک آنے والے نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ نے پوچھا کون ہے۔ جواب دیا کوفہ کا ایلچی۔ آپ نے اذنِ حضوری دی۔ وہ اندر آیا۔ اور ایک خط پیش خدمت کیا۔ آپ نے اسے ملاحظہ فرمایا۔ اس میں لکھا تھا "اے حسین! اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے! آپ کو معلوم ہوگا کہ یزید بن معاویہ نے ظلم اور جور سے بیگناہوں کو قتل کرنا اور لوگوں کے اموال کو لوٹنا شروع کر رکھا ہے۔ اور سرکشی و تمرد کو اختیار کئے ہوئے ہے۔ ہر طرف اس کا ظلم پھیل گیا ہے۔ بری باتوں کا حکم کرتا اور اچھی باتوں سے روکتا ہے۔ شراب پیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا ہے۔ تمام شہروں میں برائیوں کو پھیلاتا ہے۔ ظلم و جور خدا کے بندوں پر کرتا ہے عدل نہیں کرتا۔ "ارسلنا اليك يا ابا عبد الله سابقًا نحو الف كتاب نطلبك ان لنخفرني عندنا الخ" اے ابوعبداللہ! ہم اس سے پہلے آپ کی خدمت میں ایک ہزار کے قریب خطوط ارسال کر چکے ہیں۔ ہم آپ کی تشریف آوری کے لئے عرض کرتے ہیں کہ آپ ہمارے پاس آ جائیں..... ہم آپ کے جدِ امجد کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ آپ تشریف لائیں۔ دیکھئے! اب بھی اگر آپ نہ آئے تو "بين يدى الله خاصمناك و نقول يا ربنا ظلمنا الحسين و رضى بنا بالظلم ما جوابك الذى بقوله لله و تنخلص برمن حقوق الله" ہم اللہ تعالیٰ کے

سامنے آپ کا گریبان پکڑ کر کہیں گے۔ اے اللہ تعالیٰ امام حسینؑ نے ہم پر ظلم کیا اور ہم پر ظلم ہونے میں راضی رہے۔ اس وقت آپ اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے۔ اور کیونکر چھٹکارا حاصل کریں گے۔ "فلما قرالحسين المكتوب اقشعر جلده خوفا من الله" امام حسین نے جس وقت اس مضمون کا خط پڑھا خوف اللہ تعالیٰ سے کانپ اٹھے (نور العین فی مشہد الحسین)

غرض کہ امام حسین نے اپنی شرعی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے بہت سوچنے سمجھنے کے بعد کوفہ جانے کو طے فرمالیا اور ایک خط لکھ کر حضرت مسلم بن عقیل کے سپرد کیا' اور فرمایا بھائی کوفہ جاؤ اور یہ خط دے کر وہاں کے حالات سے مجھے باخبر کرو۔ حضرت مسلم بن عقیل حکم مولا پاتے ہی فوراً روانہ ہو گئے۔ پہلے مدینہ منورہ تشریف لائے سرور کائنات ﷺ کے روضہ مبارک سے رخصت ہوئے۔ (روضۃ الشہداء صفحہ ۲۶۱ طبع بمبئی)

مکہ معظّمہ میں امام حسینؑ کے قتل کی کوشش:

جناب مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کرنے کے بعد ہی حج کا زمانہ آ گیا۔ حضرت امام حسین نے احرام حج باندھا۔ اور حج میں مشغول ہوئے۔ ناگاہ آپ کو اطلاع مل گئی کہ تیس دشمن حاجیوں کے لباس میں میرے قتل کے لئے آ گئے ہیں تو آپ نے حج کو عمرہ سے بدل دیا اور مکہ معظّمہ کو جلد سے جلد چھوڑ دینا ضروری سمجھا۔

لسان الملک سپھر کاشانی لکھتے ہیں "یزید ابن معاویہ نے بنی امیہ کے تیس شیطانوں کو حج بیت اللہ کے بہانے سے مکہ معظّمہ بھیجا اور حکم دیا کہ وہاں پہنچ کر امام حسین کو گرفتار کر لیں اور اگر گرفتار نہ کر سکیں تو پھر قتل کر ڈالیں۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۱۰) کتاب خلاصۃ المصائب مطبوعہ ۱۲۹۳ھ کے صفحہ ۵۰ پر ہے۔

ان يزيد انفذ عمر بن سعد في عسكر عظيم وامره على الحجاج كان قد اوصاه بقبض الحسين سرا وان لم يتمكن يقتله غيلة ثم انه لعنه الله دس مع الحجاج ثلثين رجلا من شياطين بني اميه وامرهم بقتل الحسين على كل حال اتفق لذا. نخرج من مكه بعد ان طاف

یزید نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ عمر بن سعد کو حج کے بہانہ سے بھیجا اور اسے سمجھا دیا کہ امام حسین کو مناسب طریقہ سے گرفتار کر لے اور یہ بھی کہہ دیا کہ اگر گرفتار نہ کر سکے تو دھوکہ سے قتل کر دے۔ پھر اس کے بعد تیس شخصوں کو بنی امیہ کے شیطانوں میں سے بھیجا۔ اور انہیں حکم دیا کہ جس صورت سے ہو سکے امام حسین کو قتل کر دیں حالات دیکھ کر امام حسین نے

و سعی، حل من احرامه و جعل حجته عمرة منفردة الخ (ومعه ساکبه صفحه ۳۱۵ بحواله منتخب طریحی. مهیج الاحزان ص ۴۵)

طواف وسعی سے فراغت کر کے احرام کھول دیا اور حج کو عمرہ منفردہ سے بدل دیا۔

عبارت مذکورہ سے پتہ چلتا ہے کہ یزید نے کثیر آدمی حضرت امام حسین کی گرفت یا قتل کے لئے بھیجے تھے عبدالحمید خاں ایڈیٹر رسالہ ''مولوی'' دہلی لکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک سازش یہ بھی کی گئی کہ ایام حج میں تین سو شامیوں کو بھیج دیا کہ وہ گروہ حجاج میں شامل ہو جائیں اور جہاں جس حال میں بھی حضرت امام حسین کو پائیں قتل کر ڈالیں۔ (شہید اعظم ص ۱۷)

قاضی قسطنطنیہ علامہ شیخ سلیمان قندوزی تحریر فرماتے ہیں کہ ''وکان فیه خروج الحسین من مکة الی العراق بعد ان طاف و سعی و حل من احرامه و جعل حجة عمرة منفردة لانه لم یتمکن من اتمام الحج مخافة ان یبطش به و یقع الفساد فی الموسم فی المملکة لان یزید ارسل مع الحجاج ثلاثین رجلا من شیاطین بنی امیه و امرهم بقتل الحسین علی کل حال'' امام حسین علیہ السلام نے طواف اور سعی کے بعد احرام کھول کر حج کو عمرہ منفردہ سے بدل کر مکہ معظمہ سے عراق کو روانہ ہو جانا اس لئے ضروری سمجھا کہ ان کے لئے حملہ کے خوف اور مکہ معظمہ میں قتل و غارت کے ڈر سے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ حج کو اتمام تک پہنچاتے۔ اس لئے کہ یزید نے بنی امیہ کے تیس بدمعاشوں کو حاجیوں کے ساتھ مکہ معظمہ بھیج دیا تھا۔ اور ان کے لئے یہ حکم تھا کہ جس صورت سے ہو سکے امام حسین علیہ السلام کو قتل کریں۔ (ینابیع المودۃ ص ۲۲۷ طبع مصر)

امام حسین علیہ السلام کی مکہ معظمہ سے روانگی:

آپ مدینہ منورہ سے نکالے جا چکے ہیں اور مکہ معظمہ میں بھی یزیدی احکام کی بناء پر اپنے قتل اور بربادی حرمت خانہ کعبہ کا یقین کامل کر چکے ہیں۔ اب آپ کو حرمت خانہ کعبہ اور ''لا تلقوا بایدیکم الی التهلکة'' اپنے کو جان بوجھ کر ہلاکت میں نہ ڈالو۔ کے لحاظ سے مکہ معظمہ چھوڑ کر کسی طرف چلا جانا ضروری ہے۔ اب حسین جائیں تو کدھر جائیں اور جان بچائیں تو کیونکر بچائیں۔ اور پناہ لیں تو کہاں لیں نہ کسی نے آپ کی خبر گیری کی اور نہ کوئی دعوت نامہ بھیجا۔ اب آپ کے سامنے ایک کوفہ کا راستہ ہے جس کی طرف رہروی پر آپ شرعاً مجبور تھے۔ اور اصولاً بھی۔ بارہ ہزار دعوت نامے اور ان میں یہ لکھا ہوا ہونا۔ کہ اگر آپ نہ آئے تو ہم قیامت میں

گریبان گیر ہوں گے اور ہماری ہدایت کیجئے امام حسین علیہ السلام کو مجبور کرتا تھا۔ کہ آپ کوفہ کی طرف ہی چل پڑیں۔

چنانچہ آپ نے اپنی "پوری نیک نیتی اور ثواب تقویٰ کی امید میں عزم بالجزم کرلیا" (انسانیت موت کے دروازے پر ابوالکلام آزاد ص ۴۵) آپ کے مصمم ارادے کی اطلاع باشندگان مکہ معظمہ میں گونج اٹھی اور لوگ آپ کی خدمت میں اس رادے سے آنے لگے کہ آپ کو سمجھا بجھا کر ارادہ سفر عراق سے روکیں۔ امام حسین علیہ السلام نے ان حضرات کو مناسب جواب دیا جن کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی امیہ میرے قتل کے درپے ہیں۔ میں کہیں بھی جاؤں کہیں بھی رہوں بنی امیہ مجھے ضرور قتل کریں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے قتل ہونے سے حرمت خانہ کعبہ برباد ہو (ینابیع المودۃ ص ۲۳۷) میں اگر چیونٹی کے بل میں بھی گھس جاؤں تو بھی پناہ نہ پاؤں گا۔ "**ایم اللہ لو کنت فی حجر ھا مۃ من ھذہ الھوام لا ستخر جونی حتٰی یقضوابی حاجتھم**" اللہ تعالیٰ کی قسم اگر ان زمین میں بسنے والوں میں سے کسی کے بھٹ یا بل یا سوراخ میں روپوش ہو جاؤں تب بھی جان نہ بچے۔ یہ دشمن مجھے وہاں سے بھی ڈھونڈھ نکالیں گے۔ اور اپنا دل ٹھنڈا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم میں خانہ کعبہ میں قتل سے خانہ کعبہ کے باہر چاہے ایک ہی بالشت کی دوری کیوں نہ ہو اسے خاص خانہ کعبہ میں قتل سے بہتر جانتا ہوں اور کعبہ سے جتنی دوری پر قتل ہوں وہی میرے لئے بہتر ہے۔ (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۱۴ طبع مصر) "**واللہ لا یدعونی حتی یستخر جواھذہ العلقۃ من اجونی الخ**" اللہ تعالیٰ کی قسم یہ لوگ جب تک میری جان نہ لیں گے دم نہ لیں گے۔

(تاریخ کامل جلد ۴۔ ص ۲۰)

حضرت محمد حنفیہ کو چونکہ امام حسین علیہ السلام کا زیادہ درد تھا۔ لہٰذا وہ بار بار دوڑ کر آتے اور آپ سے التجا کرتے کہ سفر عراق ملتوی کر دیجئے۔ امام حسین علیہ السلام فرماتے۔ "**یا اخی انی اخشی ان تقتلنی جنود بنی امیہ فی مکۃ فاکون کاالذی تستباح دمہ فی حرم اللہ**" اے بھائی میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں امیہ کے درندے مجھے خانہ کعبہ میں نہ پھاڑ کھائیں۔ اور میں ہی وہ دنبہ قرار پاؤں جس سے حرمت خانہ کعبہ خراب ہونے کی خبر نا دئے گئے ہیں۔ (ینابیع المودۃ ص ۲۳۷ صواعق محرقہ ص ۱۱۷) امام حسین کے جواب کے بعد بھی محمد حنفیہ کمال خلوص کی وجہ سے برابر اصرار کرتے رہے ہیں۔ بروایتے حضرت امام حسین نے فرمایا کہ اچھا میں غور کروں گا۔ (ومعہ ساکبہ ص ۳۱۶) علامہ ابوالحسن علی بن اسمٰعیل لکھتے ہیں کہ امام حسین کو سمجھانے میں ابن عباس نے بھی کافی مبالغہ سے کام لیا تھا اور سمجھانے کے تمام پہلو اختیار کئے تھے آپ نے

یہ بھی کہا تھا کہ ابن زبیر آپ کے چلے جانے سے دلیر ہو جائے گا۔ اور اس کی قدر و منزلت بڑھ جائے گی۔ (کتاب الخصص طبع مصر ص ۳۱۶)

دو ایک راتیں گزریں۔ یہاں تک کہ ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ یعنی کوچ کی رات آ گئی۔ آپ نے اصحاب کو جمع کیا اور ایک زبردست خطبہ دیا۔ جو حمد اللہ تعالیٰ و نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئندہ آنے والے واقعات پر مشتمل تھا جس میں خصوصیت کے ساتھ یہ کہا گیا تھا "جو شخص راہ اللہ تعالیٰ میں جان قربان کرنا چاہے، موت کا مشتاق اور لقاءِ الٰہی کا شائق ہو وہ میرے ساتھ چلے۔ میں انشاء اللہ صبح یہاں سے کوچ کروں گا۔ زاں بعد حضرت عباس علیہ السلام کو حکم دیا کہ سامانِ سفر درست کرو اور اسباب سفر فراہم کر کے تیار ہو جاؤ۔

رات کافور ہو گئی۔ نور کا تڑکا ہوا۔ حکم امام علیہ السلام سے سواریاں گنی جانے لگیں۔ ناگاہ امام حسین کے خیر خواہ عبداللہ ابن جعفر اور محمد حنفیہ وغیرہما کو خبر ہوئی۔ دوڑے ہوئے آئے اور عرض کی مولانہ جائیں۔ عراقی بے وفا ہیں۔ آپ نے عبداللہ کے جواب میں فرمایا "انـــی رایـــت رویـا رائیت فیهـا رسـول الـلـه وامرت فیها بامر انا ما ض له الخ" میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے۔ انہوں نے مجھے ایک امر کا حکم دیا ہے اور میں اسے کئے بغیر نہ رہوں گا۔ (تاریخ طبری ص ۲۸۰ و تاریخ کامل جلد ۴ ص ۲۱) محمد حنفیہ آگے بڑھے اور عرض کی بھائی کوفہ کی طرف نہ جائیں۔ یہ لوگ اہل غدر و مکر ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ یہیں قیام کیجئے۔ امام حسینؑ نے فرمایا۔ اے بھائی مجھے یہ خوف و اندیشہ ہے کہ یہ ظالم بنی امیہ کہیں مجھے مکہ معظمہ ہی میں نہ قتل کر ڈالیں اور میرا خون بہنے سے مکہ معظمہ کی حرمت برباد ہو جائے۔ محمد حنفیہ نے عرض کی تو بہتر یہ ہے کہ حضور یمن تشریف لے جائیں۔ حضرت امام حسین فرماتے ہیں۔ کہ بھائی اگر میں کسی پتھر کے سوراخ میں بھی سما جاؤں تب بھی یہ ظالم مجھے نکال لیں گے اور قتل کریں گے (ناموس اسلام ص ۱۱۳) پھر محمد حنفیہ نے غور و خوض کا حوالہ دیتے ہوئے مہار تھام کر عرض کی بھائی اتنی جلدی کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے فرمایا تھا۔ ہم غور کریں گے۔ حضرت امام حسین نے فرمایا۔ بس تمہارے جانے کے بعد رات کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ مجھے سینے سے لگاتے ہیں۔ آنکھوں کو چومتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ اے میرے قرۃ العین۔ میرے نور نظر حسین بس جلدی کرو۔ عراق کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ محمد حنفیہ یہ سن کر رو پڑے اور عرض کی بھائی اگر یہی بات ہے کہ آپ کو ضرور شہید راہِ الٰہی ہونا ہی ہے تو پھر ان اہل بیت اطہار۔ ان بیبیوں کو کیوں ساتھ لئے جا رہے ہیں۔ فرمایا ان کے بھی ہمراہ لے جانے کا حکم ہے۔ (ناموس اسلام بحوالہ مقتل ابی مخنف)

ڈاکٹر میسور مائیں جرمنی فلاسفر اپنے رسالہ "سیاست اسلامیہ و فلسفہ شہادت حسین" میں لکھتا ہے حسین اپنے دوستوں سے جو انہیں اس سفر عراق سے ممانعت کرتے تھے صاف طور پر کہہ دیتے تھے کہ میں تو مقتول ہونے کے لئے جا رہا ہوں۔ چونکہ ان مانع لوگوں کے خیالات محدود تھے اور حسین کے مقاصد عالیہ پر انہیں اطلاع نہ تھی اس لئے وہ سفر سے ممانعت میں اصرار کرتے تھے۔ جس کا آخری جواب حسین کی طرف سے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی ہے اور میرے نانا نے مجھے یہی حکم فرمایا ہے۔ اور جب وہ یہ اصرار کرتے تھے کہ آپ مقتول ہونے کی غرض سے جاتے ہیں تو عورتوں اور بچوں کو ہمراہ نہ لے جائیں تو آپ ان کو یہی جواب دیتے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی ہے میرے عیال اسیر ہوں "حسین کے یہ کلمات اس وقت جو روحانی ریاست کی حیثیت سے تھے۔ لاجواب تھے۔ یعنی کسی کو مجال دم زدن نہ تھی۔"

غرضکہ امام حسین علیہ السلام حرمت خانہ کعبہ کو بچانے اور تبلیغ حجت تمام کرنے کے لئے یوم ترویہ ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو مکہ معظمہ سے باراوہ کوفہ روانہ ہو گئے۔

(ناسخ التواریخ تاریخ کامل۔ ج ۴ صفحہ ۲۰)

☆☆☆

کوفہ!

کوفہ اور بصرہ یہ دونوں شہر عہد خلافت ثانیہ ۱۷ھ میں ملکی ضروریات، حفاظت، سرحدات کے خیال سے فوجی مقام اور چھاؤنی کی حیثیت سے آباد کئے گئے تھے۔ خلیفہ دوئم کے حکم سے بصرہ کو عتبہ بن ولید اموی نے بسایا اور وہی وہاں کنٹونمنٹ مجسٹریٹ اور حاکم مقرر رہا۔ اور کوفہ کو سعد بن ابی وقاص نے آباد کیا اور وہی وہاں کا گورنر رہا۔ کوفہ پر مشتری مستولی ہے۔ اور اس کا عرض البلد ۳۳ درجہ اور طول البلد ۲/۱ ۴۲ درجہ ہے اور اس کی آبادی بقول لے کر بلائے معلی سے ۳۳ میل کے فاصلہ پر ہے۔

کوفہ کی ساری زندگی دشمنان اہل بیت اور ہوا خواہان بنی امیہ کے ماتحت گزری۔ یہی وجہ ہے کہ کوفہ کی آبادی ہمیشہ خاندانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون پینے والوں سے چھلکتی رہی۔ اور اسی لئے ۶۰ھ میں امام حسین کو دعوت تبلیغ دے کر کوفہ میں بلانے اور وہیں قتل کر دینے کا خفیہ اور سازشی پروگرام بنایا گیا تھا۔ جس میں ان معدودے اشخاص کو بھی فریب سے شامل کرنے کی کوشش کی گئی تھی جو امام حسین کے دوستداران میں سے تھے۔ مگر ان پر جب ان خونخواروں کی دھوکا دہی کا حال حضرت مسلم بن عقیل کے قتل سے بے نقاب ہو گیا تو یہ لوگ کربلا کی جانب دوڑے اور حسینؑ کے قدموں پر نثار ہو کر سعادت ابدی حاصل کر لی۔ جیسے سعید اور زہیر جو نہ جا سکے وہ کوفہ میں ہی قتل ہو گئے جیسے ہانی بن عروہ وغیرہ۔

اب ہم ذیل میں اپنے محترم دوست جناب مولانا سبط الحسن صاحب ہنسوی کی وہ عبارت من و عن نقل کرتے ہیں جو انہوں نے اپنی کتاب اظہار حقیقت کے صفحہ ۵۴ سے ۵۸ تک تحریر فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"یہ تو ایک تاریخی حقیقت ہے جس سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ عہد خلافت امیر المومنین میں بنی ہاشم و خاندان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا اقتدار حاصل ہو گیا تھا جس کی وجہ سے شیعی اثرات عراق میں کسی حد تک موجود تھے جن کے مٹانے کے لئے معاویہ نے بڑی کوششیں کیں۔ بسر بن ارطاۃ زیاد بن سمیہ، ایسے ظالموں کو عراق پر مسلط کر دیا گیا۔ ان لوگوں نے چن چن کر شیعیان علی کو قتل کر ڈالا۔ خاص شہر کوفہ کی یہ حالت تھی کہ وہاں سوائے دو جانوں کے تمام شیعوں کو قتل کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ عبید اللہ ابن زیاد نے تفاخر و احسان کے جذبہ میں ہانی بن عروہ

شیعی سے یہ کہا تھا کہ:

یا هانی اماتعلم ان ابی قدم هذاالبلد فلم تیرك احداً من هذه الشیعة الاقتله غیر ابیك و غیره حجر. تاریخ طبری صفحه ۲۴۵ طبع لندن

اے ہانی کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا باپ زیاد جب یہاں حاکم ہو کر آیا تھا تو اس نے یہاں ایک شیعہ بھی زندہ نہیں چھوڑا تھا سوائے تمہارے باپ (عروہ) اور حجر کے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوفہ میں بزمانہ معاویہ شیعوں پر جو تباہی آئی اس کے بعد یہاں صرف دو شیعہ رہ گئے تھے۔ معاویہ اور اس کا مشیر عمرو عاص جو دہات عرب کے مشہور افراد میں ان کی نگاہیں کوفہ کی سی اہم چھاؤنی پر بھی تھیں۔ صلح امام حسنؑ کے بعد اس چھاؤنی پر پورا پورا قبضہ کیا گیا تھا دمشق کی مرکزی چھاؤنی کو مضبوط بنانے کی اب ضرورت نہ تھی بلکہ مملکت شام کی پوری طاقت کو کوفہ میں تبدیل کر دینا ہی اصل سیاست تھی۔ چنانچہ سرزمین شام کی فوج کا ہیڈ کوارٹر بھی اب کوفہ ہی ہو گیا تھا اسی بناء پر حدود ممالک اسلامی میں جہاں کہیں بھی بغاوت رونما ہوتی تھی اس کو فرو کرنے کے لئے کوفہ سے ہی فوج روانہ کی جاتی تھی۔ چنانچہ عمر بن سعد خود بھی واقعہ ہائلہ کربلا سے پہلے چار ہزار کی فوج لے کر قبیلہ ویلم کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے ملک عجم جانے ہی والا تھا کہ مقام ''حمام اعین'' سے واپس بلا کر قتل حسین کے لئے اسے مامور کیا گیا۔ کربلا میں عمر بن سعد جس فوج شامی کا سردار تھا دراصل اس میں خاص باشندگان کوفہ کی تعداد بہت کم تھی اور جو تھے بھی وہ شامی فوج سے نکل کر امام حسین علیہ السلام کی طرف آ گئے تھے۔ چنانچہ منتخب تاریخ الاسلام ذہبی میں ہے۔

(ترجمہ) ذہبی کہتے ہیں کہ عمر بن سعد کی فوج میں تیس آدمی خاص کوفہ کے بھی تھے۔ ان لوگوں نے عمر بن سعد سے کہا۔ فرزند دختر رسولؐ تین باتیں پیش فرما رہے ہیں اور تم ان میں سے کسی کو بھی قبول نہیں کرتے۔ یہ کہہ کر یہ لوگ امام حسینؑ کی طرف چلے آئے اور حضرت کی محبت میں جنگ کی۔ صاحب منتخب کہتے ہیں کہ یہ اس امر پر دلیل ہے کہ جس فوج نے امام حسین علیہ السلام سے جنگ کی وہ اصل کوفہ (باشندگان کوفہ خاص) کی فوج نہ تھی۔ اور اس فوج میں سوائے ان تیس آدمیوں کے جو آخر کار امام حسین کے ساتھی تھے کوئی بھی خالص کوفی نہ تھا اور اس سے ہمارے گزشتہ قول کی تائید ہوتی ہے کہ یہ لوگ شعیان خالص میں سے نہ تھے۔ جنہوں نے حضرت کو خط لکھا تھا' منتخب تاریخ اسلام قلمی نمبر ۲۷۳ کتب خانہ ناصری ناظم ادارہ معلوم نہیں ''کوفی لوگوں'' سے کیا مراد لیتے ہیں۔ کوفی کوئی قوم یا نسل یا ملت نہیں ہے جس کے لئے کوفی و شامی کی لایعنی بحث کی جا رہی ہے۔ سنئے سرزمین عراق میں کوفہ ایک نو آبادی تھی جہاں مختلف قبائل سرزمین کے لوگ آ کر آباد ہو گئے تھے۔

یہ سب لوگ اس عہد کی اسلامی فوج کے سپاہی جن کا کام جنگ وجدال کرنا تھا۔ حکومت سے گھر بیٹھے تنخواہ پاتے تھے اور ضرورت کے وقت حکومت کی مدد کیا کرتے تھے۔ ان کا مذہب حکومت کا مذہب تھا۔ صحیح معنوں میں یہ لوگ دینی و دنیوی معاملات میں حکومت کی پیروی کرنے والے تھے۔
ملاحظہ ہو کوفہ کے متعلق شبلی کیا کہتے ہیں: ''غرض ۱۷ھ میں اس کی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمر نے تصریح کے ساتھ لکھا چالیس ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے۔ ھیاج بن مالک کے زیر اہتمام عرب کے جدا جدا قبیلے جدا جدا محلوں میں آباد ہوئے' شہر کی وضع اور ساخت کے لئے خود حضرت عمر کا حکم آیا تھا کہ شارع عام ۴۰، ۴۰ ہاتھ اور اس سے گھٹ کر ۳۰۔ ۳۰ ہاتھ اور ۲۰۔ ۲۰ ہاتھ چوڑی رکھی جائیں اور گلیاں ۷۔ ۷ ہاتھ چوڑی ہوں۔ جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند چبوترہ دے کر بنائی گئی تھی کہ اس میں چالیس ہزار آدمی آسکتے تھے۔ اس کے ہر چہار طرف دور دور تک کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔ (الفاروق حصہ دوم ص ۶۹ مطبوعہ قومی پریس) آگے چل کر پھر لکھتے ہیں: جو قبیلے آباد کئے گئے ان میں یمن کے بارہ ہزار اور ترار کے آٹھ ہزار آدمی تھے اور قبائل جو آباد کئے گئے تھے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ سلیم' ثقیف' ہمدان' بجیلہ' تیم اللات' تغلب' بنو اسد' نخع و کندہ' ازد' مزینہ' تمیم و محارب و اسد و عامر' بجالہ' جدیلہ و اخلاط' جھینیہ' مذحج' ہوازن' وغیرہ وغیرہ (الفاروق حصہ دوم ص ۷۰)

یہی نہیں بلکہ اس کی آبادی بڑھتی رہی۔ لکھتے ہیں۔

زمانہ مابعد میں اس کی آبادی برابر ترقی کرتی گئی۔ لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے عموماً عرب کی نسل ہوتے تھے (ص ۷۰) فوجی حالات کے ضمن میں آگے چل کر پھر لکھتے ہیں:

فوجوں کے لئے بارکیں تھیں' کوفہ' بصرہ' فسطاط' یہ تینوں شہر تو دراصل فوج کے قیام اور بود و باش کے لئے ہی آباد کئے گئے تھے۔

ہر جگہ بڑے بڑے اصطبل خانے تھے جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت معہ ساز و سامان تیار رہتے تھے۔ یہ صرف اس غرض سے مہیار کھے جاتے تھے کہ دفعتہً ضرورت پیش آجائے تو ۳۲ ہزار سواروں کا رسالہ فوراً تیار ہو جائے ۱۷ھ میں جزیرہ والوں نے دفعتہً بغاوت کی تو یہی تدبیر کلید ظفر ٹھہری۔ (الفاروق حصہ دوم ص ۸۰) اس عبارت کے حوالہ میں شبلی نے یہ لکھا ہے:
تاریخ طبری صفحہ ۲۵۰۴ میں ہے ''كان لعمر اربعة الاف فرس عدة لكون ان كان لشيتها في قبلة قصر الكوفة و بالبصرة نحوها'' طبری کے حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بصرہ کی

بھی یہی حالت تھی کہ وہاں بھی ہر وقت ایسی فوج تیار رہتی تھی۔ پھر لکھتے ہیں۔ چنانچہ خاص کوفہ میں چالیس ہزار سپاہی موجود رہتے تھے۔ الفاروق حصہ دوم ص ۸۳۔ یہاں بھی طبری کا حوالہ ہے' طبری ص ۱۸۰۵ ''وكان بالكوفة اذذاك اربعون الف مقاتل'' پھر تحریر فرماتے ہیں۔

کوفہ' بصرہ' موصل' فسطاط' جیزۃ وغیرہ میں جس قدر عرب آباد ہو گئے تھے سب کے رجسٹر مرتب ہوئے۔ اس بے شمار گروہ کی علیٰ قدر مراتب تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ اور اگر چہ ان سب کا مجموعی شمار تاریخوں سے معلوم نہیں ہوتا تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم آٹھ دس لاکھ ہتھیار بند آدمی تھے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ ہر سال تیس ہزار نئی فوج فتوحات پر بھیجی جاتی تھی۔ کوفہ کی نسبت علامہ طبری نے تصریح کی ہے کہ وہاں ایک لاکھ آدمی لڑنے کے قابل بسائے گئے جن میں سے چالیس ہزار باقاعدہ فوج تھی۔

حاشیہ پر شبلی لکھتے ہیں۔

آخر میں شبلی فرماتے ہیں:

''یہی نظام تھا جس کی بدولت ایک مدت تک تمام دنیا پر عرب کا رعب وداب قائم رہا اور فتوحات کا سیلاب برابر بڑھتا گیا۔ جس قدر اس نظام میں کمی ہوتی گئی۔ عرب کی طاقت میں ضعف آتا گیا۔ سب سے پہلے معاویہ نے اس میں تبدیلی کی۔ یعنی شیر خوار بچوں کی تنخواہ بند کر دی عبدالملک بن مروان نے اور بھی اس کو گھٹا دیا۔ (ج ۲۔ ص ۸۵)''

شبلی کے متذکرہ بالا تاریخی بیانات سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کوفہ کی کیا حیثیت تھی۔ اور وہاں کون لوگ آباد تھے۔ اور اس عظیم الشان فوجی چھاؤنی میں کس قسم کی فوج رہا کرتی تھی۔ اس لئے قاتلانِ حسین کی فوج میں یہ تلاش کرنا کہ کتنے شامی یا عراقی وحجازی وغیرہ تھے۔ وہ بے سود ہے۔ دراصل یہ فوج عہدِ عمر کی تربیت یافتہ تھی جس سے امیر المومنین جناب علی ابن ابی طالب نالاں رہے۔ اور یہ فرماتے رہے کہ تم نے میرے دل میں ناسور ڈال دیا۔ (نہج البلاغہ) جس نے امام حسنؑ کے ساتھ دغا کی اور امیر معاویہ کی متعین ہوئی۔ فوجی اعتبار سے جب سب سے بڑا مرکز یہی کوفہ تھا تو سرزمین شام کی فوج یہیں موجود رہی ہو گی جس سے حسین مظلوم کو مقابلہ کرنا پڑا۔ اس صورت میں دمشق کی متعینہ فوج کو نقل وحرکت کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ اس لئے دمشق میں فوجی بھرتی نہیں ہوئے۔ اور نہ وہاں سے کوئی تازہ دم فوج ہی آئی۔ لیکن یہ کہنا کہ کوفہ کی اتنی بڑی فوجی چھاؤنی میں شامی سپاہی نہ تھے۔ بچوں کی سی باتیں ہیں جن کو کوئی ہوش مند تسلیم نہیں کر سکتا۔ تاریخیں موجود ہیں۔ ان میں ملاحظہ فرمائیں۔ کہ جب دارالخلافہ دمشق میں فوج کی ضرورت ہوئی

کنز العمال جلد ۶۔ ص ۳۲۱ امام مالک نے موطاء میں ۴۰ ہزار کے بجائے چالیس ہزار کی فوج بیان کی ہے۔ الفاروق ج ۲۔ ص ۸۴

ہے تو کوفہ ہی سے شامی فوج گئی ہے۔ اظہار حقیقت صفحہ ۵۴ تا صفحہ ۵۸ طبع لکھنؤ ۱۳۶۴ھ

ناظرین کرام ابوالکلام آزاد اپنی کتاب (انسانیت موت کے دروازے پر) کے صفحہ ۳۹ پر لکھتا ہے کہ کوفہ میں اہل بیت کرام کے طرف داران کی تعداد زیادہ تھی۔ پھر اسی کے ساتھ ساتھ صفحہ ۴۲ پر ابن عباس اور امام حسینؑ کی گفتگو کے سلسلہ میں رقمطراز ہے کہ "اگر آپ حجاز سے جانا ہی چاہتے ہیں تو یمن چلے جائیں وہاں قلعے اور دشوار گزار پہاڑیاں ہیں۔ ملک کشادہ ہے۔ آبادی عموماً آپ کے والد کی خیر خواہ ہے۔ الخ۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اگر کوفہ میں اہل بیت کے طرف دار زیادہ ہوتے تو پھر ابن عباس کوفہ جانے سے منع کرتے ہوئے یمن جانے کا مشورہ نہ دیتے۔

تاریخ پکار رہی ہے کہ کوفہ کی اکثریت ہمیشہ خاندان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمن رہی۔ بانی کوفہ سعد بن ابی وقاص نے حضرت علی خلافتِ ظاہری کے موقع پر بھی آپ کی بیعت نہیں کی۔ جس پر حضرت علی نے فرمایا کہ اسے جانے دو یہ حاسد ہے۔ (ابن قتیبہ' ابن جریر' اسد الغابہ) پھر جب اسی بانی کوفہ کے بیٹے عمر بن سعد کا دور آیا تو اس نے حکومت رے کے وعدہ پر حضرت امام حسین کے قتل کا بیڑا اٹھایا اور نائب یزید ابن زیاد ملعون کی فوج کا سپہ سالار بن کر حضرت امام حسینؑ سے لڑنے گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آباد ہونے کے وقت سے حضرت امام حسینؑ کے وقت تک تقریباً چالیس سال برابر کوفہ والوں نے ایسی آب وہوا میں نشوونما اور پرورش پائی جو ہمیشہ سے آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سخت مخالف اور ان کے خون کی پیاسی رہی۔ اس عرصہ میں خلافت ظاہریہ کے زمانہ میں زیادہ سے زیادہ چار ساڑھے چار سال تک علی کا تعلق کوفہ سے ضرور رہا لیکن ظاہر ہے کہ علی کی چار سالہ حکومت اتنے لمبے تیس پینتیس سال کے اثر کو کیسے زائل کر سکتی تھی۔ اور اس چار سالہ زمانہ خلافت میں بھی علیؑ کے ساتھ جیسا کچھ محبت واخلاص' اطاعت وفرمانبرداری اور عقیدت مندی کا سلوک کوفہ والوں نے کیا ہے وہ جنگ صفین اور تقرر حکمین وغیرہ جیسے واقعات وحالات پر نظر ڈالنے سے بخوبی روشن ہو جاتا ہے۔ کیونکہ معاویہ اور عمرو عاص کی سازشوں اور چال بازیوں کے جال میں پھنس کر سونے چاندی کی جھلک سے چکاچوندھ ہو کر یہ ایک دم عین جنگ کی حالت ہی میں ہتھیار ڈال دیتے تھے اور خود علی کی مخالفت اور ان کے قتل پر آمادہ ہو جاتے تھے جو یقیناً معاویہ کی سازش' اور پروپیگنڈہ کا نتیجہ تھا۔ دراصل یہ لوگ نہ کبھی اسلام کے سچے وفادار ہوئے اور نہ دین کے بارے میں وفا شعاری اختیار کی۔ یہی وجہ ہے کہ خاندانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ان کی

بے وفائی کا ذکر کرتا رہا۔

ناظرین کرام! شرح نودی میں بموقعہ قراۃ نماز ظہر وعصر وفضائل کوفہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ ''کوفہ' شہریست معروف وآں شہر خانہ علم ومحل فضلا است و بنا گشتہ است در خلافت حضرت عمر'' کوفہ ایک مشہور شہر ہے جو معدن علم ہے اور فضلاء کے رہنے کی وجہ ہے اور حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں اس کی تاسیس ہوئی ہے۔ پھر قاموس میں لکھا ہے کہ کوفہ عراق کا ایک بڑا شہر ہے اور قبہ اسلام ہے اور مسلمانوں کے ہجرت کی جگہ ہے اور زمانہ گزشتہ میں حضرت نوحؑ کے رہنے کی جگہ تھی۔ علامہ عجلی در تاریخ خود نوشتہ کہ در کوفہ یک ہزار و پانصد صحابہ و در قرقیا شش صد صحابہ سکونت پذیر گشتہ بوند' علامہ عجلی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ کوفہ میں ایک ہزار پانچ سو اور قرقیسا میں چھ سو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رہتے تھے۔ ملاحظہ ہو۔ (سیف المقلدین علی اعناق المنکرین مصنفہ مولانا محمد عبد الجلیل یوسف زئی صفحہ ۷ طبع لکھنو ۱۳۱۸ھ)

ان علماء کی تحریر سے صاف ظاہر ہے کہ کوفہ کی آبادی کن لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ اہل بیت کرام کا کوفہ کی بیوفائی ظاہر کرنا اور اس کے باشندوں کی مذمت کرتے رہنا اور علماء اہل سنت کا کوفہ کی تعریف اور اس کے فضائل بیان کرنا واضح کرتا ہے کہ کوفہ سے کن لوگوں کا زیادہ تعلق تھا۔ اور کوفہ میں کون لوگ آباد تھے۔ اور کن لوگوں کی اکثریت تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ اوّل تو ابتدا ہی سے کوفہ میں شیعوں کی آبادی نہ تھی اور جو تھوڑی بہت تھی بھی وہ شہادت امام حسن علیہ السلام کے بعد ختم کر دی گئی۔ شہید ثالث رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ احتجاج طبری لکھتے ہیں۔ ''چوں زیاد بن ابیہ ملعون اہل آں دیار را می شناخت لاجرم معاویہ حکومت عراقین کوفہ و بصرہ را باد داد و او شیعہ را بدست آورد در تحت ہر حجر و مدر میکشت بعضے را گردن می زد بعضے را دست و پائے می برید و پارہ را بر دار می کشید و قوے را چشمہا می کشید و قوے را از خانماں آوارہ می ساخت الخ کہ چونکہ ابن زیاد ابیہ (ولد الزنا) کوفہ کے شیعوں کو پہچانتا تھا۔ لہٰذا معاویہ نے اسی کو وہاں کا حاکم بنا دیا۔ اس نے شیعوں کو بالکل ختم کرنے کی ٹھان لی۔ چنانچہ ان کا قتل عام کر دیا۔ کسی کو حجر و مدر سے دبا کر مار ڈالا۔ کسی کی گردن ماردی۔ کسی کے ہاتھ پاؤں کاٹ کے جشہ کو لٹکا دیا۔ کسی کی آنکھیں نکلوائیں۔ کسی کے گھر جلوا دیئے۔ غرضکہ اس طرح ظلم کیا کہ بظاہر کوئی شیعہ باقی نہ رہ گیا۔ ''مجالس المومنین صفحہ ۲۵۔ طبع ایران۔ نصائح کافیہ صفحہ ۷۰۔ مورخ طبری لکھتا ہے کہ زیاد بن ابیہ کے قتل وغارت کے بعد صرف دو شیعہ باقی رہ گئے تھے۔ نمبر ۱ عروہ۔ نمبر ۲۔ حجر' ملاحظہ ہو تاریخ طبری صفحہ ۲۴۵ طبع لیڈن واقعہ شہادت حضرت ہانی) الغرض ۶۱ھ میں جو چند انے گنے شیعہ کوفہ میں رہ

گئے تھے وہ تین حال سے خالی نہ تھے۔ یا مسلم بن عقیل کے ساتھ قتل ہو گئے' جیسے حضرت ہانی بن عروہ (نور العین) یا قید کر دیئے گئے جیسے حضرت مختار علیہ الرحمۃ (ریاض القدس) یا حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر شہید ہو گئے۔ جیسے حضرت سعید حضرت حبیبؓ ابن مظاہر اور حضرت زہیر قینؓ وغیرہ (ناسخ التواریخ وغیرہ)

شیعیان کوفہ نے اپنی کمال وفاداری سے اس امر کو ثابت کر دیا کہ "الکوفی لا یوفی" کا مقولہ صرف ان کے لئے ہے جن کا چھٹا خلیفہ یزید تھا۔ اور جن کے مذہب کے رکن رکین عبداللہ ابن زیاد۔ عمر بن سعد۔ شمر ذی الجوشن۔ حرملہ بن کاہل اسدی۔ حکیم ابن طفیل سنبسی' خولی بن یزید اصبحی وغیرہ تھے جنہوں نے امام حسینؑ اور ان کے رفقاء کو شہید کیا۔ اور ان کے سر کاٹے۔ ان کے لاشوں پر گھوڑے دوڑائے۔ تین دن پانی بند رکھا۔ ان کے خیمے جلائے' عورتوں کو اسیر کر کے بازاروں میں پھرایا۔ اور سال بھر قید میں رکھا۔ چونکہ شیعوں نے پوری پوری وفاداری کی ہے اسی لئے امام حسینؑ نے یوم عاشورا ان کے مدح کی۔ عالم اہل سنت علامہ ابو اسحٰقؒ اسفرائنی لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے یوم عاشورا ایک دفعہ جنگ کی اور پلٹ کر خیمہ میں آئے۔ تو آپ نے چھ شعر پڑھے۔ جن میں سے آخری شعر یہ ہے۔

وشیعتنا واللہ اکرم شیعۃ　　　ومبغضنا یوم القیامۃ یخسر

اللہ تعالیٰ کی قسم ہمارے شیعہ بڑے قابل قدر اور بہترین شیعہ ہیں۔ اور بڑی عزت پائیں گے اور ہمارے دشمن قیامت کے دن گھاٹے میں رہیں گے۔

(نور العین فی مشہد الحسین صفحہ ۵۴ طبع بمبئی)

غرض کہ اس وقت جب کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو دعوت کوفہ دی گئی۔ کوفہ میں تین طبقے اور عقیدہ کے لوگ آباد تھے۔ اوّل خالص معاویہ والے جیسے عبداللہ بن مسلم حضرمی' عمارہ بن ولید بن عقبہ' عمر بن سعد بن ابی وقاص وغیرہم۔ (دوسرے) خالص علی والے جیسے مسلم بن عوسجہ۔ حبیب ابن مظاہر' ہانی بن عروہ اور (تیسرے) عام پبلک۔

طبقہ اولیٰ کے لوگ کثیر تعداد میں تھے اور طبقہ ثانیہ کے لوگ انے گنے چند حضرات تھے اور طبقہ ثالثہ والے بے شمار تھے۔ یزید کی مرضی کے مطابق معاویہ والوں نے امام حسین کو کوفہ بلا کر قتل کر دینے کا خفیہ پروگرام بنایا اور یہ سوچتے ہوئے کہ حسین اپنے طرفداروں کی خواہش طلب کے بغیر کوفہ نہیں آئیں گے۔ علی والوں سے ملے اور ان سے کہا کہ یزید فاسق و فاجر ہے کیا ہی اچھا ہوتا کہ امام حسین یہاں آ جاتے اور ہماری ہدایت کی ذمہ داری لیتے علی والوں نے اس پر فریب رائے کو پسند کیا

اوراس کی گہرائی تک نہ پہنچے۔پھران لوگوں نے مشترکہ طور پر عام پبلک میں پروپیگنڈا شروع کیا۔ اورتمام کوفہ پرفریب کا جال بچھا کرامام حسینؑ کی طلب شروع کردی۔اب کیا تھا۔خطوط جانے لگے۔ اورچند ہی دنوں میں خطوط کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ گئی۔علامہ شاہ عبدالعزیز دہلوی مصنف تحفہ اثنا عشریہ اپنی کتاب سرالشہادتین طبع لدھیانہ کے صفحہ ۲۷ پر لکھتے ہیں کہ یہ خطوط "من کل طائفة و جماعة" ہر طبقے اور ہر جماعت کی طرف سے آئے تھے۔الخ۔ان خطوط میں ایسی باتیں لکھی گئی تھیں کہ حضرت امام حسینؑ کو مجبور کوفہ کے ارادہ سے چل کھڑے ہونا پڑا۔ چنانچہ آپ چھوٹے چھوٹے بچوں،عورتوں اور مختصر سے ہواخواہوں کو ہمراہ لئے ہوئے ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو یوم سہ شنبہ کو مکہ سے روانہ ہوگئے (وسامعہ کبہ) ابھی تھوڑی مسافت طے کی تھی کہ عمر بن سعید والی مکہ معظمہ نے یزید کے تیس آدمیوں والی اسکیم ناکامیاب ہوتے دیکھ کر اس امر کی کوشش شروع کردی کہ امام حسین مکہ سے باہر نہ جانے پائیں۔مگر وہ اس کوشش میں بھی کامیاب نہ ہوا اور امام حسینؑ ایک آیت کو تلاوت کرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔(ابن نما) یہاں تک کہ منزل قفیم تک پہنچ گئے۔

فرزوق سے ملاقات:

راستہ میں فرزوق شاعر سے ملاقات ہوئی۔اس نے عرض کی مولا حج کو عمرہ سے بدل کر آپ نے اتنی جلدی مکہ معظمہ کیوں چھوڑ دیا۔ارشاد فرمایا "لولم اعجل لا خذت" اگر میں جلدی نہ کرتا تو گرفتار کرلیا جاتا۔(الدمع الہتون ترجمہ جلاء العیون صفحہ ۴۴۴۔ ومع ساکبہ صفحہ ۳۱۶ و تاریخ طبری تذکرہ سبط ابن جوزی)

صاحب: معہ ساکبہ لکھتے ہیں کہ "وکان الحسین بن علی الماخرج من مکة اعترضہ یحیی بن سعید بن العاص ومعہ جماعة ارسلھم الیہ عمر بن سعید فقالوا لہ انصرف الی این تذھب تابی علیھم ومضی وتدافع الفریقان واضطربوا بالسیاط وامتنع الحسین واصحابہ منھم امتناعا قویا" حضرت امام حسین علیہ السلام جب مکہ سے نکلے تو عمر بن سعید کی طرف سے یحییٰ بن سعید وغیرہ نے آپ کو روکا اور کہا کہ یہاں سے کہاں نکلے جاتے ہیں۔لوٹئے۔آپ نے انکار فرمایا اور دونوں جماعتوں میں مڈبھیر ہوگئی۔اور کوڑے چلے۔امام حسین اوران کی جماعت نے سختی سے مقابلہ کیا۔(ص ۳۱۶) ناظرین کرام!اس مقام پر تاریخ وہی کہہ رہی ہے جو میں نے دمعہ ساکبہ سے لکھا۔ لیکن ذرا ابوالکلام آزاد کی یزید نوازی ملاحظہ کیجئے۔آپ اس روایت کو کس رنگ میں پیش کررہے ہیں۔آپ عبداللہ ابن جعفر کے خط کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔(والی کا خط) یہی نہیں بلکہ انہوں نے یزید کے مقرر کئے ہوئے والی عمر بن سعید بن العاص سے جاکر کہا "حسین بن علی کو خط لکھ کر بالکل مطمئن کردو۔عمر نے کہا آپ خود خط لکھ لائیں میں مہر کردوں گا۔چنانچہ عبداللہ نے والی کی جانب سے یہ خط لکھا: میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس راستے سے دور کردے جس میں ہلاکت ہے اوراس راستہ کی رہنمائی کرے جس میں سلامتی ہے۔مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عراق جارہے ہیں۔ میں آپ کے لئے شقاق واختلاف سے پناہ مانگتا ہوں۔میں آپ کی ہلاکت سے ڈرتا ہوں۔میں عبداللہ بن جعفر اور یحییٰ بن سعید کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں ان کے ساتھ واپس چلے آئیں۔میرے پاس آپ کے لئے امن،سلامتی احسان اور حسن جوار ہے اللہ تعالیٰ اس پر شاہد ہے وہ اس کا نگہبان اور کفیل ہے۔والسلام" مگر آپ بدستور اپنے ارادہ پر جمے رہے۔ ملاحظہ ہو۔"انسانیت موت کے دروازہ پر"

ابو ہرہ سے ملاقات:

پھر آپ اور آگے بڑھے اور دو پہر کے وقت منزل ثعلبیہ پر پہنچے۔ آپ کی آنکھ لگ گئی خواب میں ہاتف کو کہتے سنا۔ "انتم تسرعون والمنايا تسرع بكم الى الجنة" آپ حضرات تیزی سے کوفہ کی جانب جارہے ہیں اور موت آپ کو جنت کی طرف کھینچ رہی ہے۔ آپ نے بیدار ہو کر حضرت علی اکبر سے خواب بیان فرمایا۔ عرض کی "يا ابته السنا على الحق" بابا! کیا ہم حق پر نہیں۔ فرمایا بے شک ہم حق پر ہیں۔ عرض کی "لا يبالي بالموت" پھر موت کی کیا پرواہ ہے۔ (ومعہ صفحہ ۳۱۲) اس کے بعد ابو ہرہ ازدی ملا اس نے پوچھا۔ آپ نے حرم خدا اور رسول کو چھوڑ کر اس زمانہ میں سفر کیوں اختیار فرمایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ بنی امیہ نے ہمارے حقوق غصب کیے۔ ہم نے صبر کیا۔ ہمیں اعلانیہ برا بھلا کہا۔ ہم نے صبر کیا۔ اب ہمارے خون بہانے کے درپے ہیں۔ اس لیے ہم مکہ معظمہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ (ومعہ ساکبہ ص ۳۱۶)

الغرض آپ ثعلبیہ سے روانہ ہو کر منزل عذیب[1]، رہمیہ، قادسیہ، حاجز، خریمیہ ہوتے ہوئے منزل زبالہ پر پہنچے تو جناب مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن یقطر کی خبر شہادت ملی۔ امام حسین نے واپسی کا خیال کیا۔ پھر نہ جانے کیا سوچ کر آگے بڑھنے سے قدم نہ رکے (تنزیہ الانبیاء ص ۲۸) تب آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ "ايها الناس فمن كان يصبر على حذالسيف وطعن لا سنة فليقم معنا والافليضرف" لوگو! تم میں سے جو تلواریں کھا سکتا اور تیروں کی دعوت برداشت کر سکتا ہے وہ تو میرے ہمراہ رہے ورنہ پلٹ جائے۔ (ابومخنف)

وہ لوگ جو مال کی دولت کی طمع میں راستہ سے ہمرکاب ہو گئے تھے اپنی راہ الگ گئے۔ صرف وہ بہادر جو حسین کے ہمراہ آئے تھے وہی باقی رہے۔ (ومعہ ساکبہ ص ۳۱۸)

آپ منزل زبالہ سے کوچ کر کے بطن عقبہ پر پہنچے۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر منزل شراف یا اشراف پر منزل گیر ہوئے۔

منزل شراف پر آپ نے اپنے جانثاروں کو حکم دیا کہ تمام مشکیں، چھاگلیں، پکھالیں، پانی سے بھر لو تعمیل حکم کی جاتی ہے اور اچھی طرح پانی لے لیا جاتا ہے۔ اور چلچلاتی دھوپ میں روانگی ہو جاتی ہے۔

[1] علامہ مجلسی نے مکہ معظمہ سے کربلا تیرہویں منزل پر لکھا ہے کہ جس کی تفصیل یہ ہے (۱) تنعیم (۲) ثعلبیہ (۳) عذیب (۴) ہیمیہ (۵) قادسیہ (۵) حاجز (۷) خزیمیہ (۸) زبالہ (۹) بطن عقبہ (۱۰) اشراف (۱۱) قصر بنی مقاتل (۱۲) قطقطانیہ (۱۳) کربلا۔ (لامع التعون ترجمہ جلاء العیون) ۵۶۴۴ ص ۴۴۴۔

لشکر حسینی آفتاب کی تمازت' دھوپ کی حدت میں بادیہ پیمائی اور صحرانوردی کرتا چلا جاتا تھا کہ ناگاہ ایک صحابی نے تکبیر کہی "اذ کبر رجل من اصحابه فقال له الحسین الله اکبر لم کبرت قال رائت النخل" امام حسین نے فرمایا: ارے بھئی تکبیر کا سبب' عرض کی مولا مجھے تو خرمہ کی شاخوں اور کیلے کے درخت جیسے کچھ نظر آ رہے ہیں۔ لوگوں نے خیال کرتے ہوئے کہ ادھر نخلستان وغیرہ ہے نہیں۔ غور کرنا شروع کیا سینہ غبار کے بیچ سے گھوڑوں کی کنوتیاں نظر آئیں۔ یقین ہو گیا کہ دشمن آ رہے ہیں۔ طے پایا منزل ذوحسب کی طرف بڑھ کر پناہ گیر ہو جانا چاہیے۔

حر کی آمد اور حضرت عباس کا فریضہ:

امام حسین کے لشکر نے رخ بدلا اور حر نے اس امر کو ناپسند کرتے ہوئے کہ امام حسین منزل ذوحسب جائیں۔ دوڑ دھوپ میں تیزی کر دی۔ لیکن کچھ حاصل حصول نہ ہوا اور امام حسین منزل ذوحسب پر پہنچ گئے۔ لشکر حر اسی تگ و دو میں بے انتہا پیاسا ہو گیا۔ سوار اور سواری دونوں کی زبانیں منہ سے باہر نکل آئیں۔ امام حسین کے جانباز سپاہی سینے تانے کھڑے تھے کہ اتنے میں حر اپنے لشکر سمیت آ پہنچا۔ سوار اور سواری غرضکہ ہر جاندار پیاس سے بے حال تھے۔ زبانیں دہانوں سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ لیکن اس نے فریضہ سے غفلت نہیں کی اور آتے ہی اسی بدحواسی کے عالم میں بروایت کنز العبادات امام حسین علیہ السلام کے لجام فرس پر ہاتھ ڈال دیا۔ اور بروایت ناسخ سامنے اڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا آگے بڑھنا تھا کہ حضرت عباسؑ نے لجام فرس تھام کر فرمایا "ثکلتك امك ما ترید" تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے۔ کیا چاہتا ہے (ماتئین ص ۱۸۳) اس نے آمد کا سبب بیان کیا۔ حسین نے عباس کے غصہ اور جوش کو سقائی کی طرف پھیر دیا۔ ممکن ہے کہ حسینی بہادروں میں سے کچھ ایسے بھی رہے ہوں کہ جن کا خیال رہا ہو کہ دشمن کو آبِ شمشیر سے سیراب کر دینا چاہیے۔ لیکن فرزند ساقی کوثر نے اس کا تصور بھی نہ کیا تھا۔ انہوں نے لشکر حر میں جب پیاس کی یہ حالت دیکھی' فوراً حضرت عباس اور حضرت علی اکبر کو طلب کیا۔ فرمایا: دیکھو یہ نانا کے نام لیوا پیاسے ہیں۔ انہیں جی بھر کے پانی پلاؤ۔ میرے بچوں کی پیاس کا اللہ مالک ہے۔ جب سوار پی چکے تو طشت منگوا کر سواری کے جانوروں کو پلانا شروع کیا۔ بروایت ومعہ سا کبہ جب جانور تین' چار' پانچ مرتبہ طشت سے سر اٹھا اٹھا کر پانی پی چکتے تھے اور خود سے منہ ہٹا لیتے تھے تب طشت سرکا کر دوسرے جانور کے سامنے لایا جاتا تھا۔ (توضیح غرا صفحہ ۲۰۰ طبع دہلی ۱۲۷۱ھ) علی بن طعان محاربی کا بیان ہے کہ میں لشکر حر کا ایک سپاہی تھا۔ کسی وجہ سے اس وقت پہنچا جب سب کو پانی

پلایا جاچکا تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے مجھے یہاں دیکھ کر فرمایا۔ سواری سے اتر اور پانی پی۔ میں اترا۔ امام علیہ السلام نے بہ نفس نفیس اپنے ہاتھوں سے مجھے اور میرے جانور کو پانی پلایا۔
(ومعہ ساکبہ ص ۳۱۰' وناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۱۹)

غرضکہ اسی پانی کے پینے پلانے میں نماز ظہر کا وقت آ گیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کپڑے بدلنے کے لئے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ حجاج بن مسروق موذن نے اذان کہی۔ امام برآمد ہوئے۔ نماز سے پہلے خطبہ میں لشکر مخالف کے سامنے اپنا تعارف پیش کیا۔ اور کوفیوں کے خطوط کا حوالہ دے کر حر کے سامنے خطوط کی دو خورجیاں (بوریاں) ڈلوادیں۔

خطبہ کے بعد نماز باجماعت شروع ہوئی۔ امام حسین نے حر سے فرمایا: "ان ترید ان تصلی باصبحابك فقال الحره بل تصلی انت و نصلی بصلواتك" کہ تم اپنے لشکر والوں کے ساتھ نماز باجماعت پڑھنا چاہتے ہو تو جاؤ۔ اس نے عرض کی آپ نماز پڑھائیں میں (اپنے طریقہ سے) آپ کے ساتھ نماز پڑھوں گا۔ ملاحظہ ہو "انسانیت موت کے دروازہ پر" ص ۴۸

امام حسین علیہ السلام نے نماز سے فراغت حاصل کی اور سب اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد نماز عصر کا وقت آ گیا۔ موذن نے اذان کہی۔ نماز ادا کی گئی۔ آپ نے ایک خطبہ کے بعد کوچ کا حکم دے دیا۔ حر آپ کے راستہ میں حائل ہوگیا۔ آپ نے فرمایا "ثکلتك امك اترید" تیری اماں تیرے ماتم میں بیٹھے۔ آخر چاہتا کیا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ میں آپ کو گرفتار کر کے کوفہ لے جانا چاہتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم حسین کی زندگی میں یہ ناممکن ہے۔ اس نے کہا میں بھی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ جب زیادہ گفتگو بڑھی تو حر نے کہا۔ "مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں ملا۔ مجھے صرف یہ حکم ملا ہے کہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں یہاں تک کہ آپ کو کوفہ پہنچا دوں۔ اگر آپ اسے منظور نہیں کرتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو نہ کوفہ جاتا ہو اور نہ مدینہ منورہ۔ میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں ....شاید اللہ تعالیٰ میرے لئے مخلصی کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ اور آپ کے معاملہ میں امتحان سے بچ جاؤں۔
(انسانیت موت کے دروازے پر ص ۵۰)

امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ حر نے امام حسینؑ کے اس کہنے پر کہ میں تمہارا طلبیدہ آیا ہوں۔ کہا آپ کسی طرف چپکے سے نکل جائیں' میں ابن زیاد کو لکھ دوں گا کہ حسین راستہ بدل کر نہ جانے کس طرف نکل گئے۔ اور میری گرفت میں نہ آئے۔

خان بہادر خیرات احمد صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت حر نے بعد ردو بدل کے شب کے

وقت تخلیہ کی ملاقات کی تو حضرت امام حسین علیہ السلام سے کہا کہ یا حضرت میرا سارا لشکر سوتا ہے۔ آپ اس وقت کوچ کر جائیں کہ جس میں اعدا کے شر سے نجات ملے۔ آپ نے فوراً اس رائے کو قبول کیا۔ اور اسی وقت حضرت عباس کو کوچ کا حکم دیا اور خیمہ اکھڑ گیا۔ الخ۔ معراج شہادت صفحہ ۱۱۔ اس سے قبل صفحہ ۴ پر تحریر فرماتے ہیں۔ کہ حضرت نے اس رائے کو پسند کیا اور کوفہ سے غسانِ عزیمت موڑی اور شب کے وقت کوچ کیا۔ کہ جدھر اللہ تعالیٰ لے چلے ادھر متوکل بخدا چلے چلو۔ الخ

غرض امام حسین علیہ السلام ایک غیر معروف راستے سے "راجع الی الحجاز" حجاز کے رخ پر چل پڑے۔ ساری رات راستہ میں گزری۔ صبح ہوتے ہوتے پھر حر نے گھیر لیا۔ آپ نے فرمایا کل تم نے کیا مشورہ دیا تھا۔ اور آج کیا کر رہے ہو۔ اس نے عرض کی۔ مولا! میں کیا کروں۔ مشورہ کے فوراً بعد ابن زیاد سے میری چغلی کھائی گئی۔ اس نے مجھے لکھا ہے کہ حسین کا اس وقت تک ساتھ نہ چھوڑنا جب تک میرا کثیر لشکر نہ پہنچ جائے۔ مولا حکم میں بڑی سختی ہے اور اب میرے لئے آپ کے چھوڑنے کا کوئی راستہ ہی نہیں۔ (نور الابصار ص ۱۱۷ طبع مصر)

پھر حضرت امام حسین طرماح کی راہبری کے ساتھ روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ "قصر بنی مقاتل" پہنچے۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر نینوا پر ورود ہوا۔ حر ساتھ ساتھ تھا۔ دن کے کسی حصہ میں ایک کوفی ناقہ پر سوار آیا۔ حر کو سلام کیا۔ اور ایک خط دیا۔ یہ خط ابن زیاد کا تھا جس میں لکھا تھا کہ میرا خط پاتے ہی "لا تنزلہ الا بالعراء فی غیر خضر و علی غیر ماء" حسین کو ایسی جگہ پر اتارنا جو بے آب و گیاہ ہو اور جہاں پانی کا نام نہ ہو۔ "تاریخ طبری ص ۳۰۷۔ تاریخ کامل جلد ۴ ص ۲۶۔ تاریخ ابوالفداء جلد ۱۔ ص ۲۰۱ ومعہ ساکبہ ص ۳۳۰، اخبار الطوال دینوری ص ۲۵۰۔ تاریخ ابن الوردی جلد ۱۔ ص ۱۷۲) حر نے حضرت امام حسین کو خط کا مضمون بتایا۔ آپ نے فرمایا اسی نینوا۔ یا پھر غاضریہ میں قیام کرنے کا موقع دو۔ اس نے کہا یہ ناممکن ہے۔ زہیر قین نے عرض کی مولا اجازت دیجئے' یہ ابھی صرف ایک ہزار ہیں ان سے اسی وقت نپٹ لیں۔ حضرت نے فرمایا۔ میں ابتداء بجنگ نہیں کرنا چاہتا۔ (دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۲۱) اس کے بعد آپ نے ایک خطبہ دیا جس کا جواب اصحاب حسین نے بڑی عالی حوصلگی سے پیش کیا۔

زہیر قین کا مشورہ:

جناب زہیر قین نے جب یہ دیکھا کہ مارنے مرنے کی منزل قریب آ گئی ہے حضرت امام حسین علیہ السلام سے عرض کی۔ "بہتر ہوگا اگر حضور کربلا کی طرف روانہ ہو کر نہر فرات کا کنارہ

پکڑ لیں۔ تا کہ باعانت خدا ہم اچھی طرح جنگ کر سکیں۔ یہ سن کر امام حسینؑ رو پڑے اور آگے بڑھنے کے بجائے اپنے اعزاء کو جمع کر کے بارگاہِ احدیت میں عرض کرنے لگے۔ مالک! یہ تیرے نبی کی مظلوم عترت ہے "انصرنا علی القوم الظالمین" ہمیں ظالموں پر فتح نصیب کر۔ امام حسین علیہ السلام نے دعا فرمائی اور اپنی مظلوم عترت و اصحاب کو لئے ہوئے ایک سمت چل کھڑے ہوئے۔ اور قضارا۔ دوسری محرم الحرام ۶۱ھ یوم پنجشنبہ کو سرزمین کربلا پر جا پہنچے۔ ملاحظہ ہو (دمعہ ساکبہ ص ۳۲۱' ناسخ ارشاد مفید' ریاض الشہادتین' جلاء الحیوان' بحار الانور' تاریخ کا خونی ورق' مہیج الاحزان' سفینہ الاولیاء محمد دارا شکوہ صفحہ ۲۴ مطبوعہ ۱۸۷۲ء)[1]

سرفروشانِ اسلام کا سرزمین کربلا پر ورود۔

۲ محرم الحرام ۶۱ھ یوم پنجشنبہ

علامہ ابو اسحاق اسفرائنی لکھتے ہیں:

فانہ لم یزل سائرا ھو ومن معہ متی اتی بلد و فیھا قوم کثیر فسالھم عن اسم ذالک البلد فقالوا لہ شط الفرات فقال ھل لھا اسم غیر ھذا فقالوا لہ سربا ابا عبد اللہ ولا تسال فقال سالتکم باللہ و بجدی رسول اللہ صلعم ان تجزونی عن اسمھا الثانی فقالوا اسمھا کربلا فعند ذالک بکی و قال ھی واللہ ارض کرب و بلاء ثم قال یا قوم ناولونی قبضۃ من تراب ھذہ الارض فاعطوہ قبضۃ من تراب ھذہ الارض منہ فشمہ

حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ کے ہمراہی چلتے چلتے ایک ایسے شہر میں جا پہنچے جہاں آبادی تھی۔ آپ نے وہاں کے..... لوگوں سے پوچھا کہ اس شہر کا کیا نام ہے۔ انہوں نے کہا۔ اسے شطِ فرات کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اس کا کوئی دوسرا نام بھی ہے۔ ان لوگوں نے کہا۔ حضرت اس کا اور نام پوچھے بغیر ہی آپ یہاں سے گزر جائیں آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم کو اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم ہے اس کا دوسرا نام بتاؤ۔ لوگوں نے کہا۔ مولا! اسے کربلا بھی کہتے ہیں۔ یہ سن کر آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم یہ زمین میرے لئے کرب بے چینی

---

[1] حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے لشکر سمیت دوسری محرم الحرام ۶۱ھ کو وارد کربلا ہوئے ہیں۔ اس پر تمام مورخین کا اتفاق ہے تاریخ کے عیون الفاظ یہ ہیں۔ "ثم نزل وذالک یوم الخمیس وھو الیوم الثانی من المحرم سنۃ احدی وستین من الھجرۃ" لیکن خان بہادر مولوی خیرات احمد صاحب گیاوی نے تاریخ ورود کربلا ۳ محرم لکھی ہے (معراج شہادت ص ۵) جو حد اعتبار سے ساقط ہے۔

استخرج طينة من جيبه وقال له هذالطينة جاء بها جبريل من عند الله لجدی رسول الله وقال له ده و قال همارئحة واحدة ثم قال يا قوم انزلوا ولا بتر حوافها هنا والله مناخ ركبنا وهاهنا والله ليسفك و متاوها هنا والله تسی حريمنا وهاهنا والله تقتل رجالنا وهاهنا والله تذبح اطفالنا وها هنا والله قبور نا وهاهنا والله محشرنا و منشرنا وهاهنا يصير العزيز ذليلا و هاهنا والله تقطع اوداجی و تخضب لحيتی بدمی و يغری جدی و ابی وامی من ملائكة السماء وهاهنا والله وعد ربی لجدی ولا خلف لوعده ثم نزل و نزلت اصحابه جميعاً الخ. نور العين فی مشهدالحسين صفحه ۳۶ طبع بمبئی ۱۲۹۲ھ حيواة الحيوان جلد ۱ صفحه ۵۱ طبع مصر ۱۳۱۹ھ اخبار الاوّل و اثار الاوّل صفحه ۱۰۷ طبع تبریز ۱۲۸۲ھ

والی ثابت ہوگئی۔ پھر آپ نے فرمایا! لوگو ذرا مجھے ایک مٹھی خاک تو اٹھادو۔ انہوں نے اٹھا دی۔ آپ نے اپنی جیب سے ایک مٹھی خاک نکالی اور دونوں کو ملا کر سونگھا۔ اور فرمایا! یہی وہ زمین ہے جس کی مٹی جبریلؑ میرے نانا کے پاس لائے تھے اور کہا تھا کہ اسی مٹی میں حسین کی قبر بنے گی۔ پھر ہاتھ سے مٹی پھینک کر فرمایا۔ دونوں مٹیوں کی ایک ہی خوشبو ہے۔ اس کے بعد اپنے جاں نثاروں کو مخاطب کر کے کہا۔ اتر پڑو اور اب ایک انچ بھی نہ بڑھو۔ خدا کی قسم یہیں پر ہماری سواریاں اتریں گی۔ یہیں پر ہمارے خون بہیں گے۔ عورتیں اسیر ہوں گی۔ مرد قتل ہوں گے۔ بچے ذبح کئے جائیں گے اور ہماری قبریں بنیں گی۔ یہیں سے ہمارا حشر ونشر ہوگا۔ یہیں عزت دار ذلیل ہوں گے اور میری خون سے خضاب ہوگا۔ اور میرے نانا، باپ اور ماں کو یہیں تعزیت ادا کرنے کے لئے آسمان سے فرشتے آئیں گے۔ یہیں میرا وعدہ پورا ہو گا۔ یہ سب کچھ فرما کر سب اتر پڑے۔

ابو مخنف کا بیان ہے، کہ حسینی قافلہ روانہ ہو کر، کربلا پہنچا۔ "فوقف فرس الحسين من تحته فنزل عنها ورکب اخرى فلم كنيبعث من تحته خطوه واحدة ولم يزل

ملا جامی لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ اور جبرائیلؑ میں باتیں ہو رہی تھیں۔ اتنے میں حسینؑ آگئے۔ جبریلؑ نے کہا کہ یہ فرزند عنقریب کربلا کے میدان میں قتل ہوگا۔ اور اے رسول اللہ ﷺ! آپ کی امت ہی قتل کرے گی۔ آپ ﷺ نے پوچھا کس زمین پر قتل ہوگا۔ عرض کی میں ابھی ابھی مٹی لائے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر جبریلؑ نے اشارہ کیا اور ایک مٹھی سرخ رنگ کی مٹی کی رسول اللہ ﷺ کو دے دی۔ یہ مٹی جناب ام سلمہ کے پاس ایک شیشی میں رہی ص ۱۷۶۔ امام حسین نے بوقت سفر کربلا اس میں سے کچھ اجزا لے لئے تھے جسے کربلا میں جیب سے نکالا تھا۔ (نور العین صفحہ ۴۶)

یرکب فرسا بعد فرس حتیٰ رکبا سبعة افراس وهن علی هذالحال. فلما راء الامام ذالك الامر الغریب قال یا قوم یا یقال لهذ الارض" چلتے چلتے حضرت کا گھوڑا رک گیا اور ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا۔

چلتے چلتے رک گیا گھوڑا تو حضرت نے کہا
کیا زمین کربلا ہے تیری پہچانی ہوئی

جب گھوڑا کسی طرح نہ چلا تو آپ اتر پڑے اور متواتر سات گھوڑے بدلے۔ کسی نے بھی قدم آگے نہ بڑھائے تو آپ نے اس امر عجیب کو دیکھ لوگوں سے فرمایا۔ بھائی اس زمین کو کیا کہتے ہیں، لوگوں نے غاضریہ نینوا شطِ فرات۔ جیسے نام لئے۔ آپ نے فرمایا۔ "هل اسم لها غیر هذا" کہ اس کا کوئی اور نام بھی ہے۔ الخ ومعہ ساکبہ ص ۳۲۱ طبع ایران۔

فقالوا تسمی کربلا قال انزلوا — واحطوار حالی ان فیه عینتی

لوگوں نے کہا۔ مولا اسے کربلا بھی کہتے ہیں۔ یہ سنتے ہی آپ نے اپنے جاں نثاروں سے فرمایا کہ کاٹھیاں اتار دو۔ یہیں مرا وعدہ موت ہے۔

و فی هذه یا قوم قتلی و مصماعی — و فی هذه یا قوم تهتك حرمتی

اے لوگو! یہی میرا مقتل ہے اور میرے پچھاڑے جانے کی جگہ ہے اور اسی جگہ میری ہتکِ حرمت ہوگی۔

وفی هذه العباس یقتل ظامیا — ولم یحظ من ماء الزلال بقطرة

یہیں پر میرا عباس جیسا قوت بازو پیاسا قتل کر دیا جائے گا۔ اور اسے خوشگوار پانی کا ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوگا۔ (تحفہ حسینیہ ص ۱۰۷۔ طبع ایران)

الغرض حضرت امام حسین اور آپ کے اہل بیت و جاں نثار اتر پڑے۔ امام چونکہ نور خدا ہیں لہٰذا آپ کے اترتے ہی زمین کربلا بقعہ نور بن گئی۔ جناب مفتی محمد عباس صاحب فرماتے ہیں۔

فلما تبدی فی ذویه و منهم — علی و عباس و عون و قاسم
و فی عصبته من صحبه کان منهم — زهیر قین و الحبیب و مسلم
اضاء ت غراض الطف و منه منهم — کان هنا بدر احوالیه انجم

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور قبر امام کو پہچانتے ہیں اور نشان قبر بتا دیتے ہیں۔ واقعہ کربلا کے علاوہ اس کا ثبوت اور دیگر واقعات سے بھی ملتا ہے۔ حضرت علی کی قبر کا نشان ایک گھوڑے نے اس طرح قدم روک کر بتایا۔ علامہ قزدینی لکھتے ہیں کہ حضرت کی قبر خوف بنی امیہ سے پوشیدہ کر دی گئی تھی۔ ۱۷۵ھ میں ہارون رشید کا اس زمین سے گزر ہوا۔ اس کا گھوڑا چلتے چلتے رک گیا۔ چندانکہ جهد نمود اسپش درآں زمیں میں نمی رفت۔ بڑی کوشش کی مگر گھوڑا نہ بڑھا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ حضرت علی علیہ السلام کی یہاں پر قبر ہے نزہتہ القلوب صفحہ ۱۳۴۔ طبع بمبئی ۱۳۱۱ھ)

جب آپ اپنے خاندان جن میں علیؑ، عباسؑ، عونؑ، قاسم وغیرہ بھی تھے اور اپنے اصحاب جن میں زہیر قین حبیب ابن مظاہر مسلم بن عوسجہ بھی تھے۔ سمیت زمین کربلا پر رونق افروز اور جلوہ فرما ہوئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ماہ کامل ستاروں کے جھرمٹ میں ہو۔ (شمع المجالس ص ۳۶ طبع لکھنو)

علامہ اربلی لکھتے ہیں:

''چوں قدم آنحضرت برزمین رسید رنگ خاک زرد شد۔ جب حضرت امام حسینؑ کے قدم زمین پر پہنچے تو چہرہ زمین (خجالت سے) زرد ہو گیا۔ (سیر الآئمہ ترجمہ کشف الغمہ ص ۶۹)

علامہ شیخ جعفر شوستری رقمطراز ہیں کہ (امام حسین کے کربلا پہنچنے اور) کرایہ کشوں کے رخصت کرنے کے بعد سیّدہ ام کلثوم نے عرض کی۔ بھائی جان! یہ زمین ہولناک ہے۔ میرا دل بے چین ہے۔ امام حسین نے فرمایا۔ ہاں ایک دفعہ میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ صفین کی طرف جا رہا تھا۔ ہمارا گزر اس سرزمین سے ہوا۔ والد بزرگوار اس سرزمین پر وارد ہونے کے بعد میرے برادر بزرگوار کی گود میں سر رکھ کر کسی قدر سو گئے۔ جب بیدار ہوئے تو رونا شروع کر دیا۔ میرے برادر بزرگوار نے رونے کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا میں نے ابھی ابھی خواب دیکھا ہے کہ یہ صحرا خون کا سمندر بن گیا ہے اور میرا لخت جگر ''حسین'' اس دریائے خون میں ہاتھ مار رہا ہے اور کوئی اس کی فریاد کو نہیں پہنچتا۔ پھر مجھ سے فرمایا: ''**کیف تکون یا ابا عبد الله اذا وقعت ههنا الواقعه**'' بیٹا تیرا کیا حال ہو گا۔ جب یہ واقعہ ظہور پذیر ہو گا۔ میں نے عرض کی بابا میں صبر کروں گا۔ (الارشاد و الغرا صفحہ ۱۴۷)

نصب خیام اور حضرت عباس علیہ السلام:

حضرت امام حسینؑ نے حضرت عباس اور دیگر جانبازوں کو نصب خیام کا حکم دیا۔ پس امام حسین علیہ السلام دبفرمود تا خیمہ ہا برزدند۔ (کشف الغمہ ص ۶۹) چنانچہ لب فرات خیمے نصب کر دیئے گئے۔ (شہید اعظم ص ۱۱۱) حر جسے پہلے سے حکم تھا کہ حسین کو ایسی جگہ اتارے جہاں پانی کا نام و نشان تک نہ ہو۔ اس نے مزاحمت کی ''**وحال بین بحرء الفرات و بین الحسین و من معه**'' اور نہر فرات اور امام حسین کے درمیان حائل ہو گیا۔ (نور العین ص ۴۶) اسد اللہ کے شیر حضرت عباس نے جب یہ بے ادبی و گستاخی دیکھی جوشِ شجاعت میں آپے سے باہر ہو گئے۔ امام حسینؑ نے آپ کے غصہ کو فرو کیا۔ فاضل معاصر جناب مولوی ریاض علی صاحب بنارسی مصنف ''الکرار'' لکھتے ہیں:

پچھلے صفحہ سے متعلق ضروری نوٹ

واضح ہو کہ یہ اس حکم کی تعمیل ہے جو حر کو حضرت امام حسین کے اتارنے کے متعلق دیا گیا تھا ''جو قصر مقاتل'' میں حر کو ملا تھا۔ اور جس کا مضمون یہ تھا کہ امام حسین کو ایسی جگہ اتار جہاں، پانی نہ ہو۔ الخ اسی بناء پر حر نے امام حسین کو گھیر کر کربلا پہنچایا۔ اور جب امام حسین نے لب آب قیام کیا تو حر نے مزاحمت کی اور پانی سے دور آپ کو تین میل کے فاصلے پر ٹھہرایا۔ تاکہ تعمیل حکم ہو جائے اور ابن زیاد کی طرف سے عتاب نازل نہ ہو۔

حر کے لئے ابن زیاد کے حکم میں کہیں یہ موجود نہیں کہ امام حسینؑ اور ان کے اہل بیت پر پانی بند کر دے اور نہ ہی یہ موجود ہے کہ امام حسین سے لڑے۔ جیسا کہ حر نے امام حسین سے پہلی ملاقات میں ظاہر کیا تھا۔ حر کو پہلا حکم یہ تھا۔ کہ امام حسین کو گھیر کر کوفہ لاؤ۔ مگر جب حالات سے اس نے باخبر کیا۔ تو یہ حکم آیا۔ کہ انہیں ایسی جگہ اتارو۔ جہاں پانی نہ ہو چنانچہ حکمنامہ میں یہ جملہ ''فلا تنزلہ الا بالعراء'' موجود ہے۔

صاحب اظہار حقیقت نے صفحہ ۱۰۸ پر جو یہ لکھا ہے:

''ظاہر ہے کہ حکومت نے اپنے اس حکم کے ذریعہ امام حسین پر بندش آب کا حکم دے دیا تھا۔ جس کی تعمیل کرنا لشکر حر کے لئے ضروری تھا۔ چنانچہ موجودہ لشکر یزید نے سختی کے ساتھ حکم کی تعمیل کی۔ اور حسین پر پانی روک دیا۔''

اور صفحہ ۱۰۹ پر نور العین کی عبارت کے ترجمہ میں یہ لکھا ہے ''اور حسین اور اصحاب حسینؑ کے لئے پانی روک دیا۔ الخ۔

حقیقت سے دور معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ نہ حر کو بندش آب کا حکم تھا نہ اس نے اس کی تعمیل کی۔ اس کو تو اس موقع پر صرف اس امر کا حکم تھا کہ حسین کو لب آب نہ اترنے دے تاکہ جنگ چھڑے تو وہ حسین پانی سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ (نجم الحسن)

حضرت عباس کی سرگرمیاں حسین دیکھتے ہیں۔ پیار سے مسکراتے ہیں اور صبر کی تلقین فرماتے ہیں (شہید اعظم ج ۲ ص ۱۷۴)

غرض کہ خیمے لب فرات سے اٹھا لئے گئے اور بقول اسفرئنی تین میل، پانچ میل یا ایک فرسخ کے فاصلہ پر نصب کر دیئے گئے ''ثم ان الحسین امر بنصب الخیام للحریم والاولاد و جعل یصلح سیفہ والۃ حربہ وھو یبکی'' پھر امام حسین نے اہل بیت اور اولاد کے لئے خیموں کے نصب کا حکم دیا۔ اور اپنی تلوار وغیرہ کو صاف کرتے ہوئے رونے لگے۔ (نور العین صفحہ ۴۶)

خیام میں داخلہ سے پہلے:

خیام نصب کئے جا چکے ہیں۔ ابھی اہل حرم داخل خیمہ نہیں ہوئے کہ حضرت امام حسین نے بے وفائی دنیا سے متعلق کچھ اشعار پڑھے جس کا پہلا شعر یہ تھا۔

یادھر اف لک من خلیل　　　　کم لک بالاشراق والاصیل

اے دنیا تجھ پر تف ہے کہ تو نے صبح و شام کیسے کیسے دوست تباہ کر دیئے۔ الخ ناسخ التواریخ جلد ۶ شہید اعظم۔ عبدالحمید ایڈیٹر مولوی دہلی ص ۱۱۴

امام حسین علیہ السلام کے اشعار کا پڑھنا تھا کہ بیبیوں میں رونے کا کہرام برپا ہو گیا اور حضرت زینب پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ آپ بے ہوش ہو گئیں۔ امام حسین نے بہن کے رخسار پر پانی چھڑکا تب حضرت زینب کو ہوش آیا۔ (سوانح کنتوری ص ۱۹۱ طبع لاہور) لھوف صفحہ ۱۰۶ طبع ایران، الاثارۃ الاخران قلمی ص ۳۶) [۲]

ثم دخلن الخیام فسایحن و علت اصواتھن من کلامہ بالبکاء والنحیب مدخل الیھن الخیام وقال طعن صبرایا اھل البیت فقالت زینب لا صبر لنا علی فقدك ولا تطیب لنا الحیواۃ من بعد کیف لا نبکی وانت تقول ھذا الکلام وندالك قتیلا ومالك نھبا بین العدی وحریمك سبایا و جثتك الطیبۃ ترزی علیھا الریاح فکیف لا نبکی۔

(نور العین ص ٤٧)

پھر بیبیاں داخل خیمہ ہوئیں۔ ان کے رونے کی آوازیں۔ چیخ و پکار کی صدائیں بلند تھیں۔ یہ سن کر امام حسین نے خیمہ میں داخل ہو کر فرمایا۔ اے اہل حرم صبر کرو۔ زینب نے کہا۔ بھیا تمہاری شہادت پر کیسے صبر کروں۔ اب مجھے زندگی کیسے اچھی لگے بھائی تمہارے اس قول سے تو میں تمہیں مقتول، تمہارے مال کو لٹتا ہوا۔ تمہاری حریم کو قیدی اور جسم کو ریزہ ریزہ دیکھ رہی ہوں۔ تو پھر کیسے نہ روؤں۔

---

[۱] ابوالکلام آزاد نے اپنے رسالہ انسانیت موت کے دروازے پر میں اشعار کا امام حسین کو پڑھنا شب عاشور دکھلایا ہے جو پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔ ۱۲ منہ۔ مورخ زمانہ حضرت ریاض نباری لکھتے ہیں کہ جس روز حضرت امام حسین وارد سرزمین نینوا ہوئے روز پنجشنبہ تھا اور محرم ۶۱ھ کی بقول ابن خلدون دوسری تاریخ تھی۔ نہر فرات پر خیمے نصب ہوئے۔ اصحاب و انصار خیموں میں تھے۔ اور حسین ان اشعار کی تلاوت فرما رہے تھے۔ "یادھر اف لک من خلیل" ان اشعار کو سن کر جناب زینب پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ آپ غش کر گئیں جس پر امام حسین نے کھڑے ہو کر منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے (شہید اعظم ص ۱۱۱) ومقتل ابی مخنف ص ۲۴ طبع بمبئی ۱۳۱۱ھ مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ صفحہ ۹۴) لھوف ص ۳۴ طبع بمبئی ۱۳۰۰ھ ینابیع المودۃ ص ۳۳۹۔ طبع بمبئی ۱۳۰۲ھ

[۲] بعض حضرات نے اس واقعہ صب ماء کو شب عاشور کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے لیکن یہ پایہ اعتبار سے ساقط ہے ان لوگوں کے ذکر کا ماخذ تاریخ طبری ہے۔ علماء اہل سنت اس روایت کو ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں اس لئے کہ اس کے سلسلہ روایت میں ابوضحاک ہے جو مجہول ہے (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۶۶ طبع مصر ۱۳۲۵ھ)

علامہ سپھر کاشانی 'لسان الملک لکھتے ہیں: حضرت امام حسین علیہ السلام نے اسی موقع پر حضرت زینب کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ "لو ترك القطا لنام" اگر قطا طائر چھوڑ دیا جاتا یعنی اب اگر میری کسی طرح بیعت کے بغیر رہائی ممکن ہوتی تو میں مدینہ منورہ واپس چلا جاتا۔" (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۲۵)

زمین کربلا کی خریداری:

امام حسین علیہ السلام مخدرات عصمت و طہارت کو سمجھا بجھا کر خیمہ زینب سے برآمد ہوئے اور نینوا و غاضریہ کے زمینداروں کو طلب فرمایا۔ جب وہ آئے تو ان سے اپنے حالات بیان فرمائے اور ان کے اپنے قتل و غارت کا یقین دلا کر ان سے کربلا کی زمین کی خریداری کا سوال کیا اور ساٹھ ہزار درہم پر ۱۶ مربع میل زمین خریدی۔ اور دو شرطوں کے ساتھ انہیں کے لئے ہبہ کر دی۔[۱] علامہ شیخ بہائی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

ان الحسین اشتری النواحی التی فیها قبره من اهل نینویٰ و الفاخریة (والغاضریه) بستین الف درهم و تصدق علیهم بها و شرط ان یرشد والی قبره و یضیفوا من زاره ثلاثه ایام. (کشکول بهائی ص۹۱. طبع مصر ۱۳۰۵ھ وشاہ یشرب صفحه ۲۴۰ طبع لاهور

امام حسین علیہ السلام نے اطراف سمیت زمین کربلا و نینوا اور غاضریہ والوں سے ساٹھ ہزار درہم میں خرید لی جن میں آپ کی قبر مبارک ہے۔ پھر اس زمین کو ان دو شرطوں کے ساتھ انہیں کے لئے ہبہ کر دی نمبر ۱ جو زائر آئے اسے قبر کا نشان بتائیں نمبر ۲ اس آنے والے کو تین روز تک مہمان رکھیں۔

---

[۱] سید ابن طاؤس فرماتے ہیں کہ اہل نینوا اور غاضریہ نے چونکہ شرطیں پوری نہ کیں اس لئے یہ وقف ٹوٹ گیا اور حضرت کی اولاد اور دوستوں کے لئے اس کا استعمال حلال ہو گیا۔ (کشکول ص ۹۱ مجعہ ص ۲۳۴ طبع لکھنؤ)

[۲] تحفۃ العوام مصدقہ جناب مفتی سید احمد علی صاحب قبلہ مجتہد العصر کے صفحہ ۱۹۴ پر ایک زیارت ہے جس میں حضرت عباس علیہ السلام حضرت قاسمؑ حضرت حبیب ابن مظاہر حضرت حر وغیرہ کی قبروں کو حائر سے علیحدہ فرمایا گیا ہے۔ اگر درایتی حیثیت نصی اعتبار سے یہ زیارت درست ہے تو جائے دم زدن نہیں۔ اس لئے کہ یہ زیارت حضرت صادق آل محمد کی طرف منسوب ہے لیکن پھر بھی بعض حضرات نے جو حائر کے حدود بتلائے ہیں۔ ان سے حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام وغیرہ کی قبر کے داخل حائر ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ صاحب لغات کشوری ص ۱۴۷ پر لکھتے ہیں کہ حائر وہ موضع ہے جہاں امام حسین کا مشہد واقع ہے۔ مجمع البحرین ورق ۵۳۹) علامہ محمد بن مرتضیٰ ملقب بہ محسن اپنی کتاب مفاتیح الشرائع قلمی ۱۲۴۷ھ میں خاک شفا کے کھانے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قبر حسین کے گرد اگرد ستر ہاتھ یا چار فرسخ تک حائر ہے۔ علامہ ابو الفضل شرح زیارت کے سلسلے میں زیر جملہ "حلت بفنائك واناخت بساحتك" تحریر کیا ہے کہ اگرچہ ابوالفضل

عباس علیہ السلام کی قبر حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر سے دور ہے۔ لیکن داخل "زحل و فنا و ساحت" ہے ملاحظہ ہو شفاء الصدور ص ۱۰۸ طبع بمبئی ۱۳۰۹ھ

۳۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ خلقتِ زمین کعبہ سے چوبیس ہزار سال قبل زمین کربلا کی تخلیق ہوئی علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ یہ زمین متبرک زمین ہے۔ علاج کے لئے اس کی خاک کھانے کی اجازت ہے۔ اس لئے کہ یہ خاک شفا ہے۔ اس زمین کے علاوہ کسی نبی یا امام کی تربت کی خاک تبرکاً کھانا جائز نہیں ہے۔ (تحفۃ الزائر طبع ایران) باب فضیلت کربلا" علامہ سیّد حسین صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ خاک کربلا کی ایک عجیب صفت تحریر فرماتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ وباید کہ باتو باشد اند کہ از خاک حریم امام حسین از برائے حفظِ جان و مال تو دو وقت بر در شتن آں بگو۔ "اللھم انی اخذتھا من قبر ولیك اتخذتھا حرزا لما اخاف ولما لا اخاف" جب سفر کا ارادہ کرو تو حفظ جان و مال کے لئے خاک شفا اپنے ہمراہ رکھو۔ اور خاک شفا ہمراہ رکھتے وقت یہ دعا پڑھو۔ "اللھم انی اخذتھا" وسیلۃ النجات ص ۲۵۶ طبع لکھنو۔

میرے استاد محترم جناب مولانا سیّد عدیل اختر صاحب قبلہ پرنسپل مدرسۃ الواعظین لکھنو۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جس مال میں خاک تربت ہو وہ چوری نہیں جاتا۔ مجھے اس کا تجربہ ۱۹۴۰ھ میں ہوا۔ ماہ مبارک کا زمانہ تھا اور میں کواتھ ضلع آرہ صوبہ بہار میں مقیم تھا۔ میرا سارا سامان سیّد عابد حسین صاحب وکیل سیوان ضلع سارن کے وہاں رکھا ہوا تھا۔ قضارا ان کے گھر میں چوری ہوگئی اور ان کا سارا اثاث البیت چور اٹھا کر لے گئے۔ جس کمرہ میں ان کے برتن رکھے تھے اسی کمرہ میں میرا بکس اور ناشتہ دان بھی تھا۔ انہوں نے مجھے لکھا کہ سخت حیرت ہے کہ جس جگہ آپ کا سامان تھا وہیں میرا سامان تھا۔ میری چیزیں چوری چلی گئیں۔ اور آپ کا سامان بچ گیا۔ مجھے خود تعجب تھا۔ جب سیوان پہنچ کر سامان دیکھا تو معلوم ہوا کہ دونوں سامان میں سجدگاہ رکھی ہوئی ہے۔ میں سمجھ گیا کہ اسی خاک تربت نے میرے مال کی حفاظت کی ہے۔

میں ایک شب حاجی غلام حسین صاحب رئیس پشاور کے ہاں مجلس پڑھنے جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک سنی دوست نے شیعوں پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ خانہ کعبہ پر بھی زمین کربلا کو فضیلت دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے مردوں کو کعبہ کے بجائے کربلا میں دفن کرنا متبرک اور اچھا جانتے ہیں۔ یہ کیسے درست ہوسکتا ہے اگر اس کی کوئی خاص وجہ آپ بتائیں تو بہتر ہے۔ میں نے کہا مجلس میں چلو۔ میں نے مجلس میں تقریر کرتے ہوئے ان کے موضوع کا بھی جواب دیا۔ اور جوابوں کے علاوہ ایک جواب یہ بھی تھا کہ ہم اپنے مردوں کو زمین کربلا میں اس لئے دفن کرتے ہیں کہ ایک دن یہ زمین اپنے تمام مدفون مردوں سمیت جنت میں اٹھالی جائے گی۔ جیسا کہ روایات میں موجود ہے تو ہمارے مردے بلا حساب کتاب اپنے مسکن سمیت جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ زمین کعبہ کے لئے اس قسم کی کوئی روایت میری نظر سے نہیں گزری۔ الخ۔ واضح ہو کہ بعض حضرات مطلقاً نقل نعش کے مخالف ہیں اور اسے برا جانتے ہیں۔ لیکن دراصل یہ فعل ممنوع نہیں۔ بلکہ سنت نبویؐ ہے۔ حضرت آدمؑ کی نعش زمانہ طوفان نوحؑ میں منتقل کی گئی۔ حضرت یوسفؑ نے حضرت یعقوبؑ کی نعش فلسطین سے شام میں منتقل کی شریعت ابراہیمیؑ میں نعش کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا بلا خلاف جائز تھا۔ شریعت محمدیہ میں اگرچہ بعض علماء نے اس کی ممانعت کی ہے مگر کسی حدیث تیز قرآنی آیت میں اس کی صراحت نہیں کی گئی۔ (اعظم التفاسیر۔ سنی۔ ج ۲ ص ۱۲۷)

کتاب من لا یحضرہ الفقیہ میں ہے کہ زمین کربلا "روضۃ من ریاض الجنۃ" جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے الخ۔ اس کی تصدیق کے سلسلہ میں علامہ شیخ بہاء الدین عاملی فرماتے ہیں کہ مجھے علم رمل سے عقیدت نہ تھی۔ ایک دن ایک یہودی رمال سے ملاقات ہوئی۔ میں نے خاک شفا کی تسبیح کو مٹھی میں دبا کر پوچھا۔ بتایئے میرے ہاتھ میں کیا ہے اس نے بہت سوچ بچار کر کے کہا کہ تمہارے ہاتھ میں جنت کی مٹی معلوم ہوتی ہے اسی دن سے مجھے علم رمل سے شغف پیدا ہو گیا۔

حرم کربلا کے حدود:

حضرت صادق آل محمد ارشاد فرماتے ہیں۔

حرم حسین الذی اشتراہ اربعة امیال فی اربعة امیال فهو حلال اولادہ و موالیه وحرام علی غیر هم اخالفهم و فیه البرکة. (کشکول ص۹۱)

حرم حسین وہی ہے جسے امام حسین علیہ السلام نے ۱۶ مربع میل خریدا ہے جو ان کی اولاد اور دوستوں کے لئے حلال اور دشمنوں کے لئے حرام ہے۔ اور اس میں بڑی برکت ہے۔

زمین کربلا کی فضیلت:

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ خلاق عالم نے خلقِ زمین کعبہ سے ۲۴ ہزار سال قبل زمین کربلا کو پیدا کیا ہے اور اس میں برکتیں بھر دی ہیں۔ "فلا زالت الارض کربلائے مقدسة مبارکة طاهرہ" اور یہ زمین ہمیشہ سے مقدس مبارک طاہر ہے۔ "و انها اذا زلزل الله الارض و سیرها رفعت کما هی" اور جب قیامت کا منظر ہوگا زمینوں کو زلزلے آئیں گے اس وقت یہ زمین پوری کی پوری مجسم اٹھا کر جنت میں پہنچا دی جائے گی۔ اور جنت کا بہترین طبقہ قرار دی جائے گی۔ اور اس میں انبیاء مرسلین اور، اوالوالعزم پیغمبران فروکش ہوں گے اور وہ پورا طبقہ کوکب دری کی مانند چمکتا ہوگا اور وہ زمین فخر و مباہات کرتی ہوگی اور کہتی ہو گی میں وہ مقدس، پاک اور مبارک زمین ہوں جس کی آغوش میں سیّد الشہداء سیّد شباب اہل الجنہ ابوعبداللہ الحسین کا جسد مبارک جلوہ افروز ہے۔ مجھے زمین کعبہ پر فخر حاصل ہے۔ الخ۔ معالم الزلفی ص ۳۰۷ طبع ایران

زمین کربلا کی خریداری کے بعد بنی اسد سے وصیت:

جناب حکیم محمد حسن صاحب میرٹھی لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ نے دوسری ہی محرم الحرام ۶۱ھ کو چار میل زمین ساٹھ ہزار درہم میں خرید لی۔ اس کے بعد اس زمین کو انہیں کے نام ھبہ کر کے ذیل کی وصیتیں فرمائیں۔

۱۔ جہاں ہماری قبریں بنیں وہاں پر کاشت نہ کرنا۔

۲۔ ہمارے زائروں کو ہماری قبروں کے نشانات بتاتے رہنا۔

۳۔ ہمارے ہر زائر کو تین شبانہ روز مہمان رکھنا۔

۴۔ جب ہم قتل کردیئے جائیں اور ہماری لاشوں کے دفن کی فکر کرنا‘ اگر ہر ایک علیحدہ علیحدہ دفن نہ کرسکو تو ایک گڑھا کھود کر سب کو دفن کر دینا۔

مردوں سے اس وصیت کے بعد عورتوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اگر تمہارے مرد خوف حاکم سے ہمیں دفن نہ کریں تو انہیں غیرت دلا کر ہماری لاشوں کو تہ خاک چھپا دینا۔

پھر بچوں کی طرف متوجہ ہوئے اور آبدیدہ ہو کر فرمایا۔ اے بچو! اگر تمہارے ماں باپ ہمارے دفن میں اغماض کریں تو تم سب ایک ایک مٹھی خاک لے کر ہمارے اجساد بے سر پر اس قدر ڈالنا کہ ہم غریب الدیار لوگوں کی لاشیں چھپ جائیں۔ ’’مجالس عزا‘‘ ص ۶۰ و ص ۶۳ طبع میرٹھ ۱۹۱۴ء

حضرت امام حسین کے نام ابن زیاد کا پیام:

محرم کی دوسری[1] تاریخ ہے اور دن کا بڑا حصہ خرید و فروخت زمین کربلا اور دیگر انتظامات میں گزر چکا ہے کہ ناگاہ ابن زیاد معلون کا خط امام حسین علیہ السلام کے نام پہنچا۔ جس میں مرقوم تھا۔

اما بعد یا حسین فقد بلغنی نزولك بكربلا وقد كتب الی امیر المؤمنین یزید ان لا اتوسد الوثیر ولا اشبع من الخمیر الا الحقك یا اللطیف الخبیر. اور ترجع الی حكمی وحكم یز بن معاویه

ترجمہ: اے حسین تمہارے کربلا پہنچنے کی خبر ملی۔ اور یزید کا خط بھی ملا۔ وہ مجھے لکھتا ہے کہ میں اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں اور پیٹ بھر کھانا نہ کھاؤں۔ جب تک یا تم سے بیعت نہ لے لوں یا تمہیں قتل نہ کر ڈالوں۔

ابن زیاد دید نہاد کا نامہ بر خط لئے ہوئے حضرت سیّد الشہداء کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ آپ نے خط پڑھا۔ اور زمین پر پھینک کر فرمایا۔ ’’لا افلح قوم اشتروا مرضاة المخلوق بسخط الخالق‘‘ وہ قوم نجات نہیں پا سکتی جو رضائے مخلوق کے لئے خالق کو ناراض کرتی ہے۔

نامہ بر نے جواب مانگا تو آپ نے فرمایا: ’’ماله ذا عندی جواب لانه قد حقت علیه كلمة العذاب‘‘ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ اس لئے کہ اس کے واسطے عذاب معین ہو چکا ہے۔ ناسخ جلد ۶ صفحہ ۲۳۰

---

[1] صاحب خلاصۃ المصائب کی اس تحریر سے جو انہوں نے بروایت عبداللہ ابن اسود ۱۲ محرم کو ایک قافلہ کا زمین کربلا پر آنا لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ۴ محرم الحرام کا ہے ۱۲ ص ۲۶۱

نامہ بر نے ابن زیاد تک کل واقعہ پہنچا دیا۔ حضرت کا عذاب آسا جواب پاتے ہی ابن زیاد آتشِ زیر پا ہو گیا۔ اور آگ بگولہ ہو کر ابن سعد کو طلب کیا۔ ''جو'' ملک عجم میں قبیلہ دیلم کے مقام ''دستی'' پر باغیانہ قبضہ کو روکنے کے لئے چار ہزار کی فوج لئے ہوئے مقام ''حمام اعین'' پر ٹھہرا ہوا تھا۔ اور اس سے کہا کہ قتل حسین کی زبردست مہم درپیش ہو گئی ہے۔ پہلے اسے سر کر لے۔ پھر ایران کی طرف رخ کرنا۔ عمر سعد نے کچھ تکلف کیا۔ اور ہچکچاہٹ ظاہر کی۔ بقول صاحب ناسخ ابن زیاد نے ابن سعد کو دس سالہ ''رے'' کی گورنری دینے کا وعدہ کیا اور بقول دیگر مورخین ابن زیادہ نے کہا کہ اگر تو اس مہم کو سر کرنے کا بیڑا نہ اٹھائے گا تو وہ پروانہ حکومت ''رے'' جو دس سال کے لئے تجھے دیا گیا ہے واپس لے لیا جائے گا۔ (جلاء العیون ص ۱۹۶ نور الابصار ص ۱۱۷) عمر بن سعد نے سوچ بچار کے لئے ایک شب کی مہلت مانگی مہلت ملی۔ گھر آیا۔ رات بھر بعض اصحاب رسول اور انصار چھپ چھپ کر اس کے مکان پر آئے اور اسے سمجھاتے رہے لیکن جب صبح ہوئی تو اس ملعون کی زبان پر چند شعر تھے جن میں سے ابتداء کے تین شعر ہیں۔

فو اللہ ما ادری و انی لحائر　　　افکرنی امری علی خطرین

اللہ تعالٰی کی قسم سخت حیران ہوں اور دو اہم امروں کے بارے میں سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کو اختیار کروں اور کسے ترک کروں۔

لاترک ملک الرے والرے میتی　　　ام اصبح ماثوما بقتل حسین

آیا ملک رے کو چھوڑ دوں اور آنحالیکہ وہ میری اہم تمنا کا مرکز ہے۔ یا قتل حسین سے گناہ گار بن جاؤں۔

حسین بن عمی والحوادث جمۃ　　　لعمری ولی فی الرے قرۃ العین

حسین میرا چچا زاد بھائی ہے اور بڑے حوادث میں گھرا ہے لیکن اپنی قسم ملک رے کی گورنری میں بھی آنکھوں کی ٹھنڈک موجود ہے۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ عمر بن سعد نے جب ان اشعار کو سپرد نوک زبان کیا۔ ہاتف غیبی نے آواز دی

الا ایھا النسل الذی خاب سعیہ　　　وراح من الدنیا بخسۃ عین

اے وہ فاسد النسب جس کی کوشش برباد ہو کے رہے گی اور جو دنیا سے بری طرح اٹھے گا

ستصلی حجیما لیس لطیفی لھبھا　　　وسعیک من دون الرجال بشین

عنقریب تو ایسے جہنم میں جھونک دیا جائے گا جس کے شعلے بھڑکتے ہی رہیں گے۔ اور تیری سعی بدترین ثابت ہوگی۔

اذا کنت قاتل الحسین بن فاطم　　　وانت تراہ اشرف الثقلین

اور جبکہ تو حسین بن فاطمہ کو اشرف کائنات جانتے ہوئے ان سے مقابلہ پر آمادہ ہو رہا ہے

فلا تحسبنی الویٰ یا اخسر الوری　　　　تقوزبه من بعد قتل حسین

تو یہ بھی جان لے اے بدترین خلائق کہ تو قتل حسین کے بعد حکومت رے پر فائز نہ رہے گا۔

الغرض صبح ہوتے ہی ابن سعد' ابن زیاد کے دربار میں حاضر ہوا۔ ابن زیاد نے مسجد جامع میں خطبہ دیتے ہوئے کہا۔ وہ کون بہادر ہے جو حسینؑ کو قتل کر کے دس سال کے واسطے مجھ سے حکومت رے کی گورنری لے کر آرام وچین کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ عمر بن سعد بن ابی وقاص صحابیِ رسول' نے بڑھ کر کہا' میں حاضر ہوں۔ میں حسین کو قتل کر کے امیر اور یزید کی رضا مندی حاصل کروں گا۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۳۰ تا ص ۲۳۲۔ وکتاب المیلان ابن فقیہ ص ۱۷۱

دوسری محرم کو حضرت امام حسین کا خطبہ:

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ابن زیاد کے نامہ بر کو سخت جواب دینے کے بعد اپنے اصحاب کو جمع فرمایا۔ اور ایک نہایت فصیح وبلیغ خطبہ دیا۔ علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ اس کا ترجمہ یہ ہے:

"آپ نے فرمایا کہ اب میں اس منزل میں ہوں کہ اسے میں ہی جانتا ہوں اور دنیا نے مجھ سے منہ پھیر لیا ہے۔ اور دم لبوں پر ہے اور لوگوں نے حق سے ہاتھ کھینچ لیا ہے اور باطل کو حق جان رہے ہیں۔ جو شخص کہ اللہ تعالیٰ اور روز جزا پر ایمان رکھتا ہے۔ اسے چاہئے کہ دنیا سے منہ پھیر لے اور اللہ تعالیٰ کا مشتاق ہو بیٹھے۔ کیونکہ شہادت ایک شرف ابدی ہے۔ (لیکن) ان دشمنوں کے ساتھ لڑ بھڑ کر اپنی زندگی ختم کر لی اور ان کی غلبگی سوا محنت ومشقت اور تکلیف کے اور کوئی فائدہ نہیں رکھتی۔ یہ سن کر زہیر قین کھڑے ہو گئے اور عرض کرنے لگے کہ مولا اگر دنیا ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ہے تو البتہ آپ کا فرمانا درست ہو سکتا تھا۔ لیکن ایسی صورت میں جب زندگی صرف چند روزہ ہے۔ پھر آپ کی نصرت سے ہاتھ اٹھانے میں کیا فائدہ ہے۔ ان کے بعد ہلال بن نافع بھی کھڑے ہو گئے اور عرض کرنے لگے۔ مولا! ہم لوگوں نے دل سے عہد کیا ہے اور آپ پر قربان ہونے کو سعادت ابدی جانتے ہیں۔ مولا! ہم ان منافقین میں سے نہیں ہیں جو عہد رسول ﷺ میں لمبے لمبے وعدے کرتے اور موقع پر دھوکا دیتے رہتے تھے۔ اور امیر المومنین وامام حسنؑ کے ساتھ برا سلوک کرتے رہے۔ مولا! آج آپ بھی اسی قسم کی مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہمارے ارادے بڑے مستحکم اور عزم بہت مضبوط ہیں۔ ہم انشاء اللہ آپ پر کمال دلیری کے ساتھ قربان ہوں گے۔ مولا! ہم آپ کے دوستوں کو دوست اور آپ کے دشمنوں

کودشمن سمجھتے ہیں۔ جو آپ کا حکم ہوگا۔ بسر وچشم بجالائیں گے۔

پھر بریر بن خضیر کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی اسی طرح جانبازی اور جاں نثاری کے جذبات کا اظہار کیا امام حسین علیہ السلام نے اپنے ان جانبازوں کو دعائیں دیں اور اپنے اہل بیت کی طرف متوجہ ہو کر بارگاہ خداوندی میں کلمات دعا عرض کیئے۔ جلاء العیون ص ۱۹۷ طبع ایران ۱۳۰۱ء

امام حسینؑ کا خط محمد حنفیہ کے نام:

حضرت امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ اسی دوسری محرم کو حضرت امام حسینؑ نے حضرت محمد حنفیہ کو ایک خط لکھا تھا جس میں تحریر فرمایا تھا:

امابعد۔ بس بدانید کہ ترک زندگانی کردیم۔ ودل برشہادت گزاشتیم ودنیارا چنیں قرار دادیم کہ ہرگز نہ بودہ وآخرت را باقی ودوائم می دانیم۔ وآخرت را بر دنیا اختیار کرویم۔ والسلام

ترجمہ: بھائی! میں کربلا پہنچ گیا ہوں اور اب زندگی سے ہاتھ دھو چکا ہوں۔ اور شہادت کی ٹھان لی ہے۔ دنیا کو فانی اور آخرت کو باقی جانتا ہوں۔ (اسی لئے) دنیا پر آخرت کو ترجیح دے دی۔ والسلام۔ جلاء العیون ص ۱۹۶۔

علامہ شیخ جعفر شوستری کتاب المواعظ والبکاء کی دوسری مجلس میں ارشاد فرماتے ہیں۔

''آج دوسری محرم ہے۔ دیکھئے آج ابن زیاد نے کثرت سوار پیادہ سے کوفہ سے قادسیہ یا قطقطانیہ تک تمام راستے مسدود کر دیئے ہیں۔ تاکہ کوئی شخص آنجناب کی مدد کے لئے نہ پہنچ سکے۔ یا کوئی آنحضرت کی طرف سے کوفہ نہ پہنچ سکے۔ ہم روحانی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ آنحضرت اموی لشکری میں محصور ہو چکے ہیں۔ اور یزیدی فوجوں کے گھیرے میں آگئے ہیں۔ آنحضرت کے اس گھیرے کو حر بن یزید ریاحی نے جن الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ہم اس کا مخلص کتاب بحار الانوار سے پیش کرتے ہیں۔ حضرت حر لشکر یزید کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں: ''ارے تم نے اللہ تعالیٰ کے اس عبد صالح کو اپنے ملک میں آنے کی دعوت دی۔ اس نے قبول کیا۔ تو اس پر تم نے انہیں تمام اطراف وجوانب سے گھیرے میں لے لیا۔ اور سانس لینے کا راستہ بھی تنگ کر دیا۔ ان لوگوں نے امام حسین کو ان کے جد پاک کے حرم سے علیحدہ کیا۔ پھر انہوں نے بیت اللہ کا قصد کیا۔ اس دارالامان میں بھی امن سے نہ بیٹھنے دیا۔ یہاں تک کہ آپ منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے واردزمین کربلا ہوئے۔ ذرا امامت کی مظلومیت اور مصیبت کو دیکھئے۔ جو شخص راستے میں ملتا ہے۔ عرض کرتا ہے۔ یمن چلے جائیے وہاں آپ کے شیعہ ہیں۔ کبھی کوئی کہتا ہے کہ فلاں پہاڑ میں پناہ

لیجئے۔ آخر کار سرکار سیّدالشہداءنے فرمایا۔ ''اے فلاں! اگر میں چیونٹی کے سوراخ میں بھی چلا جاؤں اور وہاں منزل اختیار کروں اور پناہ گزین ہو جاؤں تب بھی یہ دشمن مجھ سے دست کش نہ ہوں گے'' یہی خیال نہ کیجئے کہ آں حضرت کی مصیبت تیر، تلوار، نیزہ، خنجر کی مصیبت تھی۔ آنحضرت کے مصائب میں سے ایک عظیم مصیبت یہ تھی کہ آپ جس راستے سے گزرتے تھے۔ ایام حج ہونے کی وجہ سے راستے انسانوں سے اٹے پڑے تھے لیکن ان قافلوں کے لوگ آنحضرت سے کنارہ اختیار کرتے تھے۔ تاکہ حضور طلب اعانت نہ فرمادیں۔ (الارشاد۔ والعزاص ۱۳۳ طبع لاہور)

۳ محرم الحرام ۶۱ھ یوم جمعہ

عمر ابنِ سعد کا کربلا پہنچنا

تیسری محرم الحرام کو عبیداللہ ابن زیاد نے عمر بن سعد کو قتل حسین پر آمادہ کیا اور پانچہزار یا چھ ہزار سوار اور بقولے علامہ عیسیٰ اربلی ۲۲ ہزار سوار و پیادے دے کر روانہ کربلا کیا۔

(ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۳۲۔ تاریخ طبری جلد ۶ ص ۲۳۳۔ اکسیر التواریخ ص ۶۹)

علامہ سماوی لکھتے ہیں کہ ''ابن سعد کی روانگی کے بعد ابن زیاد نے عام منادی کرائی کہ جو کوئی سوار یا پیادہ کوفہ میں رہ جائے گا اور کربلا نہ جائے گا وہ قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اس منادی کے بعد ایک مرد مسافر کوفہ میں دیکھا گیا۔ اس کو ابن زیاد کے پاس پکڑ کر لے گئے۔ ابن زیاد نے اس سے حال دریافت کیا۔ اس نے کہا میں شام کا رہنے والا ہوں۔ یہاں ایک شخص کے ذمہ میرا قرض ہے۔ قرض لینے آیا ہوں۔ یہ سن کر بھی ابن زیاد نے حکم دیا۔ اگرچہ یہ شخص کوفہ کا رہنے والا نہیں ہے مگر اس کو بھی قتل کرو۔ تاکہ لوگوں کو کاملِ عبرت ہو۔ اور کوئی مرد کوفہ میں باقی نہ رہے۔

(ترجمہ ابصار العین سماوی ص ۱۸ طبع حیدرآباد ۱۳۵۷ھ الاخبار الطواسی ص ۲۵۲)

الغرض عمر بن سعد کربلا پہنچا اور اپنا خیمہ فرات کے اس پار مشرقی سمت میں نصب کیا۔ (تاریخ کا خونی ورق ص ۲۷ بحوالہ مقتل ابی مخنف) اس کے بعد حضرت امام حسین کے پاس کثیر بن عبداللہ شعبی کو بھیجا کہ جا کر امام حسین سے دریافت کرے کہ وہ اتنی لمبی مسافت طے کر کے کیوں تشریف لائے ہیں۔ جب وہ قریب پہنچا۔ حضرت ابوثمامہ صیداوی نے فرمایا کہ سلاح جنگ اتار کر حضرت کی خدمت میں جاسکتے ہو۔ اس نے سلاح جنگ اتارنے سے انکار کیا۔ آپ نے اسے واپس کر دیا۔ اس کے بعد عمر بن سعد نے قرۃ بن قیس حنظلی کو بھیجا۔ حضرت زہیر قین آگے بڑھے اور اسلحہ اتروا دیئے۔

قرۃ نے امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عمر بن سعد کی پیغام رسانی کی۔ حضرت نے فرمایا "اہل کوفہ نے بارہ ہزار خطوط لکھ کر طلب کیا ہے۔ اسی بنا پر میں آیا ہوں۔ اب اگر میرا آنا تم لوگ پسند نہیں کرتے تو میں واپس جانے کو تیار ہوں"

قرۃ نے واپس آ کر حضرت کی ساری گفتگو ابن سعد کے سامنے دہرادی۔ اس نے کہا کہ انشاء اللہ صلح ہو جائے گی۔ اسی امید صلح پر ابن سعد نے ابن زیاد کو لکھا کہ: میں نے کربلا پہنچ کر امام حسین سے اس طرف آنے کا سبب دریافت کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے خطوط لکھ کر بلایا گیا ہے۔ لیکن بہر صورت میرے آنے کو اہل کوفہ پسند نہیں کرتے تو میں واپس جانے کے لئے تیار ہوں"

حسان بن قائد عیسٰی کہتا ہے کہ جب ابن سعد کا نامہ پہنچا تو میں دربار میں موجود تھا۔ خط پڑھ کر ابن زیاد نے کہا۔ "آلان عـلـقـت فحالبنا به یرجو النجاۃ و لات حسین مناص" امام حسین۔ اب جبکہ ہمارے چنگل میں آ گئے ہیں۔ جان بچانا چاہتے ہیں۔ بھلا اب چھٹکارا کہاں ممکن ہے۔ اس کے بعد عمر بن سعد کو لکھا

"فـقـد بـلـغـنـی کتابك و فهمت ما ذکرت فاعرض علی الحسین ان یتابع لیزید هو و جمیع اصحابه فاذا فعل ذالك راینا فیه راینا"

ترا خط مجھے ملا۔ میں نے اسے سمجھا۔ جواباً لکھا جاتا ہے کہ حسین کے سامنے بیعت یزید پیش کر۔ اگر انہوں نے اپنے اصحاب سمیت بیعت کر لی۔ تب میں ان کے بارے میں سوچوں گا۔

خط پڑھ کر ابن سعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ حسین سے جنگ کئے بغیر چارہ نہیں۔ اس لئے کہ وہ کسی صورت بھی بیعت نہ کریں گے۔ (ناسخ جلد ۶۔ ص ۲۳۵۔ روضۃ الشہداء ص ۳۰۴)

حبیب ابن مظاہر کا امداد طلبی کے لئے قبیلہ بنی اسد میں جانا:

تیسری تاریخ کی شام آ گئی ہے، حضرت حبیب ابن مظاہر اسدی حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں، مولا، بنی اسد، ہمارے رشتہ دار ہیں۔ اگر اجازت ہو تو میں ان سے مدد طلب کروں۔ امام نے فرمایا۔ تم جا سکتے ہو۔ حبیب رات کے تاریک پردے میں ان لوگوں کے پاس جا پہنچے۔ اور ان سے اپنی رشتہ داری کا حوالہ دیتے ہوئے فرزند رسول علیہ السلام کی اعانت و امداد کی طرف انہیں متوجہ کیا۔ نوے (۹۰) اسدی امداد کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔

امام حسین کے بچپنے کے دوست "حبیب" ان لوگوں کو لئے ہوئے آ رہے تھے کہ انہیں

میں کا ایک شخص چپکے سے ابن سعد کے پاس جا پہنچا اور اس سے واقعہ کو بیان کر دیا۔ عمر سعد نے ازرق شامی کی سرکردگی میں چار سو سواروں کا لشکر اس کمک کے روکنے کے لئے بھیج دیا۔ اس لشکر نے اسدیوں سے مزاحمت کی اور باہم جنگ ہونے لگی۔ اسدی بہادر تھوڑے تھے۔ تاب مقاومت نہ لا سکے۔ اور مجبوراً واپس ہو گئے۔ حضرت حبیب سرکار حسینؑ میں حاضر ہوئے اور واقعہ نقل کیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اظہار تاسف فرمایا۔ ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۳۵ و معۃ الساکبہ صفحہ ۳۲۲

۴ محرم الحرام یوم شنبہ

عمر بن سعد کے خط کا جواب لکھنے کے بعد ابن زیاد نے جامع مسجد میں اجتماع کرایا اور منبر پر جا کر کہا۔ ایہا الناس! اے لوگو تم نے آلِ ابی سفیان کو اچھی طرح جانچا ہے۔ اور انہیں بڑا رحم و کرم والا پایا ہے ان کے نوازشات لوگوں پر کس قدر عام ہیں۔ اب تمہارے سامنے اس وقت حاکم شام یزید ہے۔ دیکھو وہ کتنا لائق ہے۔ اپنی رعیت کو کس قدر چاہتا ہے اور اس پر کس درجہ مہربان ہے۔ مجھے حکم دیا ہے کہ تم پر مزید انعامات و اکرامات کو وافر کروں۔ اور تمہارے لئے خزانوں کے منہ کھول دوں "واخرجکم الی حرب عدوہ الحسین فاسمعوا لہ واطیعوہ" اور تمہیں یزید کے دشمن حضرت امام حسینؑ سے لڑنے کے لئے بھیج دوں۔ اب تمہارا فرض ہے کہ تم اس بارے میں اس کی بات کو کان دھر کے سنو اور اطاعت گزاری میں سر سے گزر جاؤ۔

اس کے بعد منبر سے اترا۔ "وامرھم ان یخرجوا الی حرب الحسین ویکونوا عونا لا بن سعد علی حربہ" اور ان لوگوں کو حکم دیا کہ فوراً حسین سے لڑنے کے لئے نکل کھڑے ہوں۔ اور کربلا جا کر ابن سعد کے معین بنیں۔ "فاول من خرج شمر بن ذی الجوشن فی اربعۃ الاف" یہ سن کر کثیر افراد کربلا جانے کو تیار ہو گئے۔ اور سب سے پہلے جو کربلا روانہ ہوا وہ شمر ذی الجوشن تھا۔ اس کے لشکر کی تعداد چار ہزار تھی۔ "فصار ابن سعد فی تسعۃ الاف ثم اتبعہ یزید بن رکاب الکلبی فی الفین و الحصین بن نمیر السکونی فی اربعۃ الاف و مضائر بن رھینۃ المازنی فی ثلاثۃ الاف ونضر بن خرشد فی الفین فذالک عشرون الفا"

علامہ محمد باقرؒ لکھتے ہیں کہ شمر کے لشکر کو ملا کر ابن سعد کا لشکر نو ہزار ہو گیا۔ پھر ابن زیادہ نے شمر کے بعد ابن رکاب کو دو ہزار اور حصین بن نمیر کو چار ہزار اور مضائر بن رھینیہ کو تین ہزار اور نضر ابن خرشہ کو دو ہزار سوار دے کر روانہ کربلا کر دیا۔ جس کا مجموعہ بیس ہزار ہوتا ہے۔ و معہ ساکبہ ص ۳۲۲

۵ر محرم الحرام ۶۱ھ یوم یکشنبہ

علامہ محمد باقر لکھتے ہیں۔"ثم ارسل الی شیث ابن ربعی الخ" بیس ہزار پر مشتمل لشکر بھیجنے کے بعد ابن زیاد نے شیث بن ربعی کو طلب کیا۔ اس نے حاضری میں تامل سے کام لیا۔ تو اسے تہدیدی خط لکھ کر بلایا۔ جس کا آخری جملہ یہ تھا۔"ان کنت فی طاعتنا فاقبل الینا مسرعاً" اگر تیری گردن میں میری اطاعت کا طوق ہے تو فوراً حاضر خدمت ہو جا۔ ابن ربعی دربار میں حاضر ہوا۔ اسے چار ہزار سوار دے کر حضرت امام حسین علیہ السلام سے لڑنے کے لئے کربلا روانہ کر دیا۔ اس کے بعد عروہ بن قیس کو بلا کر چار ہزار لشکر کا سردار اور سنان بن انس کو دس ہزار لشکر کا سردار اور محمد بن اشعث کو ایک ہزار اور عبداللہ الحصین کو ایک ہزار پر مشتمل لشکر کا سردار بنا کر روانہ کربلا کیا۔ یہ سارا لشکر کوفہ سے روانہ ہو کر کربلا پہنچا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں جا اترا۔ (دمعہ ساکبہ ص ۳۲۲ و ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۳۳)

۶ر محرم الحرام ۶۱ھ یوم دوشنبہ

کوفہ سے لشکر کی آمد کا تانتا بندھا ہوا ہے اور ابن زیاد پل پل پر عمر بن سعد کو ابھار رہا ہے کہ حسین سے جنگ کرنے میں پوری دلیری سے کام لے۔ چنانچہ آج جو خط پہنچا ہے۔ اس میں مرقوم ہے۔"انی لم اجعل لك علة فی کثرة الخیل والرجال" عمر سعد دیکھ میں نے لشکر کی کثرت کے ذریعہ سے تیرے لئے نہیں چھوڑا کہ تو قتل حسین سے پہلو تہی کرے۔ ذرا ہوش کر، تیری خبر صبح وشام میرے پاس پہنچ رہی ہے۔ علامہ محمد باقر لکھتے ہیں۔"وکان ابن زیاد لعنه الله بستحث عمر بن سعد لستة ایام مضین من المحرم" کہ ابن زیادہ نے چھٹی محرم کو اس نے عمر بن سعد کو تحریر کیا کہ قتل حسین میں بہانہ تلاش نہ کرنا۔ میرے پاس لشکر بہت ہے۔ صرف کوفہ کے لشکری میں جو میں تیرے پاس بھیج چکا ہوں ۸۰ ہزار ہیں جن میں ایک بھی شامی اور حجازی نہیں۔ (دمعہ ساکبہ ص ۳۲۲) اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ابومخنف لکھتا ہے کہ ابن زیاد کے لشکر میں صرف کوفہ کے باشندے ۸۰ ہزار تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابن زیاد کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات نے ابن زیاد کے لشکر والوں کی تعداد ایک لاکھ بائیس ہزار تحریر کی ہے اور بعض نے اس سے بھی زیادہ لکھا ہے۔ ناسخ التواریخ۔ جلد ۶۔ صفحہ ۲۳۳

علامہ محمد باقر بروایت ابی مخنف لکھتے ہیں۔ "فتکامل العسکر ثمانون الف فارس من اھل کوفه لیس منھم شامی ولا حجازی وسار واحتی نزلوا قریبا من عسکر الحسین" لشکر برابر کربلا بھیجا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ اسی ہزار کوفی جن میں ایک بھی شامی اور حجازی نہ تھا۔ کربلا جا پہنچا اور امام حسین علیہ السلام کے قریب خیمہ زن ہوئے۔ ومعہ سا کبہ ص۳۲۲ جن میں خولی بن یزید اصبحی دس ہزار اور کعب بن طلحہ تین ہزار اور حجار بن الحر ایک ہزار سواروں سمیت شامل تھے۔ ناسخ التواریخ ج۶ ص ۲۳۳ اور بروایت امام زین العابدین علیہ السلام ابن جنود نا مسعود در روز ششم محرم در کربلا جمع شدند یہ لشکر والے چھٹی محرم کو کربلا میں جمع ہو گئے۔ جلاء العیون ص ۱۹۷

خولی بن یزید اصبحی کا خط ابن زیاد کے نام:

مورخین لکھتے ہیں کہ ابن سعد کو چونکہ یہ خیال تھا کہ اگر امام حسین سے جنگ نہ کرنی پڑے تو بہتر ہے۔ لہٰذا تخلیہ میں اس نے حضرت سے کئی مرتبہ گفتگو کی۔ خولی بن یزید اصبحی ملعون کو جب اس خفیہ بات چیت کی اطلاع ملی۔ تو اس نے ابن زیاد کو لکھ بھیجا۔

"اما بعد: ایھا الامیر ان عمر بن سعد یخرج کل لیلة ویبسط بساطا و یدعوا لحسین و یتحدثان حتی نمصی من اللیل شطرہ وقد ادرکته علی الحسین الرحمة والرافة فامرہ ان ینزل عق حلمك و یصیرا لحکم لی و اتا الفیك امرہ." (ناسخ جلد۶ صفحہ ۲۳۶۔ طبع ایران)

اے امیر! عمر بن سعد رات کے تاریک پردے میں ایک علیحدہ مقام پر جا کر امام حسین کو بلاتا ہے۔ اور چادر بچھا کر بیٹھتا ہے۔ اور کافی رات گئے تک دونوں بات چیت میں مشغول رہتے ہیں۔ میں تو اسے حسین پر بڑا مہربان پاتا ہوں۔ میرے خیال میں تو عمر سعد کو حکم دے کہ وہ استعفیٰ دے کر مجھے ذمہ دار بنا دے پھر دیکھ میں کیسا کام کرتا ہوں۔

اس خط کا پہنچنا تھا کہ عبید اللہ ابن زیاد آگ بگولہ ہو گیا اور فوراً عمر سعد کو خط لکھا:

ابن زیاد کا خط عمر سعد کے نام:

اما بعد یا بن سعد قد بلغنی انك	ابن سعد!
تخرج فی کل لیله ویتسط بساطاً	مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو ہر شب اپنے خیمہ سے نکل کر
تدعوالحسین وتتحدث معه حتی	امام حسین کو بلاتا ہے اور ان سے رات گئے تک

يـمـضـى مـن الـليل شطره فاذا قراة كتـابـى فامره ان ينزل على حكمى فـان اطـاع والا اضعه من شوب من الـمـاء فـانـى حـللتـه على اليهود والـنـصـارىٰ و حـر منه عليه وعلٰى هـلبيتـه فـحـل مين الـحسين واصـحـابـه و بين الماء فلا يذوقوا مـنـه قطرة كما ضع بالتقى النقى عثمان امير المؤمنين المظلوم. (ناسخ ج.٦ صـفـحه ۲۳٦. اخبار الطوال دنيوى ص۲۵۲. طبـرى جـلـد۱ ص۳۱۲ البدايه والنهايه. جلد ۸ ص۱۷۵

باتیں کرتا رہتا ہے۔ سن میرا خط پاتے ہی ان سے کہہ دے کہ وہ میرے حکم پر آ جائیں۔ اور اگر میرا حکم نہ مانیں تو ان کے لئے پانی روک دے۔ کیونکہ میں نے یہود اور نصاریٰ کے لئے پانی حلال اور آزاد کر دیا ہے لیکن حسین اور ان کے اہل بیت کے لئے حرام اور بند کر چکا ہوں۔ دیکھ ان کے اور پانی کے درمیان حائل ہو جا اور ایسا کر کہ وہ ایک قطرہ پانی کا نہ پا سکیں۔ جیسے کہ امیر المومنین عثمان غنیؓ نہیں پا سکے تھے۔

علامہ ہروی لکھتے ہیں کہ چھٹی تاریخ و ساتویں شب سے خاص خاص محافظ لشکر لشکر ابن زیاد لعین کی طرف سے حفاظت نہر اور ممانعت آب کے لئے مقرر ہوئے۔ مواعظ حسینہ صفحہ ۲۳۸

شب ہفتم میں پانی لانے کا واقعہ:

چھٹی کا دن گزر چکا ہے۔ اور پانی خیمہ میں باقی نہیں رہا۔ جاں نثاروں نے حسب دستور پانی لانے کی کوشش کی۔ چنانچہ تیس بہادر نہر فرات کی طرف پانی لانے کے لئے روانہ ہوئے۔ اور پانی لائے۔

(۷ محرم الحرام ۶۱ھ یوم سہ شنبہ)

ساقی کوثر کے پیاروں پر نہر آب فرات کی بندش

سپہر کاشانی لکھتے ہیں کہ

چوں ابن سعد بر مضموں ایں نامہ مشرف و مطلع شد بیچارہ گشت و درزمان عمر بن حجاج را طلب داشت و اور ابا پانصد سوار بر شریعہ فرات بگماشت و فرمان کرد کہ حسینؑ و اصحاب را زیر برداشتن آب مانع و دافع باشند و راہ بشر یعہ نگذارند۔ و ایں واقعہ روز شنبہ ہفتم شہر محرم الحرام بود۔ (ناسخ جلد ۶ ص ۲۴۷)

جب ابن زیاد کا خط ابن سعد کو ملا۔ اسے مطالعہ کرنے کے بعد ابن سعد بندش آب پر متوجہ ہوا اور عمر بن حجاج کو بلا کر اسے پانچ سو سوار حوالے کیے اور حکم دیا کہ نہر فرات پر ایسا مستحکم پہرہ ڈالے کہ حسینؑ اور اصحاب حسینؑ پانی نہ لے جانے پائیں۔ (اور یہ واقعہ ۷ محرم الحرام یوم سہ شنبہ کا ہے)

مورخ طبری لکھتا ہے۔

فبعث عمر بن سعد عمرو بن حجاج علی خمسة مأة فارس فنزلوا علی شریعة و مالوا بین حسین واصحابه والماء ان یقوامنه قطرة وذالك قتل قتل الحسين ثلاث. (تاریخ طبری ج ۶/۲ ص ۳۱۲)

عمر بن سعد نے عمر بن حجاج کو پانچ سو سواروں سمیت بندش آب کے لئے معین کر دیا۔ حکم پاتے ہی عمر بن حجاج امام حسینؑ وغیرہ اور پانی کے درمیان اس طرح حائل ہو گئے کہ یہ پیاسے ایک ایک قطرہ آب کے لئے ترس جائیں۔ اور یہ واقعہ قتل حسینؑ سے تین دن پہلے کا ہے۔

غرض کہ عمر سعد نے عمرو بن حجاج کو پانچ سو سواروں سمیت نہر فرات پر بھیج دیا۔ اس کے بعد فوجی افسر حجر کو بلا کر چار ہزار سواروں کی سرکردگی میں غاضریہ کے گھاٹ پر متعین کر دیا۔ پھر شیث ابن ربعی کو بلایا اور ایک ہزار سواروں کا افسر بنا کر حکم دیا کہ تم یہ فوج لے کر گھاٹ پر جاؤ اور پانی روکو۔ یہ لوگ نہر فرات کے گھاٹ پر آ گئے اور پورے انہماک سے اس بات کی کوشش کرتے رہے کہ پانی کا ایک قطرہ بھی حسینؑ اور ان کے بچے نہ پائیں۔ مقتل ابی مخنف ص ۴۲

الغرض یزید کے حکم سے ابن زیاد نے ابن سعد کو لکھا کہ

کافر تلک پئیں تو نہ تم منع کیجیو ۔۔۔ پر فاطمہ کے لال کو پانی نہ دیجیو

عمر سعد نے عمر حجاج وغیرہ کو حکم دیا کہ نہر پر مضبوط پہرہ رکھا جائے اور کسی طرح امام

حسین اوران کے چھوٹے چھوٹے بچوں تک پانی کا قطرہ نہ پہنچنے پائے۔

دوسری کو خامسِ آلِ عبا داخل ہوئے — ساتویں سے ظالموں نے بند پانی کر دیا

بندش آب اور طعنہ زنی:

بندش آب ہی امام حسین کے لئے کیا کم مصیبت تھی۔ کہ اس پر عبداللہ بن حصین نے ان لفظوں میں طعنہ زنی کی۔

یا حسین الاتنظرون الی الماء کانه کبد السماء واللہ لا تذوقون منه قطرة واحدة حتیٰ تموتوا عطشاً. ناسخ جلد٦ ص٢٣٧٦. ذخیرة المال ورق ١٣٤. امالی صدوق ص٨٢ مقتل عوالم. صواعق محرقه ص١١٨

اے حسینؑ! کیا تم پانی کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح کروٹیں لے رہا ہے۔ لیکن خدا کی قسم تم کو ایک قطرہ پانی کا نہ دیں گے۔ یہاں تک کہ تم پیاسے مر جاؤ۔

بروایت ابن جوزی، عمر بن حجاج نے پکار کر کہا:

یا حسین هذالماء تلغ فیه الکلاب وتشرب منه خنازیر اهل السواد والحمر ولزئاب ولا تذوق منه واللہ قطرة حتی تذوق الحمیم فی نار حجیم (ناسخ جلد٦. ص ٢٣٧. نورا لعین

اے حسین دیکھو! اس نہر فرات سے کتے اور سور اور جنگلی جانور پانی پیتے ہیں۔ لیکن تم اگر چاہو کہ پانی پی لو تو یہ ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم تم کو ایک قطرہ بھی پانی کا نہ دیں گے۔ یہاں تک کہ (معاذ اللہ) جہنم کے گرم پانی سے سیراب ہو۔

حضرت امام حسینؑ کو بندش آب سے زیادہ اس طعنہ زنی کا صدمہ ہوا۔ "وکان سماع هذالکلام علی الحسین اشد من معنهم ایاه الماء" آپ نے ابن حصین کے جواب میں فرمایا: "اللهم اقتله عطشا ولا تغفرله ابدا" خدایا اسے پیاس سے مار دے اور کبھی نہ بخش۔ (تذکرہ خواص الامۃ۔ صفحہ ۱۴۱۔ طبع ایران)

ابن خوشب کی طعنہ زنی پر حضرت عباسؑ کا غصہ

مورخ ابن قتیبہ لکھتا ہے کہ امام حسینؑ پر پانی بند کرنے کے بعد شمر ابن خوشب نے کہا۔

"لا تشربوا منه حتی تشربوا من الحمیم" اے حسین تم پانی سے پہلے جہنم کے آب گرم سے سیراب ہو گے۔ یہ سنتا تھا کہ "فقال العباس بن علی یا ابا عبد اللہ نحن علی الحق فنقاتل

فقال نعم فرکب فرسه و حمل بعض اصحابه علی الخیول الخ" کہ حضرت عباس عرض پرداز ہوئے۔ حضور! کیا ہم حق پر نہیں ہیں کہ پانی پر لڑیں' فرمایا حق پر ہیں۔ یہ سن کر آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے ساتھیوں سمیت حملہ کر دیا۔ (الامامتہ والسیاست۔ ج ۲ص۸ طبع مصر)

اعجاز حسینی سے چشمہ کا جاری ہونا:

ساتویں کی صبح سے پانی بند ہے اور دن کا بڑا حصہ گزر چکا ہے۔ اب امام حسینؑ کے چھوٹے چھوٹے بچے بہت پیاسے ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک تیر یا بیلچہ دستِ مبارک میں لے لیا ہے۔ خیمہ سے ۱۹ قدم کے فاصلہ پر جانب قبلہ تشریف لے جاتے ہیں اور اسے زمین پر مارتے ہیں۔ خوشگوار پانی کا چشمہ جاری ہوتا ہے۔ جو تھوڑی ہی دیر بعد ہمیشہ کے لئے ناپید ہو گیا۔ (ناسخ التواریخ جلد ص ۶' ص ۲۳۷' مقتل عوالم ص ۸۷ اعصم کوفی ص ۲۶۶' جلاء العیون ص ۱۹۸' دمعہ ساکبہ ص ۳۲۳ طبع ایران)

حضرت کے پانی کی دستیابی پر ابن زیاد کی برہمی:

چشمہ کے جاری ہونے کی اطلاع ابن زیاد بدنہاد کو دی گئی۔ وہ بہت برہم ہوا۔ اور اس وقت ابن سعد کو لکھا: "**اما بعد بلغنی ان الحسین یحفر الاباد و یصیب النماء نیشرب ہو و اصحابہ فانظر اذا ورد علیك کتابی فامنعہم من حضر الایار ما استطعت وضیق علیہم ولا تدعہم یذوقوا الماء وافعل بہم کما فعلوا ابا لذکی عثمان**"

مجھے معلوم ہوا ہے کہ حسینؑ کنواں وغیرہ کھود کر پانی نکالتے اور پیتے ہیں۔ دیکھ میرے اس خط کو پاتے ہی انہیں اپنی پوری طاقت بھر کنواں کھودنے سے روک اور ان پر مکمل سختی کر اور بالکل پانی نہ پینے دے۔ ان کے ساتھ وہی کر جو عثمان کے ساتھ کیا گیا۔ (ناسخ جلد ۶ صفحہ ۲۴۷)

۸/محرم الحرام ۶۱ھ یوم چہار شنبہ

شب ہشتم محرم کو حضرت عباسؑ کی سقائی

ساتویں کا دن گزرتے گزرتے خیمہ اہل حرم سے پانی بالکل ختم ہو گیا۔ اور اب وہ وقت آ گیا کہ امام حسین علیہ السلام کو طلب آب کے لئے اپنے برادر عزیز حضرت عباس کو نہر فرات پر بھیجنا پڑا۔ علامہ ھروی لکھتے ہیں کہ شب ہشتم حضرت بریر ہمدانی سمیت بائیس آدمیوں کو لے کر نہر فرات پر گئے اور پانی لائے۔ (مواعظہ حسنہ ص ۲۸۳)

مورخ ابو حنیفہ دینوری متوفی ۲۸۱ھ لکھا ہے:

"ولما اشتد بالحسین واصحابه العطش امر اخاه العباس بن علیؑ و کانت امه من بنی عامر بن صعصعه ان یمضی فی ثلاثین فارساً و عشرین راجلاً مع کل رجلٍ قربة حتیٰ یا توالماء فی حاربوا من حال بینهم و بینه فمضی العباس نحو الماء واما مهم هلال بن نافع حتی و نوا من الشریعة فمنعهم عمرو بن حجاج مجاد لهم العباس علی الشریعة بمن معه حتی اذا لوهم عنها واقتحم رجالة الحسین الماء فملؤ قوبهم ووقف العباس فی اصحابه یذبون عنهم حتی اوصلوالماء الی عسکر الحسینؑ" اخبار الطوال ص ۲۵۲ و تاریخ طبری ص ۳۱۳ ج ۲ / تاریخ ابن اثیر کامل۔ ج ۴ صفحہ ۲۴

ترجمہ: جب امام حسین اور ان کے اصحاب پر پیاس کا غلبہ ہوا تو آپ نے اپنے بھائی حضرت عباس بن علی کو حکم دیا جن کی ماں بنی عامر سے تھیں کہ ۳۰ سوار اور ۲۰ ایسے پیدل جن کے پاس مشکیں ہوں کو لے کر نہر فرات کی جانب چل کھڑے ہوں اور جو بھی مزاحمت کرے اس سے لڑیں۔ یہ سن کر حضرت عباس نہر فرات کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور ہلال بن نافع ان سب سے آگے آگے تھے۔ یہاں تک کہ لب نہر فرات جا پہنچے۔ یہ دیکھ کر عمر بن حجاج (جو ہلال کا عزیز تھا) مانع ہوا۔ حضرت عباس نے حملہ کر کے ان سب کو لب فرات سے ہٹا دیا اور مشک برداروں نے فوراً مشکیں بھر لیں۔ حضرت عباس دشمنوں کو روکے رہے۔ اور مشکیزے خیموں میں پہنچ گئے۔ "ولـــذالك سمی العباس سقاء" اسی زبردست سقائی کی وجہ سے حضرت عباس کا لقب "سقاء" قرار پایا۔ (دمعۃ الساکبہ ص ۳۲۳، تاریخ اعثم کوفی ص ۲۶۶، ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۳۷، مقتل عوالم ص ۷۸، تحفہ حسینیہ ص ۱۱۶ لہوف طبع ایران ص ۳۶۹، جلاء العیون ص ۱۹۸ طبع ایران)

---

۱ بعض ارباب قلم نے اس واقعہ کو سقائی کو روائتی افسانہ کسل یوم عاشورہ کو باطل کرنے کی خاطر ساتویں سے پہلے کا واقعہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ تواریخ اور مقاتل کے عنادین واضح کر رہے ہیں کہ یہ واقعہ شب ہشتم سے قبل کا نہیں ہے۔ میرے خیال میں اگر اس واقعہ سقائی کو شب ہشتم کا واقعہ تسلیم کر لیا جائے تو کوئی ہرج نہیں۔ نہ اس سے کارنامہ عطش حسینی کی سبکی ہوتی ہے اور نہ تاریخ کی مخالفت اس لئے کہ ساتویں محرم سے پانی کا بند ہونا مسلمہ ہے اور تین دن کی پیاس بھی مانی ہوئی ہے۔ اب اگر ساتویں ہی سے پیاسا مانا جائے تو عاشور تک تین دن کے بجائے چار دن ہوتے ہیں۔ یعنی ۷۔۸۔۹۔۱۰ جو تاریخی نقطہ نظر سے ناقابل تسلیم ہے اب ایسی صورت میں لامحالہ ماننا پڑتا ہے کہ ساتویں سے پانی بند ہوا۔ لیکن تا شب ہشتم تھوڑا بہت پانی دستیاب ہوتا رہا۔ پھر صبح ہشتم سے پانی کا ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوا۔ اس طرح تین دن ۸۔۹۔۱۰ محرم سے حسین اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچے مخدرات عصمت اصحاب و انصار کا پیاسا ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ۔ آپ اور آپ کے ساتھیوں پر پانی بند ہو گیا۔ اس پر آپ نے اپنے بھائی عباس بن علی کو حکم دیا کہ ۳۰ سوار اور ۲۰ پیادے لے کر جائیں اور پانی بھر کر لائیں۔ یہ پہنچے تو محافظ دستے کے افسر عمر بن الحجاج نے روکا۔ باہم مقابلہ ہوا۔ لیکن آپ ۲۰ مشکیں بھر لائے۔ (انسانیت موت کے دروازہ پر)

جناب عبدالحمید خاں صاحب ایڈیٹر رسالہ مولوی دہلی لکھتے ہیں۔

بہر حال ظالموں اور کوفیوں نے پانی بالکل بند کر دیا اور ایک ایک قطرہ کے لئے ترسانے لگے۔ یہ انتظام ان بے رحموں نے ساتویں محرم سے کیا تھا۔ جناب امام عالی مقام نے حضرت عباس کو جو آپ کے برادر عالی قدر تھے۔ حکم دیا کہ یا اخی امض 'اے جان برادر جاؤ اور فرات سے پانی لاؤ۔ پس حکم امام پا کر جناب عباس تیس سوار اور بیس پیدل لے کر اور بیس مشکیں کاندھوں پر ڈال کر پانی لانے کے لئے فرات پر تشریف لے گئے۔ یہ آدھی رات کا وقت تھا۔ جب کنارِ فرات پر پہنچے تو عمر بن الحجاج نے آواز دی۔ ''تم کون لوگ ہو'' یہ ظالم وشقی وہی ناپاک و نجس تھا جس نے امام سے دریدہ دہنی کی تھی۔ اور کہا تھا کہ اس پانی کا قطرہ تم کو نہ ملے گا۔ یہاں تک کہ دوزخ میں جا کر حمیم پیو یہ دریا کی حفاظت پر مامور تھا۔ اس نجس و ناپاک کتے کے بھونکنے پر ہلال بن نافع نے جواب دیا کہ میں ہوں تیرا چچازاد بھائی' اس نے کہا۔ خوب اچھی طرح پیو۔ اور تم کو یہ پانی گوارہ ہو۔ جناب ہلال بن نافع نے جواب دیا۔ تجھ پر لعنت ہو کہ مجھے تو پانی کی اجازت دیتا ہے۔ مگر فرزند رسول اللہ پیاس کی شدت سے بے قرار ہیں ان کو پانی نہیں پینے دیتا۔ اس پر یہ شقی بولا۔ سچ ہے مگر مجھ کو تو جو حکم ہوا ہے اس کی تعمیل کروں گا۔ ہلال بن نافع نے اپنے ساتھیوں سے کہا' اس خبیث کی باتوں کی پرواہ نہ کرو اور اپنا کام کرو جس کام کے لئے تم آئے ہو۔ یزیدی بھی بڑھے اور جنگ شروع ہوئی۔ انصار امام دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ پانی سے مشکیں بھر رہا تھا اور دوسرا گروہ یزیدی اشقیا سے لڑ رہا تھا۔ اور لڑنے والوں کو پانی بھرنے والوں تک پہنچنے سے روک رہا تھا۔ اس طرح لڑتے بھڑتے حضرت عباس اور ان کے رفقاء اس ناپاک ہجوم سے بخیر و عافیت نکل آئے۔ اس معرکہ میں امام حسین کے اعوان و انصار میں سے کوئی شہید نہیں ہوا۔ اور ساقی کوثر کے فرزند دلبند کے حضور میں پانی لانے میں پوری طرح کامیاب ہوئے۔ جناب امام حسینؑ نے بھی پانی نوش فرمایا۔ اور سب اہل بیت اور ان کے ساتھیوں نے اپنی پیاس بجھائی۔ اسی وقت سے حضرت عباس سقائے اہل بیت کے معزز خطاب سے مفتخر ہوئے۔

(شہید اعظم عرف بڑا شہادت نامہ ص ۱۲۵ طبع دہلی)

حضرت عباسؑ کا سقا ہونا:

منصبِ سقایت چونکہ جلیل القدر منصب ہے۔ لہٰذا امام حسینؑ نے اس منصب کا حامل حضرت عباس کو قرار دیا تھا۔ مورخ بسطامی لکھتے ہیں۔ ''وقدر لاخیه العباس سقایة العطشان'' کہ حسین نے اپنے بھائی عباس کو پیاسوں کی سقائی کا منصب عطا فرمایا۔ (تحفہ حسینیہ

ص۱۷۸) اور چونکہ آپ نے اپنے فریضہ منصبی کی ادائیگی میں پوری جانبازی سے کام لیا۔ یہاں تک کہ آپ کے دست مبارک بھی کاٹے گئے۔ اسی لئے آپ کا لقب ''سقا'' قرار پایا۔

مورخین لکھتے ہیں'' **ویلقب السقاء لانه استسقی الماء لاخیه الحسین علیه السلام یوم الطف**'' آپ کا لقب سقا اس لئے قرار پایا کہ آپ نے معرکہ کربلا میں پانی کے حصول میں بے حد کوشش کی۔ (عمدۃ الطالب، مقتل عوالم ص۹۴، مناقب ج۳ ص۹۷ منہج المقال قلمی)

عبدالرزاق موسوی ''قمر بنی ہاشم'' صفحہ ۳۵ پر لکھتے ہیں کہ محرم کے عشرہ بھر چونکہ حضرت عباس امام حسین اور ان کے اہل بیت کے لئے پانی کا انتظام کرتے رہے اس لئے آپ کو سقا کے لقب سے یاد کیا گیا۔ جیسا کہ ابوالحسن نے مجدی میں داودی نے عمدۃ الطالب میں ابن ادریس نے مزار السرائر میں، دیار بکری نے تاریخ خمیس میں، نویری نے نہایت الارب میں، شبلنجی نے نورالابصار میں قائنی نے کبریت احمر میں بیان کیا ہے۔

ابن حصین ہمدانی کا ابن سعد کی فہمائش کو جانا:

آٹھویں کی رات گزری، صبح ہوگئی اور پیاس کا غلبہ حد سے بڑھ گیا۔ تو یزید ابن حصین ہمدانی نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے اجازت چاہی کہ جا کر ابن سعد کی فہمائش کریں۔

سپہر کاشانی لکھتے ہیں کہ بامداداں کہ بعد از سقایت عباس اصحاب مختار آب شدند بروایت شرح شافیہ و مطالب السئول یزید بن حصین ہمدانی بحضرت حسین آمد و عرض کرد یا بن رسول اللہ اگر اجازت روو عمر سعد را دیدار کنم۔ باشد کہ از غوایت باز آید۔ الخ

حضرت عباس کی سیرابی کے بعد صبح ہوئی اور اصحاب بے حد پیاسے ہو گئے تو بروایت شرح شافیہ و مطالب السؤل یزید بن حصین ہمدانی حضرت امام حسین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی مولا اگر اجازت ہو تو میں ابن سعد کے پاس جا کر اسے سمجھاؤں۔ شاید وہ گمراہی سے باز آ جائے۔ حضرت نے اجازت دی، ابن حصین درانہ خیمہ ابن سعد میں گھس گئے اور سلام کئے بغیر گفتگو شروع کر دی۔ ابن سعد نے کہا کہ اے ہمدانی تم نے سلام نہیں کیا۔ کیا میں مسلمان نہیں ہوں۔ ابن حصین نے فرمایا تو مسلمان ہوتا تو فرزند رسول کو قتل کرنے کا ارادہ کیوں کرتا۔ اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں پر بندش آب کا ارتکاب کیسے کرتا۔ اے ابن سعد وہ پانی جسے کتے اور سور تک پیتے ہیں۔ حسین اور ان کے بچوں کے لئے حرام ہے۔ تو نے پانی بند کر رکھا ہے اس کے بعد بھی اپنے کو مسلمان کہتا ہے۔ یہ سن کر عمر سعد شرمندہ ہوا۔ ''فقال یا اخی حمدان ما اجد

نفسی تجیبنی الی ترك الرائے بغیری" اور کہنے لگا کہ میں تو اپنے نفس کو اس بات پر راضی نہیں پاتا کہ ملک رے کی حکومت دوسرے کے سپرد کردے۔ یہ سن کر ابن حصین واپس تشریف لائے اور خدمت امام میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئے۔ مولا عمر بن سعد ملعون حکومت رے کے لالچ میں آپ کے قتل کو ضروری جانتا ہے۔ اور کسی طرح اپنے ارادہ سے باز نہیں آتا۔
(ناسخ التواریخ ج ۶۔ ص ۲۳۸ طبع ایران)

خیموں کے گرد خندق کھودنے کا حکم:

علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ: یزید بن حصین نے عمر سعد کی گفتگو عرض کی تو آپ نے یقین جنگ پر خندق کھودنے کا حکم دیا۔

فلما عرف الحسین ذالك منهم تیقن ان القوم مقاتلوه فامر اصحابه فاحتفروا حفیرة شبیهة بالخندق وجعلوا جهته واحده یکون القتال منها. نور الابصار ص ۱۱۷ طبع مصر، نور العینین ص ۵۱ طبع یمی

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان کے خیالات معلوم کئے تو یقین کر لیا کہ یہ ضرور لڑیں گے تو آپ نے اصحاب کو حکم دیا کہ تمام خیموں کو یکجا کر کے ان کے گرد ایک گڑھا خندق کی شکل کا کھودو۔ اور ایک جانب مقابلہ کے لئے راستہ رہنے دو۔ پھر ان لوگوں نے خندق کھودی۔

مورخ شہیر مولوی سیّد علی حیدر صاحب لکھتے ہیں: پھر امام حسین کی ہدایت کے مطابق آپ کے اصحاب نے خیموں کو باہم ملا کر نصب کیا۔ اور خیموں کے پیچھے ایک خندق کھود کر اس میں لکڑیاں بھر دیں تا کہ وہ لڑائی کے وقت جلا دی جائیں اور اس تدبیر سے دشمن خیمہ گاہ تک نہ پہنچ سکیں۔ جیسا کہ حضرت محمد مصطفٰے رسول اللہ ﷺ نے جنگ احزاب کے موقع پر کیا تھا۔ الخ (تاریخ آئمہ ص ۳۵۷)

حضرت عباسؑ اور ان کے اہل بیت کا کنواں کھودنا

آٹھویں کا دن گزر رہا ہے۔ دھوپ کی حدت اور پیاس کی شدت نے جاں نثاران اسلام کے جگر کو کباب کر دیا ہے۔ امام حسین علیہ السلام اپنی، اپنے بال بچوں اور اصحاب و انصار کی پیاس محسوس کر رہے ہیں پانی کے حصول کے لئے سبیلیں سوچتے ہیں۔ لیکن دستیابی آب کی کوئی شکل نظر نہ آتی تھی۔ اب آخری صورت جو حضرت امام حسین کے سامنے ہے وہ "چاہ کنی" ہے یعنی آپ اس کے علاوہ اور کوئی تدبیر مناسب تصور نہیں فرماتے۔ کہ سقائے سکینہ کو حکم دیں۔ اور وہ کنواں کھود

کر پیاسوں کی سیرابی کی سبیل پیدا کریں۔

مورخ ابومخنف اور علامہ ابن طاؤس لکھتے ہیں:

واشتد العطش بالحسین واصحابه واولاده فشکو ذالك الی الحسین فدعی باخیه العباس وقال یا اخی اجمع اهلبتیك واحضروا بئرا ففعلوا ذالك فلم یجدوا فیهاماء فطموها.
مقتل ابی مخنف ص ۲۷ طبع بمبئی، لھوف ص ۳۹۹ طبع ایران

امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب واولاد پر پیاس کی شدت ہوئی۔ تو ان لوگوں نے امام حسین کی خدمت میں شکایت کی تو حضرت عباس کو بلا کر کہا کہ بھائی اپنے اعزاء کو جمع کر کے کنواں کھودو۔ حضرت عباس نے سب کو جمع کیا اور کنواں کھودا۔ لیکن پانی برآمد نہ ہوا۔ تو اسے آپ نے بند کر دیا۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے حکم سے حضرت نے دیگر اہل بیت کی مدد سے ایک کنواں کھودا۔ لیکن بمشیت خداوندی پانی برآمد نہ ہوا۔ لیکن علامہ بسطامی نے جو افادہ فرمایا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ عمر بن سعد نے یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ کنواں کھودا جا رہا ہے تعمیل حکم ابن زیاد میں لشکر لے کر آیا اور کنوئیں کی کھدائی کو اس منزل تک پہنچنے سے پہلے کہ جہاں تک کھودنے کے بعد پانی برآمد ہوتا ہے۔ اس نے کنوئیں کو بند کرا دیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب شدت عطش حد سے بڑھ گئی اور چھوٹے چھوٹے بچے پیاس سے بے حال ہونے لگے۔

برادر خود را طلبیده دوفرمود اہل بیت خود را جمع نماد چاہے بکن۔ حضرت عباس چاہے کند۔ عمر سعد چاہ را پر کرد۔
(تحفہ حسینیہ ص ۲۳۲ طبع ایران)

تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت عباس کو طلب فرما کر حکم دیا کہ اہل بیت کو جمع کر کے ایک کنواں کھودو حضرت عباس نے کنواں کھودا لیکن عمر سعد نے اسے بند کروا دیا۔

واضح ہو کہ حضرت عباس علیہ السلام کو دو دفعہ کنواں کھودنے کا حکم دیا۔ پہلی دفعہ کے حکم میں یہ موجود تھا کہ اپنے ہمراہ اہل بیت کو لے کر کنواں کھودو۔ اور دوسرے حکم میں اصحاب کی ہمراہی ہے۔ پہلا حکم آٹھویں تاریخ کو چاہ کنی کا ملا تھا۔ جس کی طرف علامہ شیخ جعفر شوستری نے بھی اپنی کتاب مجالس المواعظ والبکاء موعظہ ہشتم محرم الحرام میں اشارہ فرمایا ہے۔ اور دوسرا حکم نویں محرم الحرام کی صبح سے متعلق ہے۔ جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے کثیر اصحاب اور غلاموں کی موجودگی کے باوجود شہزادوں کو کنواں کھودنے کا حکم کیوں دیا۔ اس کے جواب میں بعض مورخین

فرماتے ہیں۔"ان الحسین کان مامورا فی ذالک الیوم بان یامر اخوته وابنائه واھلبیته خاصة لحضر البئر" امام حسین علیہ السلام کو حکم خداوندی تھا۔ کہ آج کے دن اپنے بھائی بیٹوں اور اہل بیت کو خصوصیت کے ساتھ کنواں کھودنے کا حکم دیں۔ اور اس کی بھی افسری حضرت عباس علیہ السلام کو عطا کریں۔"وھی الکرامة العظمیٰ" جو ایک بہت بڑی کرامت ہے۔ (مائتین ص ۴۴۷)

علامہ کنتوری تحریر فرماتے ہیں۔ کہ میرے نزدیک حضرت امام حسین علیہ السلام کا اعزاء واقرباء کو کنواں کھودنے کا حکم دینا اور اتنی بڑی مشقت میں مبتلا کرنا بظاہر چار وجوہات پر مشتمل تھا۔

الاول اختیار ھم فیا طاعة الامام و کسر سورة نفوسھم و تذللھم و تسویتھم یا صحابه فی درجاتھم و مراتبھم کی لا یکونون مغرورین بالقرابة التی لھم بالحسین فان الله یقول' ان اکرمکم عند الله اتقاکم فان حضر البر من ھولاء الکرام مع وجود الاصحاب والعبید بھن ظاھر لا ھلبیته ولما لم لیتنکفوا بل فعلوا ما امروبه فقد صدق علیھم انھم کانوا ابروا فی من کل اھل بیته و ثانیھا. اختیار نسائه الطاھرات فے نحمل مرضاته فان امھات ھولاء الکرام واخواتھم وعماتھم وازواجھم تدکن یرون باعینھن وھم یحضرون البروفی ید کل واحد منھم فاس وابدانھم ملطخة بالتراب کانھم اجراء و عمال فی تعمیر العمارات ومع ذالک لم ینزجون ولم یتکلمن بکلمة تشعر بعدم رضاھن بذالک بل لم یرو من احد اھن الانکار من ذلک ولا استنکاف والافقد تعلم ما لھن من العز والشرف وقد کان یقضی عدم رضا ھن به ذالک ھذا ولکن تدبر یا اخی وارجع الی فطرتک السلیمة فانھا تشھد علی انه وان کن الطاھرین من النباء تابعات لمرضات امامھن ولکن اذا قام اھل المجد والفخار تولیة امر مستھجن علی الظاھر فما یصیبھم من الحزن والتحر و کیف یرضون بفعله ثم کیف ترضی المعظمات المخدرات من النساء ان یرون اعزا اقرباٸھن فی تلک الذلة و الھوان ولا یکیھن عالیات و یحظرن بیالھن انھن فی مثل ذالک والمشھد قد اصابھن من الالم والھموم ما اصابھن فظنی ان اصواتھن قد کانت عالیات بالبکاء. (ثالثھا) ان الحسین ارادان یجعل اخاه العباس فی ذالک المشھد سقاء کما جعل النبی عمه حمزه سقاء وقد زاد الحسین لاخیه فی

شرفه ان امره باتیان مقدمات السقی اولا و منها حضر البئر الفیاً. (رابعها) ان حضر تلك البراظن انه كان قريبا من خيام النبوة ابطاهرات ..... واذا كان حضر البئر فی متل المقام فلا بدان یحضرها اهل بیته الذین هم المحارم الطاهرات من النساء الخ (مائتين ۴۵۱. ۴۴۸)

(پہلی وجہ) یہ تھی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے اہل بیت کو جانچنا چاہا ہے کہ میری اطاعت میں وہ کس درجہ سرگرم ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے نفوس کی تیزی کو توڑنا اور انہیں اصحاب کے برابر دیکھنا چاہتے تھے تاکہ ان میں امام کے قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے غرور نہ پیدا ہو جائے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (قرابت نہیں بلکہ تقویٰ انسان کو باعزت بناتا ہے) بے شک اصحاب اور خدام کی موجودگی میں اہل بیت کرام کا کنواں کھودنا کھلی ہوئی توہین ہے۔

بہر صورت جب ان شاہزادوں نے حکم امام پر عذر نہ کیا اور کنواں کھودنے میں مشغول ہو گئے۔ تو یہ بات ظاہر ہو گئی کہ یہ حضرات تمام اہل بیت میں وفا شعار اور جوش کردار ہیں۔ (دوسری وجہ) یہ تھی کہ امام حسین علیہ السلام ان بیبیوں کا بھی امتحان کر رہے تھے جو آپ کے ہمراہ تھیں۔ اور ان شاہزادوں کی ماں، بہنیں، پھوپھیاں اور بیویاں تھیں۔ جو اپنی آنکھوں سے دیکھتی تھیں کہ یہ لوگ کنواں کھود رہے ہیں اور ہر ایک کے ہاتھ میں بیلچہ ہے اور ان کے جسم خاک میں اٹے ہوئے ہیں۔ گویا وہ مزدور اور معمار کی صورت میں ہیں۔ لیکن دم نہیں مارتی تھیں اور کوئی جملہ ایسا منہ سے نہ کہتی تھیں جس سے اس فعل پر عدم رضا ظاہر ہوتی ہو۔ اور کسی راوی نے اس امر کی روایت نہیں کی کہ ان عورتوں نے اس فعل کو ناپسند کہا ہو۔

یہ تو ظاہر ہے کہ ان کی بلند عزت اور خاندانی شرافت اس بات کی مقتضی تھی کہ وہ اس سخت کام پر رضا مند نہ ہوتیں۔ لیکن برادرم! بات تو یہ ہے کہ جب تم عقل سلیم پر زور دے کر سوچو گے تو معلوم ہوگا کہ ان لوگوں نے بڑے حوصلے سے کام لیا۔ لیکن پھر بھی اگرچہ یہ پاک عورتیں تھیں اور امام کی رضا پر راضی رہیں۔ مگر اصول یہ ہے کہ جب صاحبان مجد و فخر کسی ذلیل کام کے ذمہ دار بن جائیں اور انہیں ذلت کا کام کرنا پڑے تو ضرور رنج و الم اور غم و افسوس ہوتا ہے۔ سمجھنے کی بات ہے کہ یہ شاہزادے کیونکر اس فعل پر راضی رہے اور ان کی عورتیں اپنی آنکھوں سے اپنے اعزاء کو ذلیل کام کرتے دیکھ کر روئیں چلائیں نہیں اور رنجیدہ نہیں ہوئیں۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ ضرور رو پڑی ہوں گی۔ ان کی صدائے گریہ ضرور بلند ہوئی ہو گی۔ (تیسری وجہ) یہ تھی کہ امام حسینؑ یہ چاہتے تھے کہ اپنے برادر عزیز کو اس وقت اس طرح ساقی قرار دیں جس طرح حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

اپنے چچا حضرت حمزہ کو ساقی بنایا تھا۔ اور اس کی صورت یہی تھی کہ مقدمات سقایت کو بھی عباس ہی سے ادا کرائیں جن میں کنواں کھودنا بھی داخل تھا۔ اسی لئے کنواں کھودنے کا حکم عباس کو دیا گیا۔

(چوتھی وجہ) یہ تھی۔ میرے خیال میں وہ جگہ جہاں کنواں کھودا جا رہا ہے۔ خیام اہل بیت علیہم السلام سے متصل تھی اس لئے ضروری تھا کہ ایسے لوگ کنواں کھودتے جو اہل حرم کے محرم اور قریبی رشتہ دار ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ان شہزادوں کو کنواں کھودنے کا حکم ملا تھا۔

۹ محرم الحرام ۶۱ھ یوم پنجشنبہ

حضرت امام حسین علیہ السلام اور عمر بن سعد میں آخری گفتگو حضرت عباس اور علی اکبرؑ بھی ساتھ تھے

آٹھویں کا دن کنواں کھودنے' کھدانے میں گزر گیا۔ اور نویں کی رات آ گئی۔ حضرت امام حسین نے ابن سعد سے تمام حجت کے لیے آخری گفتگو کر لینی مناسب سمجھی۔

مورخین لکھتے ہیں:

ثم ارسل الحسين الى عمر بن سعد لعنه الله الى ايهدان اكلمك فالقتى الليلة بين عسكرى و عسكرك فخرج اليه ابن سعد فى عشرين وخرج اليه الحسين فى مثل ذالك فلما اليقيا امر الحسين واصحابه فتنحوا عنه و بقى معه. اخوه العباس وابنه على الاكبر وامر ابن سعد اصحابه فتنحوا عنه و بقى معه ابنه حفص و غلام له فقال له الحسين عليه السلام و يلك يا بن سعد ما تتقى الله الذى اليه معادك اتقاتلنى و انا من

پھر امام حسین علیہ السلام نے عمر بن سعد کے پاس کہلا بھیجا کہ میں تجھ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں' لہذا تو رات کو دونوں لشکروں کے درمیان مجھ سے مل۔ چنانچہ رات کے وقت دونوں اپنے اپنے خیموں سے ۲۰۔۲۰ افراد کو لئے ہوئے نکلے۔ جب ان دونوں کی ملاقات ہوئی تو امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباسؑ اور علی اکبر کے علاوہ تمام اصحاب کو اپنے سے ہٹا دیا۔ اور عمر سعد نے بھی اپنے لڑکے اور غلام کو ہمراہ رکھا۔ اس کے بعد امام حسین نے فرمایا۔ اے عمر اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ تم مجھے قتل کرتے ہو۔ حالانکہ میں تمہارے ہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسی میں خوش ہوگا کہ تم میرے ساتھ نیکی

علمت ذوهولاء القوم و كن معي فانه اقرب لك الى الله فعال عمر الحسين عليه السلام انا ابنيها لك فقال ان توخد ضيعتي فقال الحسين انا اخلف عليك خيرا منها من مالي بالحجاز فقال لي عيال و اخاف عليهم ثم سكت ولم يجبه الى شئ فالضرف عنه الحسين وهو يقول مالك ذبحك الله على فراشك عاجلا ولا غفرلك يوم حشرك فوالله اني لا رجوان لا تاكل من بر العراق الا يسيرا. فقال ابن سعد في الشعير كفاية عن البر مستهزع بذالك القول' دمعة الساكيه صفحه ۳۲۳ جلاء العيون ص ۱۹۸

کرو۔ عمر بن سعد نے کہا۔ کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا گھر گرا دیا نہ جائے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر ایسا ہوا تو میں اس کو بنوا دوں گا۔ اس نے کہا میرا مال ومتاع لوٹ لیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا۔ اگر ایسا ہوا تو میں اس سے بہتر تجھے دے دوں گا۔ پھر اس نے کہا میرے بال بچے ہیں۔ میں ان کی تباہی سے ڈرتا ہوں۔ پھر اس کے بعد بالکل خاموش ہو گیا۔ اور کوئی جواب نہ دیا بعدہ امام حسین علیہ السلام واپس تشریف لے آئے اور آپ نے کہا جلد تجھے اللہ تعالیٰ غارت کرے اور اللہ تعالیٰ تجھے حشر کے دن نہ بخشے۔ الخ

تواریخ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور عمر سعد میں اب تک جتنے بھی تخلیے ہوئے تنہائی میں ہوئے۔ لیکن اس دفعہ کی ملاقات میں ۲۰۔۲۰ آدمیوں کا ہونا یہ واضح کرتا ہے کہ اب عمر سعد کے خیالات بدل چکے ہیں۔ اور وہ قتل پر آمادہ ہو چکا ہے۔ اور موقعہ گفتگو پر حضرت عباس اور حضرت علی اکبر کا اس طرف اور عمر سعد کے بیٹے اور غلام کا اس طرف سے ہونا بتاتا ہے۔ کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے مطمئن نہیں ہیں۔

ابن سخیر اور ابن بریر میں گفتگو:

مورخ شہیر سپہر کاشانی لکھتے ہیں کہ "در شب پنجشنبہ نہم محرم حسین علیہ السلام درسراپردہ خویش جائے داشت واصحاب آں حضرت ہر کس در خیمہ خویش میزیست لشکر ابن سعد ورگرد معسکر حسین پرہ داشتند۔ الخ۔

ترجمہ: نہم محرم پنجشنبہ کی رات کو حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے خیمہ میں اور اصحاب حسینؑ اپنے اپنے خیمہ میں فروکش تھے۔' کہ ناگاہ عمر بن سعد کے لشکر نے ان حضرات کے خیموں کا دورا اور

قریب سے محاصرہ کرلیا۔ اور ایک شخص عبداللہ بن سمیر نامی خیمہ امام حسین کے قریب جا کر سننے لگا کہ امام کیا بات چیت کرتے ہیں۔ اس نے حضرت کو "ولا تحسبن الذین کفروا" کی تلاوت کرتے پایا جس کے آخر میں "ما کان الله لیذر المومنین علی ما انتم علیه حتی یمیز الخبیث من الطیب" تھا۔

یہ سن کر اس نے آواز دی کہ ہم ہی وہ لوگ ہیں جو پاک اور طیب ہیں۔ حضرت بریر ہمدانی کے کانوں تک یہ آواز پہنچی۔ فوراً خیمہ سے برآمد ہو کر کہا۔ اے ملعون تو طیب ہے کہ نجس محض۔ اس پر تا دیر گفتگو جاری رہی۔ شمر نے پکار کر کہا۔ جتنی باتیں چاہے بنا لو۔ کل تو تم ہمارے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترو گے۔ بریرؓ نے فرمایا۔ ہمیں موت سے ڈراتے ہو۔ حالانکہ ہم موت سے ڈرنے والے نہیں۔

جب گفتگو نے طول پکڑا تو حضرت امام حسین نے حضرت بریر کو آواز دی اور فرمایا کہ ان لوگوں پر کسی اچھائی کا اثر نہیں ہو سکتا۔ واپس چلے آؤ۔ وہ حکم امام سے خیمہ میں واپس تشریف لے گئے۔ ناسخ التواریخ۔ جلد ۶ صفحہ ۲۴۲

ماہِ محرم کی نویں تاریخ حضرت عباس اور اصحاب کا کنواں کھودنا

صبح نہم محرم:

نویں کی رات جوں توں گزر گئی اور صبح ہوئی۔ اہل بیت حسین علیہ السلام اور اصحاب پر پیاس کا غلبہ ہے اور پانی کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے قوت بازو ساقی اہل بیت کو طلب فرما کر ارشاد کیا۔ بھائی! چند اصحاب کو ہمراہ لے کر کنوں کھودو۔ شاید پانی برآمد ہو اور چھوٹے چھوٹے بچے سیراب ہو جائیں۔

مورخین لکھتے ہیں کہ

چوں شب محرم بپایاں رسید و سفیدہ صبح بردمید۔ در معکر حسین آب تنگیاب بود۔ اہل بیت و اصحاب سخت تشنہ لب شدند و شکایت بحضرت حسین آوردند۔ ابو عبداللہ برادرِ خود را طلب کرد۔ و فرمود۔ با چند تن اصحاب چاہے حفر کنید۔ باشد کہ آبے برآوردید۔ دریں کرت برفتند و چند گہ کاوش کردند آب نیافتند۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۴۵)

"جب نویں محرم کی رات تمام ہوئی اور سپیدہ صبح نمودار ہوا تو اس وقت حضرت امام حسین کے لشکر میں پانی مطلق نہ تھا۔ اہل بیت حسین اور اصحاب سخت پیاسے تھے اور فرزند ساقی کوثر کی

خدمت میں حاضر ہو کر پیاس کی شکایت کرنے لگے۔ حضرت نے حضرت عباس علیہ السلام کو طلب فرمایا۔ اور حکم دیا کہ چند اصحاب کو ہمراہ لے کر کنواں کھودو۔ شاید پانی کی سبیل پیدا ہو جائے۔ حضرت عباس آلات کندنی لے کر ایک طرف تشریف لے گئے اور کئی جگہ کوشش کی مگر پانی برآمد نہ ہو سکا۔"

بعض مورخین لکھتے ہیں کہ صبح نہم حضرت سکینہ پر پیاس کا بے حد غلبہ ہوا۔ آپ حضرت زینب کے پاس آئیں اور کہنے لگیں۔ پھوپی اماں اب پیاس مارے ڈالتی ہے۔ پانی بالکل ختم ہو گیا ہے سب برتن خالی ہیں مشکیزوں کی تری جاتی رہی ہے اور وہ بھی بالکل سوکھ گئے ہیں۔ حضرت زینب نے جناب سکینہ کا یہ حال دیکھا۔ حضرت زینب علی اصغر کو گود میں لئے اضطراب کی وجہ سے کبھی اٹھتی اور کبھی بیٹھتی تھیں اور کبھی بیٹھ جاتی تھیں۔ اور حضرت علی اصغر کی یہ حالت ہے کہ مچھلی کی طرح تڑپ رہے ہیں۔ حضرت زینب فرماتی ہیں۔ صبر اُصبرا! بیٹا صبر کرو۔ حضرت سکینہ سے رہا نہیں جاتا۔ رو پڑتی ہیں۔ حضرت زینب فرماتی ہیں بیٹی کیوں روتی ہو۔ عرض کرتی ہیں "حال اخی الرضع" علی اصغر کی حالت رلا رہی ہے۔ پھر سکینہ عرض کرتی ہیں۔ پھوپی اماں! اصحاب وانصار کے خیموں میں پانی تلاش کرائیں شاید کہیں سے تھوڑا بہت مل جائے جناب زینب ان کی تسلی کے لئے ام کلثوم وغیرہ کے خیموں میں تشریف لے گئیں۔ حضرت عباس اور حضرت قاسم و دیگر قرابت داران کے خیموں میں گئیں لیکن کہیں سے ایک قطرہ بھی میسر نہ ہو سکا۔ تو آپ مایوس ہو کر ان چھوٹے چھوٹے بچوں کو لئے ہوئے جن کی تعداد بیس تھی واپس اپنے خیمہ میں تشریف لائیں۔ (مائتین ص ۳۱۶ مواعظ حسنہ ص ۲۸۳)

"ثم طلب العباس وقال فاجمع اصحابك واحضر بئرا" پھر حضرت نے حضرت عباسؑ کو بلایا اور حکم دیا۔ بھائی اصحاب کو جمع کر کے کنواں کھودو۔ اس لئے کہ بچے شدت تشنگی سے جاں بلب ہیں۔ حضرت عباس اٹھے اور کنواں کھدنے لگا۔ "قال فعند ذالك اجتمعت الاطفال علی تلك البر و بید كل واحد منهم ركوة قالوا یا عماه العطش" راوی کہتا ہے کہ جب بچوں کو کنواں کھودے جانے کی خبر ملی تو ہاتھوں میں کوزے لئے ہوئے اور العطش کہتے ہوئے لب ٹہرا آ گئے اور جھک جھک کر اسے دیکھنے لگے۔ "واذا جاء القوم فطموها فهريت الاطفال الخيام" ادھر کنواں کھدر ہا ہے۔ ادھر کسی نے عمر سعد کو خبر کر دی۔ وہ لشکر لئے ہوئے آ پہنچا۔ پیاس کے مارے ہوئے بچے ہاتھوں میں خالی کوزے لئے ہوئے خیموں کی طرف بھاگے۔ ان ظالموں نے اس کنوئیں کو بند کر دیا۔ "ثم حضر بئرا فطاموحا حتی حضرا ربعا" ان دشمنوں کے چلے جانے کے بعد عباس نے دوسرا کنواں کھودا۔ اب کی مرتبہ پیاسے بچے خوف وہراس کے مارے لب چاہ تک نہ آئے اور

در خیمہ سے العطش کا نعرہ لگاتے رہے۔ پھر ان دشمنوں نے آ کر اسے بھی بند کر دیا۔ الغرض حضرت عباس نے پے در پے چار کنوئیں کھودے۔ اور سب بند کر دیئے گئے۔ پھر جب پانچواں کنواں کھودا تو اتفاقاً پانی کی برآمدگی کا موقع مل گیا۔ **"فاذا بلغ الماء جاءت سکینہ و معھا الرکوۃ"** یہ دیکھ کر حضرت سکینہ کوزہ لئے ہوئے دوڑ پڑیں۔ اور کہا چچا جان مجھے ایک جام بھر دیجئے۔ میرا جگر پیاس کے مارے کباب ہو رہا ہے۔ **"فبکی العباس بکاء شدیدا و ملاء الرکوۃ"** یہ سن کر حضرت عباس بے ساختہ رو پڑے اور کوزہ بھر کے سکینہ کو دیا۔ سکینہ ابھی پانی پینے بھی نہ پائی تھیں کہ دشمن کا لشکر پھر آ گیا۔ یہ بے چاری ہاتھ میں کوزہ لئے ہوئے خیمہ کی جانب دوڑیں۔ **"فظل رجلھا فی الطناب فانکبت و قالت یا عمتاہ تری ھذا لحال"** ناگاہ آپ کا پاؤں طناب خیمہ سے الجھ گیا۔ اور زمین پر منہ کے بل گر گئیں۔ اور بڑی مایوسی کے ساتھ اپنی پھوپی حضرت زینب کو پکار کر کہا۔ اے پھوپی جان پانی ہاتھ میں آ کر جاتا رہا **"فعند ذالك اغتم الحسین عماً شدیداً"** یہ حال دیکھ کر امام حسین علیہ السلام بے انتہا رنجیدہ ہوئے۔ (خلاصۃ المصائب ص ۱۱۲ طبع نولکشور ۱۸۷۶ء)

امام حسین علیہ السلام خود نکل پڑے:

جب پانی کی کوئی سبیل نظر نہ آئی۔ اور حضرت امام حسین نے اپنی آنکھوں سے بچوں کی مایوسی اور بے چینی اس موقعہ پر بھی ملاحظہ کی تو برداشت نہ ہو سکا اور اتمام حجت کے لئے ناقہ پر سوار ہو کر قوم اشقیاء کے سامنے جا نکلے۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں۔

روز نہم امام حسین علیہ السلام برائے اتمام حجت بر شتر سوار شدہ بہ نزدیک لشکر خصم رفت و فرمود۔ اگر بہ اعتقاد شما من گناہگار م این زنان و اطفال صغیر کہ اہل رسول خدا اند بے گناہ ہستند۔ آنہا را شربت آبے دھید کہ بہ ہلاکت نزدیک رسیدہ اند۔ عمر گفت اے حسین اگر تمام عالم را آب گیرد و تصرف ما باشد یک قطرہ بتو و اتباع تو ندہیم۔ مگر بر یزید بیعت کن الخ

نویں تاریخ کو حضرت امام حسینؑ اتمام حجت کے لئے ناقہ پر سوار ہو کر لشکر مخالف کی طرف تشریف لائے اور فرمایا: اے قوم! اگر تمہارے خیال ناقص میں میں گنہگار ہوں تو ان عورتوں اور بچوں نے تو کوئی گناہ نہیں کیا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت ہیں اور بے گناہ۔ انہیں تھوڑا پانی دے دو کہ جاں بلب ہیں۔ عمر نے کہا۔ کہ اے حسین اگر ساری دنیا پانی پانی ہو جائے اور ہمارے قبضہ اقتدار میں ہو تو ہم اس وقت تک ایک قطرہ بھی نہ دیں گے۔ جب تک تم یزید کی بیعت نہ کر لو گے"

یہ سن کر حضرت امام حسینؑ نے اپنا تعارف کرایا اور رسول اللہؐ سے اپنا رشتہ واضح کیا۔ لیکن۔

باسیہ دل چہ سود گفتن وعظ   نہ رود میخ آہنی در سنگ

(اکسیر التواریخ صفحہ ۲۰۷)

الغرض ادھر اہل بیت کرام پانی کی فکر میں کنوئیں کھود رہے ہیں۔ اور امام حسین علیہ السلام سرگرداں ہیں۔ ادھر شمر ملعون اپنی ترکیبوں میں لگا ہوا ہے۔ وہ پوری فکر کے ساتھ یہ چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح امام حسین کے خشک گلے پر خنجر پھر جائے۔

شمر کا کوفہ جانا:

شب نہم جو گفتگو امام حسین اور عمر سعد میں ہوئی تھی۔ شمر کو اس کی خبر نہ تھی۔ لیکن جب اس نے سنا کہ:

"عمر بن سعد در شب رفتہ با حسین سخن گفتہ فی الحال بکوفہ رفت و با پسر زیاد گفت کہ میان حسین و عمر سعد رسل و مراسلہ واقع است و شب نیز با یکدگر ملاقات نمودہ تدبیر ہا می کنند و حقیقت ایں حال معلوم نیست"

روضۃ الشہداء ص ۳۰۶ طبع بمبئی

کہ عمر سعد رات کے وقت امام حسین کے پاس جا کر بات چیت کرتا ہے فوراً کوفہ روانہ ہو گیا اور ابن زیاد سے کہا کہ امام حسین اور عمر سعد میں مراسلہ جاری ہے اور بات چیت ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ آج شب کو بھی تخلیہ میں باتیں ہوتی رہیں۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ گفتگو کا کیا رخ تھا"

عبیداللہ بن زیاد نے جب شمر کی زبانی ان دونوں کی گفتگو کا حال سنا تو آگ بگولا ہو گیا اور فوراً عمر سعد کو لکھا اما بعد۔

ابعثك الى الحسين لتكف عنه ولا لتطاوله ولا ليمينه السلامة والبقا ولا لتعذر عنه ولا لتكون عندى شفيعا انظر فان نزل الحسين واصحابه على حكمى واستسلمو فابعث بهم الى سلجا فان ابوانا زحف اليهم ا‍م حتى تقتلهم و تمثل بهم فانهم لذالك مستحقون فان قتلت حسينا فاوطى الخيل

میں نے تجھے امام حسین کی طرف سے اس لئے نہیں بھیجا کہ تو انہیں باز رکھ اور ان کی حفاظت کر اور نہ اس لئے بھیجا ہے کہ ٹال مٹول کر۔ اور سلامتی و بقا کے لئے دعائیں کر۔ اور دیکھ تو مجھ سے ان کی شفاعت نہ کر۔ اچھا سن! اگر حسین اور ان کے اصحاب میرے حکم کو مان لیں تو ٹھیک ہے۔ ورنہ پھر انہیں قتل کر دے۔ کیونکہ وہ اسی کے مستحق ہیں اور جب حسین کو قتل کرے تو ان کی لاش پر گھوڑے دوڑا دے تا کہ پیٹھ اور پیٹ

صدرہ و ظھرہ فانہ عات ظلوما ولست اری ان ھذا یضر بعد الموت شیئا ولکن علی قول فدقتلہ تفعلت ھذایہ فان انت مضیت لا مرنا حفر نیاك جزاء الشامع المطیع وان انت ابیت فاعتزل عملنا و حبذ نا دخل بین شمر بن ذی الجوشن و بین العسکر فانا قدامرناہ بامرنا. والسلام و معہ ساکبہ ص۳۲۳ و ناسخ جلد ٦ صفحہ ۲۳۹

سب پس جائیں۔ میرا تو عقیدہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد ان چیزوں سے تکلیف نہیں ہوتی۔ اگر تو نے انہیں قتل کر ڈالا تو میں تجھ کو بڑی جزا دوں گا۔ اور تجھے بہت ہی سراہوں گا۔ اور اگر تجھ سے یہ نہیں ہوسکتا۔ تو شمر کو اپنا قائم مقام کردے۔

حضرت عباس کے لئے امن نامہ کی حصولی

ابن زیاد نے بھرے دربار میں مذکورہ بالا خط لکھ کر شمر ذی الجوشن کے حوالے کر دیا۔ شمر ابھی روانہ ہونے نہ پایا تھا کہ حریر بن عبداللہ بن مخلد کلابی کھڑے ہو گئے۔ اور ابن زیادہ کو مخاطب کر کے کہا:

ایھاالامیر! مراسخنے است اگر فرماں رود بعرض رسانم۔ ابن زیاد گفت بگوئی تا چہ داری گفت علی بو طالب گاھے کہ در کوفہ سکون اختیار فرمود۔ دختر عم مرا کہ ام البنین نام داشت بحبالہ نکاح خویش در آورد واز روے چہارم پسر متولد گشت نخستین عبداللہ دوم جعفر سہ دیگر عباس، چہارم عثمان واین ہر چہار تن عم زادگان من باشند۔ اگر اجازت فرمائی ایشاں رامنشورے رقم کنم و خط امان فرستم داین بزرگ عطائی است کہ درحق ما کردہ باشی ابن زیادہ گفت۔ ایشاں را امان دادم۔ صورت حال را رقم کن و بدیشاں فرست۔ تاازھول و ھرب برآسانیہ۔ ناسخ۔ ج٦ص۲۴۲

اے امیر! میری ایک خواہش ہے اگر قبول کرنے کا وعدہ کرے تو عرض کروں، ابن زیاد نے کہا۔ کہو تو سہی کیا بات ہے۔ جریر نے کہا جب حضرت علیؑ کوفہ میں قیام پذیر تھے تو انہوں نے میری چچازاد بہن ام البنین کے ساتھ عقد کیا تھا اور اس سے چار فرزند پیدا ہوئے تھے۔ عبداللہ، جعفر، عباس، عثمان۔ یہ چاروں میرے چچازاد بھائی ہیں اور کربلا آئے ہوئے ہیں۔ اگر اجازت ہو تو انہیں ایک تحریر کے ذریعہ سے خط امان لکھ دوں۔ اے امیر یہ مہربانی بڑی وزنی ہوگی۔ ابن زیاد نے کہا۔ اچھا میں نے انہیں اماں دے دی۔ تم صورت حالات انہیں لکھ بھیجو وہ لوگ ڈر کر گھبرا نہ جائیں۔

عبداللہ بن جریر نے جب امن نامہ حاصل کرنے کی کوشش کی تو شمر ابن ذی الجوشن جو عبداللہ کے خاندان سے تھا اس نے بھی ہاں میں ہاں ملا دی۔ ناسخ۔ جلد ۶ ص ۲۴۳ و تبر مذاب قلمی۔

الغرض عبداللہ بن جریر نے ابن زیاد سے امن نامہ حاصل کر لیا اور اسے خط کی شکل دے کر اپنے غلام "عرفان" کے حوالے کر کے کہا۔

بایدت بہ تعجیل و تقریب بکربلا رفت واین نامہ را بدست عبداللہ۔ عباس، جعفر و عثمان داد۔ ونگراں باش کہ جز ازیں چہار تن کس ازیں نامہ آگاہ نہ شود۔ ناسخ جلد ۶ ص ۲۴۲

تن جلد سے جلد منٹوں میں کربلا پہنچ اور اس نامہ کو عبداللہ، عباس، جعفر عثمان کے حوالہ کر اور دیکھ خبردار ان چاروں کے علاوہ اس کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔

عرفان۔ فرمان نامہ لئے ہوئے بات کی بات میں کربلا جا پہنچا اور اس نامہ کو حضرت عباس کے دست مبارک میں دیا۔

عبداللہ کے خط امان کا حضرت عباس کی طرف سے جواب

حضرت عباس اور ان کے بھائیوں نے عبداللہ ابن جریر کے خط امان کو پڑھا اور لکھے ہوئے حالات سے آگاہی ہوئی۔ اس کے بعد نہایت دلیری کے ساتھ عرفان سے فرمایا۔ کہ ہمارے مہربان عبداللہ بن جریر سے کہہ دو کہ:

ما انکس نیستیم کہ دست در ذیل اماں پسر زیاد زنیم۔ اماں خداوند قاہر غالب از بہر ما نیکو تر است ما آنرا خواہیم کہ خدا خواہد

ہم ایسے نہیں ہیں کہ ابن زیاد کے زیر سایہ امان کی چھاؤں میں بیٹھیں۔ خدائے غالب و قاہر کی اماں ہمارے لئے کافی ہے۔ ہم وہی چاہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔

عرفان جواب باصواب پا کر کوفہ واپس گیا اور عبداللہ سے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ عبداللہ چونکہ کربلا والوں کے مآل کار سے واقف تھا۔ لہٰذا سخت آزردہ ہوا اور کف افسوس ملتا ہوا خاموش ہو گیا۔

عرفان کے امن نامہ پیش کرنے پر خیمہ میں اضطراب:

علامہ قزوینی تحریر فرماتے ہیں کہ "جریر کا امن نامہ حضرت عباس کی خدمت میں پیش کیا

ل علامہ طلحہ بن شافعی لکھتے ہیں کہ خط میں یہ بھی لکھا "فان ابی ذالک فلیوذن بقتال یقطع الوتین وحبل الورید ویصعد الارواح الی المحل الاعلی ویصرع الی شباح علی الصعید وشیعث نفسہ الابیہ جد ہا وآبارہا، مطالب السؤل ص ۲۴۰" یعنی اگر حسین بیعت سے انکار کریں تو ان سے جنگ کا حکم لشکر کو دے دے۔ اور لڑ کر ان کی رگ جان اور شہ رگ کاٹ دے اور ان کی روح کو اوپر بھیج دے اور ان کے چہروں کو پچھاڑ دے اور ان کے سرکش نفس کو ان کے باپ دادے کے پاس پہنچا دے۔

گیا تو آپ نے اسے ملاحظہ فرما کر جواب دے دیا۔

عرفان کی آمد اور حضرت کا ہاتھوں میں لے کر امان نامہ کو پڑھنا۔ خیمہ کی مخدرات نے دیکھا' انسانی جذبہ کے ماتحت یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں عباس نے اسے منظور کر لیا تو کیا ہوگا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں آئیں اور اظہار خیال کیا۔ مطمئن بہادر نے ان عورتوں کو اطمینان دلانے کے لئے حضرت عباس کو بلا بھیجا۔ وہ حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت زینب علیہا السلام بھی اسی جگہ تشریف فرما تھیں۔ آپ نے دست بستہ ہو کر طلبی کا سبب پوچھا۔ حضرت زینب نے فرمایا۔

برادر عباس می خواہی مارا بدست دشمن بگزاری و بہ لشکر شمر ملحق شوی

بھائی عباس کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم کو دشمن کے ہاتھوں میں دے دو اور خود لشکر شمر سے جا ملو۔

اس تعجب خیز سوال پر حضرت عباس رو پڑے۔ نزدیک بود کہ خود را ہلاک کند۔ اور قریب تھا کہ اپنے کو ہلاک کر ڈالیں۔

عرض کی ہمشیرہ معظمہ! وہ پاؤں ٹوٹ جائیں جو آستانہ حسینی سے سرکیں۔ اور وہ آنکھیں پھٹ جائیں جو جمال حسینی کے علاوہ کسی بد مآل کی طرف دیکھیں۔ معظمہ آپ کیا فرماتی ہیں۔ میں نے تو یہ جواب دیا ہے کہ حسین جیسے اللہ والے مجاہد کے دامن کا سایہ تیرے امان سے بہتر ہے۔ ہمارے لئے ظل وجود حسینی کافی ہے۔ (حدائق الانس۔ ج ۲ ص ۶۹)

زیادی فرمان لے کر شمر ذی الجوشن کا کربلا میں پہنچ کر ابن سعد کو دینا

مورخین کا بیان ہے کہ شمر بن ذی الجوشن ابن زیادہ کا آخری حکم لئے ہوئے کربلا پہنچا اور اسے عمر سعد کے حوالہ کیا۔ ابن سعد نے کہا خدا لعنت کرے تو نے صلح نہ ہونے دی۔ اور جنگ کی آگ بھڑکا ہی دی۔ علامہ محمد باقر لکھتے ہیں۔

فاقبل شمر بن ذی الجوشن بکتاب عبید الله بن زیاد الی بن سعد. فلما قدم علیه و اقراه قال له عمر لعنة الله مالك ویلك لا قرب الله دارك و قبح الله ما قدمت به علی

پس شمر بن ذی الجوشن عبید اللہ ابن زیاد کا خط لے کر عمرو بن سعد کے پاس آ پہنچا۔ جب عمرو بن سعد ملعون نے یہ خط پڑھا تو اسے کہنے لگا تجھ پر وائے ہو۔ خدا تجھے برکت نصیب نہ کرے اور اس پیغام کا انجام بھی برا ہو۔ خدا کی قسم

والله انی لا ظنك نهيته عما كتب به اليه وافسدت علينا امرا قد كنا رجونا ان يصلح لا يستسلم والله حسين وان نفس ابيه بين حنبيه فقال له شمر اخبرني ما انت صانع اتمضی الامر امیرك و تقاتل عدوه والافخل بيني و بينه و بين الجند والعسكر فقال لا ولا كرامة لك ولكن انا اتولی ذالك فدونك فكن انت علی الرجالة. ومعه ساكبه ص ۳۲۳

میرا گمان یہ ہے کہ میں نے اسے جو کچھ لکھا تھا تو نے ہی اس سے اسے روکا ہے۔ اور جس امر کے اصلاح کی ہمیں امید تھی اس پر پانی پھیر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم امام حسین کبھی یزید کی اطاعت قبول نہ کریں گے! اس لئے کہ ان کے باپ کا دل ان کے دونوں پہلوؤں میں موجود ہے۔ شمر نے کہا اب یہ بتاؤ کہ کرنا کیا چاہتے ہو امیر کے حکم پر چل کر اس کے دشمن سے جنگ کرو گے یا نہیں، یہ معاملہ میرے سپرد کرو میں جانوں اور وہ جانے اور یہ فوج و لشکر جانے۔ عمر ابن سعد نے جواب دیا کہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔

علامہ بسطامی لکھتے ہیں کہ شمر اس نامہ ابن زیاد کو لئے نویں محرم الحرام یوم پنجشنبہ کو کربلا پہنچا اور عمر سعد کو دیا۔ تحفہ حسینیہ ص ۱۱۸ مقتل عوالم ص ۷۹، جلاء العیون ص ۱۹۸

عمر بن سعد کے شمر کے برا بھلا کہنے کے باوجود جنگ سے باز آنے اور فرزند رسول کے خون سے درگزر کرنے پر تیار نہیں ہوتا اور چاہتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو قتل کر کے حکومت رے کو ہاتھ میں سے نہ جانے دے۔ چنانچہ شمر کو پیادوں کا حاکم بنا کر خود سواروں کی کمان کرتا ہے۔ اور پیاسوں پر حملہ کرنے کی اسکیم مرتب کرنے لگتا ہے۔

حضرت عباس کی خدمت میں امان نامہ

محرم کی نویں تاریخ کو دن ڈھل چکنے کے بعد شمر اپنے خیمہ سے برآمد ہوا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے خیام کے قریب آ کر آواز دی۔ "این بنوا اختنا عبد الله و جعفر و عباس و عثمان" میرے بھانجے عبداللہ و جعفر و عباس و عثمان کہاں ہیں۔ میرے سامنے آئیں۔ میں ان کے لئے حکم امان لایا ہوں۔ ان حضرات نے جب امن کا لفظ سنا۔ خاموشی اختیار فرمائی اور بظاہر جواب بھی دینے کا ارادہ نہ تھا۔ لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام نے شمر کے کلمات سنتے ہی حضرت عباس سے فرمایا۔ "اجیبوہ وان کان فاسقا. فانه بعض اخوالکم" تم لوگ دیکھو تو سہی۔ یہ کہتا کیا ہے۔ اگرچہ یہ فاسق ہے۔ لیکن تمہارا ماموں ہوتا ہے۔ یہ سن کر حضرت

اسد اللہ کے چاروں شیر خیمہ سے نکل پڑے۔ اور قریب جا کر پوچھا۔ کیا کہتا ہے۔ اس نے کہا: "یا بنی اختی انتم امنون" اے میرے بھانجو! تمہارے لئے دامن امن وسیع ہے اور ابن زیاد سے میں نے تمہاری نجات کا حکم لے لیا ہے۔ "با برادر خود حسین رزم مزنید و خود را بیہودہ بکشتن مدہید۔ از معسکرِ حسین کنارہ گیرید و سر در اطاعتِ امیر المومنین یزید در آورید" تم حسین کے ساتھ رہ کر فضول اپنی جان نہ دو۔ اور حسین کے لشکر سے کنارہ کش ہو کر یزید کی اطاعت میں آ جاؤ۔

حضرت عباس کا شمر کو منہ توڑ جواب:

"فقال له الفئة لعنك الله ولعن امانك اتؤمننا وابن رسول الله لا امان له"

یہ سنتے ہی ان لوگوں نے بڑی دلیری کے ساتھ امان نامہ کو ٹھکراتے ہوئے کہا۔ "اللہ تعالیٰ تجھ پر اور تیری امان پر لعنت کرے۔ ہمیں تو امن دیتا ہے۔ اور فرزند رسول علیہ السلام کے لئے امان نہیں" سیّد ابن طاؤس فرماتے ہیں کہ

فناداه العباس بن علي عليهما السلام تبت [۲] يداك ولعن ما جئت به من امانك يا عدو الله اتامرنا ان نترك اخانا و سيدنا الحسين عليه السلام و ندخل في طاعة اللعنا و اولاد اللعنا. فرجع الشمر الى عسكره مغضبا

حضرت عباسؑ نے ڈانٹ کر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تجھے داخل جہنم کرے۔ اور تیری امان پر لعنت کرے۔ اے دشمن خدا۔ ہمیں مشورہ دیتا ہے کہ ہم اپنے بھائی اور آقا حضرت امام حسین علیہ السلام کو چھوڑ کر معلون بن ملعون کی طاعت میں داخل ہو جائیں۔

یہ سنتے ہی شمر ملعون آگ بگولہ ہو کر غیظ و غضب کے عالم میں اپنے لشکر کی طرف واپس چلا گیا۔ ناسخ التواریخ ج۶ ص ۲۴۳ جلاء العیون ص ۱۹۸۔ دمعہ ساکبہ ص ۳۲۴ مقتل عوالم ص ۷۹ تحفہ حسینیہ ص ۱۱۹ تاریخ اعثم کوفی ص ۲۶۷ فخزن البکاء ملا صلاح برغانی م۶ طبع ایران ۱۲۹۹ھ مائتین فی مقتل الحسین ص ۲۵۷۔ تاریخ طبری ج۶ ص ۲۳۷

---

[۱] علامہ کنتوری لکھتے ہیں۔ کہ بعض روایات کی بنا پر حضرت امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ سے کہیں۔ بلکہ ان کے بھائیوں سے فرمایا تھا کہ شمر کو جواب دو۔ ان کے عیون الفاظ یہ ہیں۔ "فقال الحسین لاخوته اجیبوه" اور آپ نے یہ اس لئے کہا تھا تاکہ حضرت عباسؑ کا احترام ہو سکے۔

[۲] "تبت یدا" دخول جہنم سے کنایہ ہے۔ حضرت رسول خدا صلعم کو ابولہب نے کہا "تباً لک" تو خداوند عالم نے سورہ تبت یدا ابی لھب الخ نازل فرما کر اس امر کو واضح فرمایا کہ ابولہب جہنمی ہے۔ تفسیر مجمع البیان ج۲ ص ۵۲۴ طبع ایران اور حضرت عباسؑ نے شمر کو تبت یداک فرما کر اس کے جہنمی ہونے کی سند دے دی ہے۔

حضرت عباسؑ اور شمر ملعون میں باہم قرابت داری کا انکشاف

مذکورہ بالا واقعہ کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ شمر ملعون حضرت عباسؑ کا ماموں تھا۔ اور آپ اس کے بھانجے۔ اور ابوالکلام آزاد کی تحریر مندرجہ ذیل سے پتہ چلتا ہے۔ کہ وہ آپ کا پھوپھی زاد بھائی تھا۔ ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں۔

''شمر بن ذی الجوشن کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کی پھوپھی ام البنین بنت حزام، امیر المومنین علی علیہ السلام کی زوجیت میں تھیں۔ اور انہیں کے بطن سے ان کے چار صاحبزادے عباس۔ عبداللہؓ جعفر اور عثمان پیدا ہوئے تھے۔ جو اس معرکہ میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ اس طرح شمر ان چاروں کا اور ان کے واسطہ سے حضرت امام کا پھوپھی زاد بھائی تھا''

لیکن یہ درست نہیں کہا جا سکتا۔ یعنی حضرت عباس کو شمر کا بھانجا سمجھنا اور اس کو آپ کا ماموں قرار دینا کسی طرح تاریخ کی روشنی میں راست نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں اگر مجازی طور پر اس رشتہ کو تسلیم کیا جائے تو ٹھیک ہو سکتا ہے۔ اور واقعہ بھی یہی ہے۔ کہ ان میں کوئی حقیقی رشتہ داری نہ تھی۔ نہ شمر ان حضرات کا ماموں تھا اور نہ پھوپھی زاد بھائی۔ صرف بات یہ تھی۔ کہ یہ دونوں ایک ہی قبیلہ کلاب سے تھے۔ اور دستور عرب کے مطابق صرف قبیلہ سے ہونے کی وجہ سے مجازی طور پر ماموں بھانجہ کا منہ بولا رشتہ قرار دیا جاتا تھا۔ ابوالکلام نے جو حضرت ام البنین کو شمر ملعون کی پھوپھی تحریر کیا ہے۔ اس کا تاریخ میں کوئی وجود نہیں۔

یہ دونوں ہم قبیلہ تھے:

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ''بعضے از برادران آں حضرت از قبیلہ او بودند'' شمر اس لئے امن نامہ لایا تھا۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے بہن بھائی اس کے قبیلہ سے تھے۔ پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ شمر نے آ کر کہا کہ ''چوں اور اشماء از قبیلہ من است۔ شمارا امان دادم'' چونکہ تمہاری ماں میرے قبیلہ سے ہیں۔ اس لئے میں تمہارے لئے امان لایا ہوں۔

(جلاء العیون ص ۱۹۸ طبع ایران ۱۳۰۱ھ)

اس سے صاف واضح ہے کہ ان لوگوں میں حقیقی قرابت داری نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب شمر نے آپ کے سامنے قرابت کا حوالہ دیا۔ تو آپ غصہ کے مارے آگ بگولہ ہو گئے تھے۔ علامہ کنتوری لکھتے ہیں۔ ''کان قد امتلأ حنقاً و غیظاً لا نتساب الشمر له بالقربت وذالك الملعون هو اشقى الاشقياء الخ'' حضرت عباسؑ شمر کے انتساب قرابت پر غصہ

میں بھر گئے۔ اس لئے کہ وہ ملعون شقی مطلق تھا۔ اور حضرت عباس سعید ازلی ان دونوں میں حقیقی رشتہ داری کہاں۔ (ماتیں ص ۴۵۷)

اب ہم ذیل میں اخبار ''نظارہ'' سے اپنا وہ مضمون من وعن درج کرتے ہیں۔ جو ۱۳۵۷ھ کے ابوالفضل العباس نمبر میں شائع ہوا تھا۔ جس سے آپ کی مجازی قرابت داری پر مکمل روشنی پڑ جائے گی۔

کیا شمر ملعون حضرت عباسؑ کا حقیقی ماموں تھا

تاریخ کربلا کے ماتمی اوراق پر سطحی اور سرسری نظر ڈالنے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شمر ابن ذی الجوشن ملعون حسینی ہیرو حضرت عباس ابن علی علیہ السلام کا حقیقی ماموں تھا۔ لیکن دراصل یہ خیال خام ہے۔ وہ ملعون برائے نام یعنی مجازی ماموں تھا۔ اسی طرح سرکار حسینی کے محافظ، علمدار کربلا بھی مجازی بھانجے تھے۔ دستور عرب کے مطابق وہ اپنے کو ماموں اور ان کو اپنا بھانجا کہتا تھا۔ عرب کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کی ماں کسی قبیلہ کی لڑکی ہوتی ہے۔ تو قبیلہ والے اس عورت کو مجازی بہن بنا کر اس کی ساری اولاد کو ''ابن اخت'' ''بہن کے بیٹے'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اس عورت کے بیٹے اس ماں والے قبیلہ کے مردوں کو ماموں سے یاد کرتے ہیں۔ علامہ بسطامی تحریر فرماتے ہیں:

قاعدہ عرب این است کہ ہمیں مادر شخصے از طائفہ او باشد اطلاق اخت اہل طائفہ برآں زن مے نمائیند۔ وہمچنیں بر فرزندش ابن اخت و نیز اطلاق خال مے نمائیند بروز کور طائفہ کو مادر شخصے ازاں طائفہ است۔ تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۱۸ طبع ایران

عرب کا دیرینہ قاعدہ یہ ہے۔ کہ جب کسی کی ماں کسی طائفہ اور قبیلہ سے ہوتی ہے تو اس قبیلہ کی عورت پر بہن کا اطلاق (مجازاً) ہوتا ہے۔ اور اسی طرح ماموں کا اطلاق اس قبیلہ کے تمام مردوں پر ہوا کرتا ہے۔

حضرت عباس علیہ السلام کی مادر گرامی جناب ام البنین حزام ابن خالد ابن ربیعہ ابن لوی ابن غالب ابن کعب ابن عامر ابن کلاب ابن ربیعہ ابن عامر ابن صعصعہ ابن معاویہ ابن ابی بکر ابن ہوازن سے تھیں۔ جیسا کہ ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۸۷ طبع بمبئی ۱۳۰۹ھ اور عمدۃ الطالب ص ۳۲۴ طبع بمبئی ۱۳۱۸ھ اور ابصار العین علامہ سماوی ص ۲۶ طبع نجف اشرف اور منتہی المقال فی احوال الرجال طبع ایران ۱۲۶۷ھ اور منتجع المقال قلمی وغیرہ میں ہے اور کتب تواریخ سے یہ بھی معلوم

ہے کہ شمر ملعون اسی قبیلہ کا چشم و چراغ سمجھا جاتا تھا۔ چونکہ ایک ہی قبیلہ سے تھا لہٰذا اسی قاعدہ عرب کی بنا پر سرکار حسینی سے مملکت وفاداری کے بادشاہ کو جدا کرنے کی فکر میں لعنت آمیز امن نامہ پیش کرنے کے لئے آ کر نعرہ زن ہوا۔ "این بنوا اختنا" میری بہن ام البنین کے بیٹے عباس وغیرہ کہاں ہیں۔ کہا تھا اور اسی قاعدہ عرب کی بنا پر امام حسین نے فرمایا تھا کہ اے عباس "اجیبوہ وان کان فاسقا فانہ بعض اخوالکم" ہاں ہاں سنو تو سہی۔ یہ کیا کہتا ہے عباسؑ یہ ملعون فاسق تو ضرور ہے مگر تمہارا ماموں ہوتا ہے۔ ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۲۱ طبع بمبئی ۱۳۰۹ھ

علامہ بخاری لکھتے ہیں:

عن انس قال دعا النبی الانصار فقال ھل فیکم احد من غیر کم قالوا الا ابن اخت لنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابن اخت القوم منھم (صحیح بخاری جلد ص ۱۶۴ باب ابن اخت القوم منھم کتاب بدء الخلق طبع مصر)

انسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے انصار کو بلاتے ہوئے فرمایا۔ کہ تم میں تمہارے علاوہ کوئی اور بھی ہے۔ عرض کی سوائے ایک بھانجے کے اور کوئی نہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ جن لوگوں کا ابن اخت ہو۔ انہیں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حدیث سے جب یہ ثابت ہو گیا کہ جس قوم کا ابن اخت ہو۔ اسی قوم کا یہ بھانجا ہوتا ہے اور وہ لوگ اس کے ماموں کہے جاتے ہیں۔ اب ہم آزادی کے ساتھ یہ کہنے کو تیار ہیں۔ کہ حسینی ہیرو کا شمر ملعون مجازی ماموں تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ایک قبیلہ سے ہونے کی وجہ سے یہ بھانجے ہوئے اور وہ ماموں ہوا۔ نہ کہ باہمی حقیقی تعلقات تھے۔

میں تو یہاں تک کہتا ہوں۔ کہ یہ مجازی تعلقات صرف ماموں بھانجوں تک محدود اور منحصر نہیں ہیں۔ بلکہ چچا کو باپ اور خالہ کو ماں کہنا مجاز متعارف ہے۔ علامہ قاضی بیضاوی اور علامہ کبیر رازی اور علامہ ابوالقاسم زمخشری جناب یوسف کے قصہ میں اس آیت (اوی الیہ ابویہ) کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "ضم الیہ و خالتہ باعتنقھما نزلھا منزلۃ الام تنزیلا لعم منزلۃ الاب فی قولہ انعبد انھك و الہ آبائك ابراھیم واسمعیل واسحق" الخ تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۴۰۷ طبع لکھنو ۱۲۸۲ھ و تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۱۶۱ طبع مصر، تفسیر کشاف جلد ۲ ص ۱۴۴ طبع مصر۔ اس عبارت کی شرح کے طور پر علامہ محمد رحیم بخش صاحب دہلوی لکھتے ہیں:

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کا باپ فرمانا تغلیب کے طور پر

ہے۔ کیونکہ حضرت اسمٰعیلؑ حضرت یعقوبؑ کے چچا تھے نہ کہ والد۔ اور چچا کو باپ کہنا مجاز متعارف ہے۔ نحاس کہتے ہیں کہ عرب چچا کو باپ اور خالہ کو ماں بولا کرتے ہیں۔ اسی واسطے حدیث میں آیا ہے۔ "الخالة الام و عم الرجل صنو ابيه" یعنی خالہ بجائے ماں اور چچا باپ کے برابر ہوتا ہے الخ۔ اعظم التفاسیر ج ۱ ص ۲۸۸ حصہ اوّل طبع دہلی ۱۳۱۲ھ۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ خداوند عالم سورۂ زخرف میں ارشاد فرماتا ہے۔ "اذ قال ابراهيم لابيه و قومه انني براء مما تعبدون" اے رسولؐ اس وقت کو یاد کرو جب اپنے (منہ بولے) باپ آزر اور اپنی قوم سے کہا کہ جن چیزوں کو تم پوجتے ہو۔ میں یقیناً ان سے بیزار ہوں۔ اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے باپ کا لفظ فرمایا ہے۔ اور اس سے چچا مراد لیا ہے۔ اس لئے کہ یہ قصہ آزر کا ہے نہ کہ تارخ کا اور یہ معلوم ہے کہ آزر باپ نہ تھا بلکہ چچا تھا۔ جیسے اتقان سیوطی ج ۲ ص ۱۲۷ طبع مصر اور تفسیر درمنثور ج ۳ ص ۲۳ طبع مصر میں موجود ہے۔ عہد نامہ قدیم و جدید (بائیبل) باب ۱۱ کتاب پیدائش آیت ۲۷ طبع لودیانہ ۱۸۸۳ء میں ہے۔ سارہ سے ابرام (ابراہیم) اور نحور اور صاران پیدا ہوئے۔ الخ علامہ فخر الدین رازی نے اس مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا ہے وہ لکھتے ہیں:

ان والد ابراهيم كان تارخ وازر كان عما له و نعم قد يطلق عليه اسم الاب كما حكى الله تعالىٰ عن اولاد يعقوب انهم قالوا نعبد الهك واله ابائك ابراهيم و اسمعيل واسحق ومعلوم ان اسمعيل كان عما ليعقوب وقد اطلقوا عليه لفظ الاب فكذاهنا الخ تفسير كبير پاره ۷ سورة انعام ج ۴ ص ۱۰۲ طبع مصر

اس میں کوئی شک نہیں کہ ابراہیمؑ کے باپ تارخ تھے۔ اور آزر جناب ابراہیمؑ کا چچا تھا۔ اور چچا پر باپ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اولاد یعقوبؑ کی حکایت کرتا ہوا فرماتا ہے۔ کہ وہ لوگ کہتے تھے۔ کہ ہم تمہارے باپ ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ اسحٰقؑ کے معبود کی پرستش کریں گے اور یہ معلوم ہے کہ جناب اسمٰعیلؑ حضرت یعقوبؑ کے چچا تھے۔ مگر ان پر باپ کا لفظ بولا گیا۔ اسی طرح اس آیت مذکورہ میں بھی ہے۔

ہم یہاں تک لکھنے کے بعد عرض کرتے ہیں۔ کہ ایسے مجازات کا استعمال کوئی تازہ استعمال نہیں ہے۔ جناب ابراہیمؑ اور فرعون والے معاملہ میں بھی مجاز موجود ہے۔ آپ نے اپنی بیوی جناب سارہ کو بہن کہا ہے امام بخاری کو دھوکا ہو گیا۔ اور انہوں نے مجازات سے ناواقف ہونے کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ پر اس مسئلہ میں کذب کا الزام دیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری جلد ۲

ص ۴۵ اباب اتخذ اللہ ابراہیم خلیل خلیلا کتاب بدء الخلق طبع مصر میں ہے۔ "لم یکذب ابراهیم الا ثلث کذبات فقال من هذه قال اختی" الخ ابراہیمؑ نے اپنی عمر میں تین جھوٹ بولے۔ تیسرا یہ کہ فرعون نے سارہ کو پوچھا یہ کون ہیں۔ تو جواب دیا کہ میری بہن ہیں۔ علامہ عماد الدین اسمٰعیل ابی الفداء لکھتے ہیں۔ کہ حضرت ابراہیمؑ نے جواب میں یہ فرمایا تھا۔ "هذه اختی" الیعنی فی الاسلام۔ یعنی یہ میری اسلامی بہن ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ابراہیمؑ پر کذب کا الزام مجازات سے ناواقفیت کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے۔ "کان صدیقا نبیا" ابراہیمؑ تو بالکل سچے نبی تھے۔ بخاری کہتی ہے جھوٹے تھے۔ ناظرین خود فیصلہ کرلیں۔ تاریخ ابوالفداء ج ا ص ۱۴ طبع مصر۔ اس کے علاوہ بائیبل کتاب استثناء کے باب ا آیت ۱۱ میں اس موقع پر ہے۔ جہاں جناب اسحٰقؑ پر یہی الزام قائم کیا ہے۔ کہ انہوں نے اپنی بیوی کو بہن سے تعبیر کیا۔ "انها اخته" اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ "انها اخته من حیث القبیلة" اسحٰقؑ کی بیوی قبیلہ کی حیثیت سے بہرحال بہن تھیں۔ اور اس پر کوئی الزام نہیں ہے۔ اس لئے کہ۔

سمی الادومی اخالا سرائیلی باعتبار اجتماعهما فی النسب بعیسو ویعقوب فی اسحق الخ. الهدی ج ۱ ص ۸۰ طبع نجف اشرف ۱۳۳۱ھ

اسحٰقؑ کے سلسلہ میں دوامی کو اس اعتبار سے اسرائیلی کا بھائی کہنا درست ہے۔ کیونکہ یہ دونوں نسب و قبیلہ میں ایک حیثیت رکھتے تھے۔

بحوالہ کتاب استثنا باب ۹ آیت ۱۱

ان تمام نظائر سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا۔ کہ مجاز معارف کا استعمال ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ آج کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اب یہ کہنا بالکل درست ہے۔ کہ حضرت عباس علیہ السلام نہ شمر کے حقیقی بھانجے تھے۔ نہ اس نے حقیقی سمجھ کر ان کو بھانجہ کہا تھا۔ بلکہ صرف قبیلہ کا ایک شخص تھا اور مجازات و دستور عرب کی بنا پر انہیں بھانجہ کہا۔ ورنہ نور و نار کا اتحاد اور جنت و دوزخ کا ایک ہونا کہاں تک درست ہوسکتا ہے۔

اب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو لوگ ان کی باہمی قرابت کو مجاز کی دستوری حد سے بڑھ کر حقیقت کے آئینہ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ سراسر غلط ہیں اور انصاف کش ہیں۔

یزیدی روباہوں کا جنگ کی پہل کے لئے آنا

اسد اللہ کے شیر حضرت عباس علیہ السلام کی زبان مبارک سے شمر ملعون امن دہی کا دندان شکن جواب پا کر واپس گیا۔ اور ابن سعد سے کہنے لگا۔ کہ اب تو تاخیر جنگ حد برداشت سے باہر ہے۔ فوراً لشکر کو حکم دیا کہ راست ہونے سے پہلے ان مدینہ والوں کا قصہ پاک کر دے۔ عمر بن سعد جو حکومت رے کی لالچ میں قتل امام حسین علیہ السلام کا عزم بالجزم کر چکا تھا۔ فوراً لشکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ "**یا خیل اللہا رکبی و ابشری بالجنة**" اے خدائی سوارو۔ اپنی اپنی سواریوں کی پشتوں پر جا سوار ہو۔ اور جنت کی بشارت لو۔ "**فرکب الناس ثم زحف نحوھم بعد العصر**" یہ سننا تھا کہ لشکر کے لشکر تیار ہو گئے۔ اور بعد عصر قتل امام حسین علیہ السلام کے لئے چل کھڑے ہوئے۔

حضرت امام حسین کا خواب:

یہاں تک کہ خیام حسینؑ کے قریب جا پہنچے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام سر اقدس اپنے گھٹنوں پر رکھے ہوئے تھے۔ کہ غنودگی طاری ہو گئی۔

حضرت زینب علیہا السلام نے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں سنیں۔ دل دہل گیا۔ بھائی کی خدمت میں آئیں۔ اور عرض کی۔ "**یا اخی اما تسمع ھذہ الا صوات قداقترب العدو**" بھائی آپ یہ لشکر کا شور وغل نہیں سن رہے ہیں۔ ارے دشمن آ پہنچے۔ "**فرفع الحسین رأسه فقال انی رایت رسول اللہ الساعة فی المنام وھو یقول لی انك تروح الینا غدا**" یہ سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے سر اقدس اٹھایا اور فرمایا۔ بہن! ابھی ابھی نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بابا حضرت علی اور مادر گرامی حضرت فاطمہ اور برادر محترم امام حسن خواب میں تشریف لائے تھے۔ وہ فرما گئے ہیں۔ کہ اے حسین تم کل تک ہمارے پاس آ جاؤ گے" یہ سننا تھا کہ حضرت زینب رو پڑیں۔ آپ نے سمجھا بجھا کر انہیں خاموش کیا۔

حضرت عباس کی حاضری:

وقال له العباس بن علی یا اخی اتاك القوم منھض ثم قال ارکب انت یا اخی حتٰی تلقاھم و تقول مالکم وما بدالکم و تسئلھم عما

اتنے میں حضرت عباسؑ آ پہنچے اور عرض کی بھائی جان دشمن آ پہنچے۔ یہ سن کر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا بھائی تم ذرا سوار ہو کر جاؤ اور ان سے مل کر پوچھو۔ کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ خیر تو

جاء بهم فاتاهم العباس فی نحو عشرین فارساً فیهم زهیر ابن القین و حبیب ابن المظاهر فقال لهم العباس ما بدالکم وما تریدون قالوا قد جاء امر الامیر ان نعرض علیکم ان تنزلوا علی حکمه او ننا جزکم قال فلا تعجلوا حتی ارجع الی ابی عبد الله فاعرض علیه ماذکرتم فوفقوا فقالوا القه واعلمه ثم اتفا بما یقول لك فانصرف العباس راجعًا یرکض الی الحسین یخبره الخبر و وقع اصحابه یخاطبون القوم و یعظونهم ویکفرنهم عن قتال الحسین فجاء العباس الی الحسین واخبره بما قال القوم. دمعه ساکبه ص۳۲۴ ناسخ ج۶ ص۲۴۵ جلاء العیون ص۱۹۹)

ہے کیوں آئے ہو۔ حضرت عباس بیس بہادروں کو لئے ہوئے۔ جن میں زہر قین اور حبیب ابن مظاہر بھی تھے۔ جا پہنچے۔ اور ان سے پوچھا کیا بات ہے۔ کیا ارادہ رکھتے ہو۔ ان لوگوں نے کہا۔ ابھی ابھی حکم امیر آیا ہے۔ کہ ہم تمہارے سامنے یہ بات پیش کریں۔ کہ تم اس کے حکم پر اتر آؤ۔ یا پھر لڑو۔ حضرت عباس نے فرمایا۔ جلدی نہ کرو۔ میں حضرت کی خدمت میں جاتا ہوں۔ اور تمہارا مقصد واضح کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا۔ ہاں جاؤ۔ اور انہیں بتا دو پھر جو وہ کہیں اس سے ہمیں باخبر کرو۔ حضرت عباس پلٹ کر چلے۔ تا کہ حضرت کو واقعہ کی اطلاع دیں۔ اور ان کے ساتھی وعظ و نصیحت میں لگ گئے اور امام حسین سے لڑنے سے باز رہنے پر زور دیتے رہے اور حضرت عباس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے قول کی ترجمانی فرمادی۔

حضرت عباس علیہ السلام تو پیغام رسانی کے لئے واپس تشریف لائے۔ لیکن زہیر قین اور حبیب بن مظاہر وغیرہما ان لوگوں کو روکے رہنے کے لئے وہیں بھیڑے رہے۔ ان دینداروں نے سوچا۔ کہ ان لوگوں کو نصیحت کرنی چاہیئے شاید کچھ فائدہ بخش ہو سکے۔ اسی بنا پر تادیر وعظ و نصیحت کرتے رہے۔ لیکن

باسیہ دل چہ سود گفتن وعظ نزود میخ آہنی درسنگ

بقول ابن خلدون حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ چلو ہم تم مل کر چلیں۔ اور ان سے پوچھیں کہ کیوں آئے ہو۔ حضرت عباس نے عرض کی "بل نروح انا" مولا! میں تنہا جاؤں گا۔ آپ زحمت نہ فرمائیں الخ کبریت احمر ص۹۱۔ مورخ ابن جریر کہتا ہے کہ حضرت امام حسین سے فرمایا "یا عباس ارکب بنفسی انت" اے عباس میری جان تم پر فدا ہو۔ ذرا جا کر پتہ تو لگاؤ۔ کہ یہ کیوں آئے ہیں۔ تاریخ ج۶ ص۲۳۷

حضرت عباس کو حضرت امام حسینؑ کا حکم کہ ایک شب کے لئے لڑائی روک دو

اسد اللہ کے شیر حضرت عباس نے جب آ کر خبر دی کہ دشمن لڑنے کے لئے آئے ہیں۔ اور وہ یہ کہتے ہیں کہ یا تو بیعت کرو یا لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ حضرت امام حسین نے فرمایا۔ کہ سوال بیعت تو غلط ہے۔ اب اگر وہ لڑنا ہی چاہتے ہیں اور قتل پر آمادہ ہی ہیں۔ تو اے عباس تم واپس جاؤ اور جا کر انہیں آج کی رات جنگ سے روک دو۔ تا کہ ہم مناجات و عبادات وغیرہ میں اسے بسر کریں۔ پھر کل دیکھا جائے گا۔

تاریخ کے عیون الفاظ یہ ہیں:

قال ارجع الیهم فان استطعت ان تؤخرهم الی غدوقد فعهم عنا العشیة لعلنا نصلی لربنا اللیلة و ندعوه و نستغفره فهو یعلم انی قد كنت احب الصلوة له وتلاوة كتابه و كثرة الدعاء والاستغفار. دمعه ساکبه ص۳۲٤ تحفه حسینه ص۱۲۱ مقتل عوالم ص۸۰ ناسخ ج ٦ ص۲٤٤. اکسیر التواریخ ص٦٩ تاریخ کامل ج٤ ص۲٤

اے عباس واپس جاؤ۔ اور اگر ہو سکے تو لڑائی کل تک کے لئے روک دو۔ ان لوگوں کو آج کی شب ہم سے دور کرو۔ تا کہ ہم آج کی رات اور نمازیں پڑھ لیں اور دعا و استغفار کر لیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ میں نماز اور تلاوت کلام مجید اور کثرت دعا اور استغفار کو کس قدر دوست رکھتا ہوں۔

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ حضرت امام حسین نے حضرت عباس علیہ السلام کو یہ فرمایا تھا۔ کہ بھائی جاؤ اور جا کر آج ان لوگوں کو جنگ سے باز رکھو۔ تا کہ

"امشب وداع عبادت پروردگار خود بجا آورم زیرا کہ پیوستہ خواہاں دمشتاق نماز و تلاوت و استغفار و دعا و عبادات بودہ ام دیک شب را برائے مناجات و تضرع بدرگاہِ قاضی الحاجات غنیمت مے شارم۔ جلاء العیون ص۱۹۹

میں آج کی شب عباداتِ خداوندی کو رخصت کر لوں اب تک تو میں نماز، تلاوت کلام مجید، استغفار، دعا اور دیگر عبادات میں منہمک رہا۔ اب چاہتا ہوں کہ اس ایک رات کو بارگاہِ خداوندی میں تضرع اور مناجات کر لوں۔

حکم امام علیہ السلام پاتے ہی حضرت عباسؑ واپس تشریف لے گئے۔ اور ان لوگوں سے کہا کہ حضرت فرماتے ہیں۔ کہ "آج جنگ نہ کرو۔ کل تمہارا جو جی چاہے کر لینا۔

عمر سعد باشمر گفت۔ رائے چیست ۔ روا باشد کہ ایشاں را زایں ہنگام تا فردا بگاہ مہلت گزاریم، شمر گفت۔ اگر من زمام کار داشتم ۔ ساعتے ایشاں را مہلت نمے گزاشتیم۔ اکنوں کار بدمتِ تست و امیر جنگ توئی۔ من چہ گویم۔ عمر سعد گفت کاش ہرگز بایں امیری تن در ندادم و بایں تہلکہ در نیفتادم۔ ناسخ التواریخ ج ٦ ص ٢٤٦

عمر سعد نے شمر سے کہا۔ تیری کیا رائے ہے۔ کیا کرنا چاہئے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو کل تک کی مہلت دے دی جائے۔ شمر نے کہا۔ اگر زمامِ امارت میرے ہاتھ میں ہوتی۔ تو میں انہیں پل بھر کے لئے بھی نہ چھوڑتا۔ اب جبکہ زمامِ جنگ تیرے ہاتھ میں ہے تو مجھ سے کیا پوچھتا ہے۔ میں کیا کہوں۔ عمر سعد نے کہا کاش میں نے اس امیری کو قبول نہ کیا ہوتا اور اس مصیبت میں نہ پڑتا

حضرت سیّد ابن طاؤس تحریر فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عباس کے اس کہنے پر کہ ایک شب جنگ نہ ہونی چاہیئے۔ عمر بن سعد نے توقف اختیار کیا۔

فقال له عمر ابن الحجاج الزبيدى والله لو انهم من الترك والديلم و سالونا مثل ذالك لا جبنا هم فيكف و هم ال محمد صلى الله عليه واله وسلم فاجابوهم الى ذالك. (معه ساكبه ص ٣٢٤)

اس پر عمر بن حجاج بول پڑا اللہ تعالیٰ کی قسم اگر یہ لوگ ترک اور دیلم والے ہوتے اور ہم سے اس قسم کا سوال کرتے تو ہم ضرور قبول کر لیتے۔ یہ لوگ تو آل رسول اسلام ﷺ ہیں۔ اس کے بعد لوگوں نے حضرت عباس کے فرمانے کو تسلیم کر لیا۔ اور جنگ ایک شب کے لئے رک گئی۔

ایڈیٹر صاحب رسالہ "مولوی" دہلی لکھتے ہیں کہ!

"دشمن کی فوج کو تیار دیکھ کر جناب امام عالی مقام کے جان نثار بھی تیار ہو گئے تھے۔ اور جنگی لباس اور اسلحے پہن کر خیموں سے نکل آئے تھے۔ اور حضرت عباس کا انتظار کر رہے تھے۔ کہ آپ ملاعنہ کا کیا جواب لاتے ہیں۔ یہ انتظار کی گھڑیاں عجیب بے چینی سے گزر رہی ہوں گی۔ عورتوں اور بچوں کا جو حال ہوا ہوگا۔ وہ ظاہر ہے لیکن فدا کاروں اور جاں نثاروں کے گروہ میں شوقِ شہادت اپنا رنگ دکھا رہا تھا۔ نہ فکر تھی نہ تشویش۔ نہ اضطراب نہ بے چینی اور بے قراری ہاں

صرف کاشانۂ نبوت کے شمع ضیا بار کی فکر ضرور سب کو لاحق تھی اور اہل بیت اطہار کی مصیبت کو دیکھ کر مضطرب و بے چین تھے۔ حضرت عباس کے آنے کے بعد سب لوگ اپنے اپنے خیموں میں گئے۔ اور ہتھیار وغیرہ کھول کر رکھے۔ الخ شہید اعظم ص ۱۳۸

حضرت عباس کی واپسی:

دشمنوں سے التوائے جنگ منوا کر حضرت عباس واپس تشریف لائے۔ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں سارا واقعہ بیان فرمایا۔ مؤرخین لکھتے ہیں:

ورجع العباس من عندهم و معه رسول من قبل عمر بن سعد يقول انا قدا جلنا كم الى غدفان استسلمتم سرحنا بكم الى عبيدالله ابن زياد وان ابيتم فلسنا بتاركيكم. فانصرف

حضرت عباس پلٹے اور آپ کے ساتھ عمر بن سعد کا ایک پیامبر بھی آیا۔ اور اس نے حضرت کی خدمت میں ابن سعد کا یہ پیغام پہنچایا۔ کہ ہم نے تم کو ایک رات کی مہلت دے دی ہے اگر تم نے بیعت قبول کر لی۔ تو ہم تمہیں ابن زیاد کے پاس لے چلیں گے۔ اور اگر تم نے انکار کر دیا۔ تو پھر تمہیں قتل کئے بغیر نہ چھوڑیں گے۔ پیغامبر یہ کہہ کر واپس چلا گیا۔

التوائے جنگ کا اعلان ہو گیا:

حضرت عباس واپس تشریف لائے۔ اور برید نے زبانی پیغام پہنچا دیا۔ اس کے بعد عمر بن سعد نے التوائے جنگ کا اعلان کر دیا۔

امر منادیه فنادی انا قد اجلنا حسینا و اصحابه یومهم ولیلتهم الخ. و معه ساكبه ص ۳۲۴

عمر سعد نے منادی کرنے والے کو حکم دیا۔ اس نے اعلان کر دیا۔ کہ امام حسین اور ان کے اصحاب کو آج کے دن اور رات کی مہلت دی گئی۔

اس اعلان کے بعد ایک شب کے لئے جنگ ملتوی ہو گئی۔ علامہ ابوالفضل محمد احسان اللہ عباس لکھتے ہیں۔ کہ ۹ محرم کی لڑائی حسین کی درخواست پر ملتوی رہی۔ ملاحظہ ہو تاریخ اسلام ص ۲۷۲ طبع گورکھپور ۱۹۳۱ء

۱؎ علامہ کاشفی فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عباس کے التوائے جنگ کی آواز پر "شمر نعرہ زد کہ شمارا امان نیست و امہال مجال ندارد۔ شمر نعرہ زن ہوا۔ کہ تمہیں بالکل امان نہیں ہے۔ اور مہلت ناممکن ہے۔ روضۃ الشہدا ص ۳۰۸

ایک شب کے لئے التوائے جنگ کی غرض:

حضرت عباس علیہ السلام کی کوشش سے جنگ تو ملتوی ہوگئی۔ لیکن فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوگیا۔ کہ حضرت امام حسین علیہ اسلام نے ایک شب کے لئے کیوں جنگ کا التواء چاہا۔

اکثر مؤرخین تو یہ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے التوائے جنگ صرف اس لئے چاہا تھا' کہ عبادت' دعا استغفار وغیرہ میں رات گزاریں۔ اور اپنے پروردگار عالم کی عبادت کریں۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا کونسا دن۔ کونسی گھڑی' کونسا منٹ اور سیکنڈ ایسا گزرتا تھا۔ جس میں آپ عبادت نہ کرتے رہے ہوں۔ پھر عبادت کے لئے التوائے جنگ اور ایک شب کی مہلت طلبی۔ اس کا کیا مطلب۔ مجھے التوائے جنگ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے امام حسین علیہ السلام کی اس سے کوئی خاص غرض رہی ہو۔ اب وہ خاص غرض کیا تھی۔ اسے تو حضرت ہی جانیں۔ لیکن استنباطی جدوجہد سے حسب ذیل وجوہ سمجھ میں آتے ہیں۔ ممکن ہے انہیں مندرجہ ذیل وجہ میں سے حضرت کی کوئی غرض رہی ہو۔

پہلی وجہ:

معلوم ہوتی ہے کہ آپ کی شہادت کا دن یوم عاشورا ہی تھا۔ اس سے قبل شہادت ناممکن تھی۔ اگر جنگ ہو بھی جاتی۔ تو آپ اس دن شہید نہ ہوتے۔ اور رات بھی بے چینی میں گزرتی۔ اس لئے آپ نے اس رات کو جنگ ملتوی کرادی۔

دوسری وجہ:

یہ ہوسکتی ہے۔ کہ جب عمر سعد جنگ کی پہل کے لئے آیا تھا۔ اور لاتعداد لشکر اس کے ساتھ تھا۔ اور آپ پر غنودگی طاری ہوئی تھی۔ تو حضرت رسول اللہ ﷺ نے خواب میں فرمایا تھا کہ اے حسین۔ "انك رائح الينا غدا" تم کل ہمارے پاس آجاؤ گے (ومعہ ساکبہ ص ۳۲۴) حسین نے سوچا کہ نانا فرمارہے ہیں کہ تم کل ہمارے پاس پہنچو گے یعنی میری شہادت کل واقع ہونے والی ہے۔ اور یہ لوگ آج ہی حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا چونکہ کل سے پہلے میری شہادت ناممکن ہے۔ اس لئے آپ نے التواء کا حکم دیا۔ اور التواء تسلیم بھی کرلیا گیا۔ ورنہ شمر کی رائے مانی جاتی۔ اور جنگ شروع ہوجاتی۔

تیسری وجہ:

بقول علامہ مجلسی یہ ہوسکتی ہے کہ امام حسین یہ چاہتے تھے۔ کہ اب تک میں نے عبادت

کی دعا کی، استغفار کیا۔ اب یہ آخری رات اگر مل جائے۔ تو میں مناجات کر کے طمانیت عبادات کو رخصت کر لوں اس کے بعد جو عبادت کا موقع ملے گا۔ اس میں اطمینان اور سکون نصیب نہ ہوگا۔

چوتھی وجہ:

یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ اسلام کو یہ خیال تھا کہ پردہ شب میں چراغ گل کر کے اتمام حجت کر لیں۔ اور لوگوں سے کہہ دیں کہ جسے جانا ہو۔ چلا جائے۔ تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ حسین کے ساتھ جو لوگ مارے گئے۔ وہ مجبوراً پھنس کر مرے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام حسین نے شب عاشورہ کے خطبہ میں اپنے اصحاب سے فرمایا۔ "ایں مہلت برائے شما خواستم"
(روضۃ الشہدا ص ۳۰۹)

پانچویں وجہ:

یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ سوچا۔ کہ آج کی رات مہلت لے کر اپنے اصحاب کی گردنوں سے طوق بیعت اتارنے کا کھل کر اعلان کر دوں۔ تا کہ وہ لوگ جو بھوک پیاس اور دیگر شدائد کو برداشت نہ کر سکتے ہوں۔ راتوں رات چپکے سے نکل جائیں۔ اور میدان جنگ میں نہ جائیں ورنہ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ رزمگاہ میں پہنچ کر اپنی جان بچانے کی فکر کرنے لگیں۔ تو ہماری سبکی ہو جائے۔ اور لوگ کہنے لگیں کہ حسین کے ساتھی بزدل تھے۔

چھٹی وجہ:

یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں وہ تمام حضرات اس وقت تک نہ پہنچے ہوں۔ جنہیں آپ کے ساتھ شہید ہونا تھا۔ اور چونکہ آپ جانتے تھے کہ اس رات کو سب مجتمع ہو جائیں گے۔ جیسا کہ بقول مجلسی بتیس آدمی فوج مخالف کے اسی شب میں حضرت سے ملے۔ لہذا آپ نے التواء کا حکم دیا۔

ساتویں وجہ:

یہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہونے والوں میں حضرت علی اصغر بھی تھے جن کی عمر چھ ماہ کہی جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ چھ ماہ پورے ہونے میں ایک رات کم رہی ہو۔ اور حسین یہ چاہتے رہے ہوں۔ کہ اصول قربانی کے لحاظ سے پورے چھ ماہ ہو جائیں۔ تا کہ میری قربانی میں نقص واقع نہ ہو جائے۔ اسی لئے ایک رات جنگ ملتوی کرادی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شب عاشورہ

جنگ کے التواء کا اعلان ہو چکا ہے۔ زرد رو آفتاب مائل بہ غروب ہے۔ عاشورہ کی وہ تاریک رات جس کی قدرت نے قرآن مجید میں قسم کھائی[1] ہے۔ کالی بلا کی صورت ڈراونی شکل میں آرہی ہے۔ دونوں لشکر والے اپنی اپنی قیام گاہ[2] میں پہنچ چکے ہیں۔ التوائے جنگ کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کو جو سب سے پہلے فکر دامنگیر ہوئی۔ وہ یہ تھی کہ کسی طرح اپنے اصحاب کو اس آگ کے میدان اور تیر و تبر کی دنیا سے نکال دیں۔

فجمع الحسين عليه السلام اصحابه عند قرب المساء قال علی ابن الحسين زين العابدين عليه السلام فدنوت منه لا سمع ما يقول لهم وانا اذا ذاك مريض فسمعت ابی يقول لاصحابه اثنی علی الله احسن الثناء واحمده علی السراء والضراء. اللهم انی احمدك علی ان كرمتنا بالنبوة و علمتنا القران و فهمتنا فی الدين و جعلت لنا اسماعا وابصارا وافئدة فاجعلنا منا لشكرين. اما بعد فانی لا اعلم اصحابا اوفی و خيرا من اصحابی ولا اهل بيت ابرو اوصل منا هل بيتی فجزاكم الله عنی خيرا الا وانی لا ظن يوما لنا من هؤلاء الا وانی قداذنت لكم فانطلقوا جميعاً فی حل ليس

اسی بنا پر حضرت امام حسین علیہ السلام نے شام کے قریب اپنے اصحاب کو جمع فرمایا۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ میں اگرچہ مریض تھا۔ لیکن یہ سننے کے لئے کہ بابا جان کیا فرماتے ہیں۔ میں بھی جا پہنچا وہاں پہنچ کر میں نے سنا کہ آپ اپنے اصحاب سے فرماتے ہیں۔ کہ میں خداوند عالم کی بہترین ثنا کرتا ہوں۔ اور ہر حالت میں اس کی حمد کو فریضہ جانتا ہوں۔ خدایا میں اس امر پر تیری حمد و ثنا کرتا ہوں کہ تو نے ہمیں شرف نبوت سے ممتاز فرمایا۔ اور ہمیں قرآن مجید کی تعلیم دی اور دین کا انتہائی شعور کرامت فرمایا۔ اور ہمارے لئے کان آنکھ اور دل معین فرما کر ہمیں شاکرین میں شمار کیا۔ اما بعد۔ اے میرے اصحاب میں سچ کہتا ہوں۔ کہ میرے اصحاب سے زیادہ اور بہتر اصحاب ممکن نہیں۔ اور میرے اہل بیت سے عمدہ اور لائق اہل بیعت کا امکان نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اے میرے اصحاب و اقربا جزائے خیر دے۔ مگر میں

---

1. تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۵۷ طبع مصر تفسیر در منثور ج ۶ ص ۳۴۶ طبع مصر
2. ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۴۶

علیکم حرج منی ولا دمام هذا اللیل قد غشا کم فاتخذوہ جملا و تفرقوا فی سوادہ فان القوم انما یطلبوننی و ظفر وابی لذهلوا عن طلب غیری. (معہ سباکہ ص۳۲٤ ناسخ ٦ ص۲٤٦. نور العین ص۳۰ مقتل عوالم ص۸۰ تحفہ حسینیہ ص۱۲۰

یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ میں نے تمہیں اجازت دے دی ہے۔ اور تم سب کے سب میری طرف سے آزاد ہو۔ اس وقت رات کا پردہ حائل ہے۔ تم کسی طرف چپکے سے نکل جاؤ۔ اور اپنی جان بچاؤ۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں۔ کہ یہ قوم صرف میرا خون بہانا چاہتی ہے جب یہ مجھے قتل کرلیں گے تو پھر کسی اور کی طرف رخ بھی نہ کریں گے۔

رات کی ہلکی ہلکی تاریکی میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے مذکورہ بالا پہلا خطبہ دیا۔ اس خطبہ کا سننا تھا۔ کہ حسین کے فدائی بے چین ہو گئے۔ ان کے اضطراب کی کوئی حد نہ رہی۔

حضرت عباس کھڑے ہو گئے:

علمدار کربلا حضرت عباس علیہ السلام فوراً کھڑے ہو گئے اور دست بستہ عرض کی۔ ارے سرکار نے یہ کیا فرمایا۔ "لم نفعل ذالك لنبقی بعدك لا ارانا الله ذالك ابدا" یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ دن ہمیں کبھی نہ دکھائے (تاریخ ابن الوردی ج ۱ ص ۱۷۳ طبع مصر) علامہ شریف شیروانی لکھتے ہیں۔ "فقال اخوہ العباس لم نفعل ذالك لنبقی بعدك" احضرت عباس نے عرض کی یہ تو کبھی نہیں ہوسکتا کہ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں۔ (کتاب الصّف ج ۲ ص ۱۸۸ طبع ایران ۱۳۱۴ھ و جلاء العیون ص ۱۹۹)

مؤرخین لکھتے ہیں۔ "بداهم بهذا القول العباس ابن علی و ابتعه الجماعة علیه فتکلموا بمثله و نحوہ" اس جانبازانہ اور دلیرانہ عرضداشت کی ابتداء حضرت عباس علمدار کربلا نے کی۔ پھر دیگر حضرات بھی اپنے کمال جذبات کے ساتھ اسی قول کی تائید کرنے لگے۔ (ارشاد مفید ج ۲ ص ۲۹۷ مقتل عوالم ص ۸۰)

فقال لہ اخوتہ و ابنائہ و بنو اخیہ وابنا عبد اللہ ابن جعفر لم نفعل ذالك لنبقی بعدك لا ارانا اللہ ذالك (مقتل عوالم ص۸۰ تحفہ حسینیہ ص۱۲۰ کتاب الصدف ج۲ ص۱۸۸ ابن الوردی ج۱ ص۱۷۳)

چنانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے بھائی بیٹے، بھتیجے اور عبداللہ بن جعفر طیار کے لڑکے بول اٹھے حضور ہم تو یہ کبھی نہ کریں گے۔ کہ آپ کے بعد باقی رہیں۔ خداوند عالم وہ دن کبھی نہ دکھائے جس میں ہم آپ کے بغیر زندہ رہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام خصوصیت سے حضرت مسلم بن عقیل کی اولاد کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے ہیں۔ اے میرے بچو تمہارے لئے باپ مسلم بن عقیل کی شہادت کافی ہے۔ "فاذھبوا انتم فقد اذنت لکم" میں تمہیں اجازت دیتا ہوں۔ تم جدھر چاہو چلے جاؤ تاکہ تمہاری جان بچ جائے۔

مسلم بن عقیل کے فرزند کھڑے ہو گئے:

یہ سننا تھا کہ حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام کے جانباز فرزند اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور خدمت حضرت امام حسین علیہ السلام میں عرض کی۔ سبحان اللہ! اگر ہم چلے جائیں۔ تو دنیا کیا کہے گی۔ اور ہمارا ضمیر کس درجہ ملامت کرے گا۔ کہ ہم اپنے سید و سردار کے ساتھ ہو کر دشمن سے نہ لڑے۔ نیزہ بازی نہ کی۔ تلوار نہ چلائی۔

۔ لا واللہ ما نفعل ولکن نفدیك بانفسنا واموالنا واھلینہ و نقاتل معك حتی نرد موردك قبح اللہ العیش بعدك ارمعہ ساکبہ ص ۳۲۴)	اللہ تعالیٰ کی قسم یہ بالکل ناممکن ہے۔ ہم جان، مال، آل واولاد سمیت آپ پر نثار ہونے کو تیار ہیں۔ اور آپ کے ساتھ ہو کر لڑیں گے۔ جو آپ پر گزرے گی۔ وہی ہم پر گزرے گی۔ اللہ تعالیٰ اس زندگی کو برباد کرے جو آپ کے بعد ہو۔

غرض کہ اسی طرح تمام اعزہ نے دلیرانہ جواب دیا۔ اعزہ کے بعد اصحاب جان وفا نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے خطبہ کا جاں نثارانہ جواب دے کر حضرت کے مطمئن دل کو مزید اطمینان دلا دیا۔

حضرت مسلم بن عوسجہ اٹھ کھڑے ہوئے:

فقال انحن نخلی عنك وبما نعتذر الیا للہ فی اداء حقك لا واللہ حتی اطعن فی صدورھم برمحی	حضرت مسلم بن عوسجہ کھڑے ہو گئے اور عرض کی حضور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ اللہ اکبر۔ مولا۔ ہم اگر ایسا کریں تو

جناب جعفر بن نما تحریر فرماتے ہیں۔ کہ اس وقت ان کلمات کے سننے سے ان کے چہروں پر انوار نبوت۔ آثار ہدایت چمک رہے تھے۔ اور ان کی حمیت وعقیدت بار بار اس پر آمادہ کر رہی تھی کہ لشکر کفار پر جا پڑیں۔ مال واسباب کی پروا نہیں۔ ان کی جانیں شکار کر لیں۔ گویا جوش شجاعت وفصاحت میں وہ کام کر رہے تھے۔ جو امیر لشکر اور خطیب منبر کیا کرتے ہیں۔ ۱۲
(ترجمہ مقتل ابن نما ص ۴۲ طبع دہلی ۱۳۴۷ھ)

واضربهم بسيفي مااثبت في يدى ولولم يكن معي سلاح اقاتلهم به لقذفتهم بالحجارة والله لا تحليك حتى يعلم الله انا قد حفظنا غيبة رسول الله فيك اما والله لو علمت انى اقتل ثم احى ثم احرق حيا ثم اذرى يفعل ذالك سبعين مرة ما فارقتك حتى القى حمامي دونك فكيف لا افعل ذالك وانما هي قتلة واحدة ثم هي الكرامة التي لا انقضاء لها ابدا.
(دمعه ساکبه ص ۳۲۵)

اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے۔ خدا کی قسم ایسا کبھی نہیں ہوسکتا میں تو اس وقت کا انتظار کر رہا ہوں۔ جب کہ میں دشمنوں کے سینوں میں اپنا نیزہ چبھووں گا۔ اور ان کی گردنیں ماروں گا۔ اور اگر میرے پاس جنگ کے اسلحے نہ رہے تو پتھر سے دل کا بخار نکالوں گا۔ مولا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ہم اس وقت تک آپ کو نہیں چھوڑ سکتے جب تک اللہ تعالیٰ یہ نہ جان لے کہ ہم نے امانت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی۔ اور اپنا فریضہ ادا کرلیا۔ حضور! اللہ تعالیٰ کی قسم اگر میں یہ جانتا ہوں۔ کہ قتل کیے جانے کے بعد زندہ کیا جاؤں گا پھر زندہ جلا دیا جاؤں گا۔ اور اسی طرح میرے ساتھ ستر مرتبہ کیا جائے گا۔ تب بھی آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔ چہ جائے کہ اس وقت صرف ایک بار قتل ہونا ہے۔ اور پھر یہ شہادت ایک ایسی کرامت ہے۔ جس کا قیامت تک جواب ناممکن ہے۔

حضرت زہیر بن قین کھڑے ہو گئے:

اور عرض کی:

مولا! بخدا سوگند کہ من راضیم کہ ہزار مرتبہ کشتہ شوم و زندہ شوم و باز کشتہ شوم و ہزار جاں رفدائے تو و اہل بیت تو کنم
(جلاء العیون ص ۱۹۹)

اللہ تعالیٰ کی قسم میں اس بات پر راضی ہوں کہ آپ اور آپ کے اہل بیت پر فدا ہونے کے سلسلہ میں ہزار بار قتل ہوں۔ پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔

سعد بن عبداللہ الحنفی کھڑے ہو گئے:

اور کہنے لگے۔ واللہ ہم آپ کو اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک اللہ تعالیٰ یہ جان لے کہ ہم نے رسول اللہ کا حق محفوظ رکھا۔ واللہ اگر مجھے معلوم ہو کہ میں قتل ہوں گا۔ جلایا

جاؤں گا۔ آگ میں بھونا جاؤں گا۔ پھر میری خاک ہوا میں اڑا دی جائے گی۔ اور ایک مرتبہ نہیں ستر مرتبہ مجھ سے یہی سلوک کیا جائے گا۔ پھر بھی میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ آپ کی حمایت میں فنا ہو جاؤں گا۔ (انسانیت موت کے دروازے پر ص ۷۲)

اسی طرح تمام اصحاب باوفا نے عرض کی اور شوق شہادت اور جذبہ وفاداری کا مظاہرہ کیا۔ حضرت نے ہاتھ اٹھائے اور ان حضرات کے حق میں دعا فرمائی۔

مجاہد فی سبیل اللہ ایسے کب نظر آئے
قیامت ہو جنہیں اک اک گھڑی شوقِ شہادت میں

حضرت عباس اور اصحاب کو خندق کھودنے کا حکم

خطبہ کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس علیہ السلام اور اصحاب باوفا کو حکم دیا۔ کہ خیموں کو ایک جگہ جمع کر کے طنابوں کو ایک دوسرے سے پیوست کر دو۔ اس کے بعد خیموں کے گرداگرد خندق کھود کر اس میں لکڑیاں بھر دو۔ تاکہ ضرورت کے وقت اس میں آگ دے کر اپنے خیام کی حفاظت کر سکیں۔ "فحفرت حول عسکرہ شبہ الخندق وامر فحشیت حطبا" امام حسین کے حسب حکم لشکر کے گرد ایک خندق جیسا گڑھا کھودا گیا اور اسے خس وخاشاک اور لکڑیوں سے بھر دیا گیا۔ (دمعہ ساکبہ ص ۳۲۶ جلاء العیون ص ۲۰۰ و روضۃ الصفا و کبریت احمر ص ۹۱)

مولوی سیّد حیدر علی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

"پھر امام حسین کی ہدایت کے مطابق آپ کے اصحاب نے خیموں کو باہم ملا کر نصب کیا۔ اور خیموں کے پیچھے ایک خندق کھود کر زمین میں لکڑی بھر دی تاکہ لڑائی کے وقت وہ جلا دی جائے اور اس تدبیر سے دشمن خیمہ گاہ تک نہ پہنچ سکیں جیسا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ احزاب کے موقع پر کیا تھا۔ (تاریخ ائمہ ص ۳۵۷)

حضرت امام علیہ السلام کے خندق کھودنے کا حکم دینا روایتوں میں دو طرح سے ملتا ہے۔ اور دونوں کے مواقع ایرادا لگ الگ ہیں۔

بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے شب ہشتم خندق کھودنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ اسے خس وخاشاک سے پر کر دو تاکہ بوقت ضرورت اس میں آگ سلگا کر اپنی حفاظت کر سکیں۔

اور بعض میں یہ ہے کہ آپ نے شب عاشور خندق کھودنے کا حکم دیا۔ اور خس وخاشاک سے پر کرنے کو فرمایا۔ میں نے اس روایت کو دونوں مواقع پر مختصر الفاظ میں لکھ دیا ہے۔

حضرت عباس کا پانی کے لئے جانا اور بے نیل مرام واپس آنا

عاشور کی بھیانک رات دمبدم گزر رہی ہے۔ حسینی بہادر خندق کھود کر زمین پر بیٹھے دم لے رہے ہیں۔ عباس جنہیں عطش اہل بیت کی وجہ سے دم لینا نصیب نہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہیں اور عرض کرتے ہیں۔ سرکار پانی کی کیا سبیل پیدا کروں۔ امام حسینؑ ارشاد فرماتے ہیں۔ میری جان تم پر نثار ہو۔ دستیابی آب کی ایک صورت ہے۔ شاید پانی مل جائے۔ وہ یہ کہ تم تیس سوار اور بیس پیادوں کو ہمراہ لے کر نہر فرات پر جاؤ۔ اور پانی کی کوشش کرو۔

ابھی رات کا زیادہ حصہ نہیں گزرا۔ نہر کے محافظین بیدار ہیں۔ حضرت عباس تیار ہوتے ہیں۔ اور ہمراہیوں سمیت روانہ نہر فرات ہو جاتے ہیں۔ نہر پر پہنچے۔ مانعین آب نے ہزاروں کی تعداد میں دریا کی صورت امنڈ کر مزاحمت کی۔ گھمسان کی جنگ ہوئی۔ حسینی بہادر نے ہر چند کوشش کی۔ مگر پانی نہ ملنا تھا۔ نہ ملا علامہ سبط ابن جوزی مورخ واقدی کے حوالہ سے تحریر فرماتےؒ ہیں۔

فلما اشتد بالحسين واصحابه العطش بعث بالعباس بن علی اخيه الی المشارع فی ثلاثين فارسا و عشرين راجلا فاقتتلوا عليه ولم يمكنواهم من الوصول اليه (تذكره خواص الامة ص۱۴۹ طبع ایران)

جب حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب وغیرہ پر پیاس کا غلبہ ہوا۔ تو آپ نے اپنے بھائی عباس بن علیؑ کو تیس سواروں اور بیس پیادوں سمیت نہر فرات پر بھیجا۔ اور بڑی جنگ کے بعد بھی پانی تک نہ پہنچ سکے۔

علامہ قاینی لکھتے ہیں کہ حضرت عباس کے ہمراہیوں میں جناب ہلال بن نافع بھی تھے۔ نہر پر پہنچنے کے بعد جب ان لوگوں نے پانی لینا چاہا۔ تو عمر بن حجاج نے پوچھا تم کون ہو؟ حضرت ہلال نے جواب دیا میں تمہارا چچازاد بھائی ہلال بن نافع ہوں۔ اس نے کہا۔ تم بے شک پانی پی سکتے ہو۔ لیکن حسین کے لئے نہیں لے جاسکتے۔ ہلال نے جواب دیا۔ میں پانی پینے کے لئے نہیں بلکہ لے ہی جانے کے لئے آیا ہوں۔ الغرض دونوں لشکروں میں جنگ ہوئی۔ اور پانی دستیاب نہ ہوسکا۔ (کبریت احمر ص۴۴)

حضرت زینب کا سوال:

مؤرخین کہتے ہیں کہ جب عاشورا کی رات قدرے گزر چکی۔ تو حضرت امام حسین علیہ

السلام تن تنہا موقع جنگ دیکھنے کے لئے نکلے۔اور ایک سمت کو چل دیے۔ جناب ہلال بن نافع جو بڑے سیاسی اور امور جنگ سے باخبر تھے۔ حضرت کو تنہا جاتے ہوئے دیکھ کر آگے بڑھے اور حضرت سے جا ملے۔ آپ نے پوچھا ہلال کہاں آ رہے ہو۔ عرض کی۔ مولا پر آشوب زمانہ اور وقت میں آپ تنہا تشریف لئے جا رہے ہیں مجھ سے یہ برداشت نہ ہوا۔ کہ آپ کو اکیلا جانے دوں۔ حضور فرمائیں تو سہی کہ کیا ارادہ ہے۔ ارشاد ہوا۔ ہلال موقع جنگ دیکھنے نکلا ہوں۔

مواقع کو دیکھنے کے بعد آپ پلٹ پڑے۔ ہلال بن نافع کا بیان ہے۔ کہ حضرت میرا بایاں ہاتھ پکڑے ہوئے واپس تشریف لا رہے تھے۔ دفعتہً آپ کی نظر ایک جانب کو اٹھی۔ ارشاد فرمایا۔ ہلال، دشمن صرف میری جان چاہتے ہیں۔ تم انہیں پہاڑیوں کے راستوں سے نکل جاؤ۔ اور اپنی جان بچالو۔

یہ سننا تھا کہ ہلال قدموں پر گر پڑے۔ اور عرض کی "اذا ثکلت هلالا امه" مولا اگر میں ایسا خیال بھی کروں تو میری ماں میرے ماتم میں بیٹھے۔ میں تو آپ کے قدموں پر نثار ہونے کو زندگی سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت داخل خیمہ ہو گئے۔ اور حضرت زینب علیہا السلام کے پاس تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ گئے۔ حضرت زینب نے سینے سے لگا کر کہا۔

"اخی هل استعلمت من اصحابك نیاتهم فانی اخشی ان یسلموك عند الوثبة و اصطكاك الاسنتر"

بھائی جان آپ نے اپنے اصحاب کی نیتوں کا اچھی طرح جائزہ لے لیا ہے یا نہیں۔ مجھے یہ ڈر لگتا ہے کہ کہیں آپ کو حملہ آوری اور نیزہ زنی کے موقع پر نہ چھوڑ دیں۔

یہ سننا تھا۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام رو پڑے۔ اور فرمایا۔ بہن، غم نہ کرو، میرے ساتھ وہ بہادر ہیں۔ جو موت سے اس طرح مانوس ہیں۔ جس طرح بچے اپنی ماؤں کے پستانوں سے مانوس ہوتے ہیں۔

"فلما سمع هلال بكى رقة" بھائی بہن کی باتوں سے ہلال نے اندازہ لگا لیا کہ شاید بنت فاطمہ کو ہمارے اوپر پورا اعتماد نہیں ہے۔ فوراً حبیب بن مظاہر کے خیمہ میں آئے۔ دیکھا کہ تلوار پر صیقل کر رہے ہیں۔ کہا حبیب کیا کرتے ہو۔ ارے حضرت زینب کو ہم پر اعتماد نہیں معلوم ہوتا۔ چلو۔ بنت فاطمہ کے نازک دل کو مطمئن کریں۔ تمام اصحاب جمع ہو کر حضرت زینب کے خیمہ کے قریب آتے ہیں۔ اور آواز دیتے ہیں۔ اے ہماری سردار۔ اے ہمارے امام کی پیاری بہن۔ کیا آپ کو ہم پر بھروسہ نہیں۔ ارے ہم آپ پر جان نثار کرنے کی تمنا میں جی رہے ہیں۔ ہماری

تلواریں نیام میں نہ جائیں گی جب تک دشمنوں کے گلے نہ کاٹ لیں۔ اور ہمارے نیزے رکیں گے نہیں جب تک دشمنوں کے سینوں میں نہ ٹوٹیں۔ پھر حضرت نے مخدراتِ عصمت کی طرف سے ان بہادروں کو اطمینان دلایا۔ (دمعہ ساکبہ ص ۳۲۵)

حضرت امام حسین کا ایک اور خطبہ:

رات کا ایک حصہ گزر چکا ہے۔ اور تاریکی چھا چکی ہے۔ امام علیہ السلام خیمہ سے برآمد ہوکر اپنے اصحاب کے قریب جاتے ہیں۔ اور ان کے پھر مجتمع ہونے کا حکم صادر فرماتے ہیں۔ آنِ واحد میں اصحاب باوقار موجود ہوتے ہیں۔ (ناسخ ج ۶ ص ۲۴۷) آپ ساج کی کرسی پر جلوہ افروز ہوکر اپنے اصحاب سے بایدہ پرنم فرماتے ہیں۔ (روضۃ الشہداء ص ۳۰۹)

انتم فی حل من بیعتی فالحقوا لجشائر کم و موالیکم وقال لاهل بیته قد جطتکم فی حل من مفارقتی فانکم لا تطیقونهم لتضاعف اعداد هم وقواهم وما المقصود غیری فدعونی والقوم فان الله عزوجل یعیننی ولا یخلینی من حسن نظره کماداته فی اسلافنا الطیبین (دمعه ساکبه ص ۳۲۵ و ناسخ ج ۶ ص ۲۴۷) تفسیر امام حسن عسکری علیه السلام

میرے وفادار اصحاب میں نے تم سے بار بیعت اٹھالیا تم اپنے قبیلوں اور عزیز دوستوں میں جاملو۔ پھر اپنے اہل بیت کی طرف متوجہ ہوکر فرمانے لگے۔ میں تمہیں اپنی جدائی کے متعلق مشورہ دیتا ہوں۔ اس لئے کہ تم دشمنوں کی کثرت اور طاقت کی تاب نہ لاسکو گے اور دیکھو دشمن صرف مجھی کو چاہتے ہیں۔ تم مجھے دشمنوں میں چھوڑ کر چلے جاؤ بے شک اللہ تعالیٰ میری مدد کرے گا اور ہمارے آباؤ اجداد کی طرح ہم پر نظر مرحمت رکھے گا۔

اس خطبہ کے بعد بھی جانبازوں نے دلیرانہ جواب دیا۔ لیکن بقولِ حضرت سکینہ کچھ لوگ ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔

امام حسین نے جنت دکھلا دی

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے اصحاب باوفا کا جائزہ لینے اور پورا پورا اطمینان کر لینے کے بعد اپنے قریب بلاتے ہیں۔ اور ایک دفعہ پھر فرماتے ہیں۔ کہ تمہارے گردنوں سے طوق بیعت اتارے لیتا ہوں۔ یہ رات کا پردہ حائل ہے۔ اسے سپر کے کام میں لاؤ۔ اور اپنی جان بچا

لو۔ یہ دشمن تو صرف میرا خون چاہتے ہیں جب مجھے قتل کرلیں گے۔ تو تمہاری طرف رخ بھی نہ کریں گے۔ "قالوا والله لا یکون هذا ابدا" وہ بولے۔ "اللہ تعالیٰ کی قسم یہ تو کبھی نہ ہو گا" آپ نے فرمایا۔ جو کہتا ہوں۔ اس پر غور کرو۔ کل تم سب کے سب ضرور قتل کردیے جاؤ گے۔ اور ایک بھی نہ بچے گا۔ "قالوا الحمد لله الذی شرفنا بالقتل معك" عرض کی الحمد للہ کہ ہم آپ کے ساتھ شہید ہونے سے مشرف ہوں گے۔

ثم دعی فقال لهم ارفعوا رؤسکم وانظروا فجعلوا ینظرون الی مواضعهم ومنازلهم من الجنة وهو یقول لهم یا منزلك یا فلان فکان الرجل یستقبل الرماح و السیوف بصدره ووجهه لیصل الیٰ منزله من الجنة (وصائل مظفری ص ۳۹۴ طبع طهران ۱۳۲۰ھ)

پھر امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو قریب بلایا۔ اور فرمایا ذرا سر تو اٹھاؤ اور دیکھو۔ انہوں نے سر اٹھایا اور جنت میں اپنی منزل اور جگہ دیکھی۔ آپ فرماتے جاتے تھے کہ اے حبیب اے زہیر وغیرہ یہ تمہاری جگہ ہے یہ تمہاری جگہ ہے۔ اسی طرح سب کو دکھلا دیا۔ اسے دیکھنے کے بعد ہر شخص نیزوں اور تلواروں کا اپنے سینہ اور چہرہ سے استقبال کرنے لگا۔ تا کہ جلد سے جلد جنت میں داخل ہو کر اپنی جگہ پائے۔

حسینی بہادروں میں جوش شجاعت پہلے ہی کیا کم تھا۔ کہ جنت بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ مرنے کے پہلے ہی مشتاق تھے۔ اب تو اشتیاق حد سے بڑھ گیا۔ دنیا کی تمام کلفتیں، مرنے کی موہوم تکلیفیں کافور ہو گئیں۔ اب وہ عالم ہے کہ ایک دوسرے پر سبقت کر رہا ہے۔ اور مسرت قتل سے پھولے نہیں سماتے۔ سچ ہے۔

شبِ عاشور شہ نے خطبہ آخر میں فرمایا ۔۔۔ نہ نیند آئی کسی کو رات بھر شوق شہادت میں

(اظہر الہ آبادی)

نایابی آب کی وجہ سے شب عاشور خیام اہل بیت میں اضطراب عظیم

عباس کی شجاعت رہ جاتی تھی تڑپ کر ۔۔۔ بچے بلک بلک کر جب مانگتے تھے پانی

اہل بیت رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ساتویں محرم سے پانی بند ہے۔ سعی آب کی ہر سبیل غیر مفید ثابت ہو چکی ہے۔ تگ و دو کی گئی۔ کنوئیں کھودے گئے۔ مگر پانی دستیاب نہ ہو سکا۔ عاشور

کی رات آ گئی ہے۔ پیاسوں کی آنکھوں میں موت کا نقشہ نظر آ رہا ہے۔ اضطراب اہل بیت کی کوئی حد نہیں۔ حضرت سکینہ بنت الحسین فرماتی ہیں کہ نویں محرم کا دن گزرنے کے بعد جب رات آئی تو پانی کی نایابی نے ہم لوگوں کو قریب بہ ہلاکت پہنچا دیا خشک برتنوں اور مشکیزوں کی طرح ہماری زبان اور لب بھی خشک ہو گئے۔ اور ایسی حالت پیدا ہو گئی جو برداشت نہ کی جا سکی۔ بالآخر "قمت الٰی عمتی زینب علیها السلام اخبرها بعطشنا لعلها ادخرت لنا ماء" میں اور بچوں سمیت اپنی پھوپھی زینب کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ تا کہ انہیں اپنی حالت سے آگاہ کر کے پانی کی خواہش کروں۔ شاید وہ کوئی سبیل پیدا کر سکیں۔ "فوجد تهدا فی خیمتها و فی حجرها اخی الرضیع" میں نے انہیں اپنے خیمہ میں پایا۔ وہ آغوش محبت میں میرے بھائی علی اصغر کو لئے ہوئے تھیں اور ان کی حالت یہ تھی "تارة تقوم و تارة تقعد وهو یضطرب اضطراب السمکة فی الماء" کبھی کھڑی ہوتی تھیں اور کبھی بیٹھ جاتی تھیں۔ اور میرا بھائی ان کی آغوش میں اس طرح تڑپتا تھا جس طرح چھوٹی مچھلی پانی میں تڑپتی ہے۔ "ویصرخ و هی تقول صبرا صبرا یابن اخی" وہ تڑپتے بھی ہیں اور چلاتے بھی ہیں۔ اور میری پھوپھی انہیں تسلی دیتی ہوئی فرماتی ہیں میرے برادر زادے صبر کرو۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرماتی تھیں۔ "وانی لك الصبر و انت علی هذا الحالة المشؤمة" اور تجھے کیونکر صبر آ سکتا ہے جب کہ تیری یہ حالت ہے "یعز علی عمتك ان تسمعك ولا تنفعك" اے بیٹا کیا کروں۔ اس بات سے سخت تکلیف ہے کہ میں تیری حالت دیکھتی اور تیرا بیان سنتی ہوں اور کچھ نہیں کر سکتی۔ جناب سکینہ فرماتی ہیں کہ جب میں نے پھوپھی جان کا بیان سنا۔ اور علی اصغر کی حالت دیکھی۔ تو میں بھی رو پڑی۔ "فقالت سکینة قلت نعم" پھوپھی اماں نے پوچھا۔ کون، سکینہ؟ میں نے عرض کی۔ ہاں پھوپھی جان۔ میں ہی ہوں۔ انہوں نے پوچھا کیوں رو رہی ہو۔ میں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اگر اپنی پیاس کا ذکر کیا۔ وہ اور پریشان ہو جائیں گی۔ میں نے کہا۔ اے پھوپھی جان "لوارسلت الی بعض عیالات الانصار فلربما ان یکون عندهم ماء" اگر آپ انصار کی عیال کے پاس کسی کو بھیجیں۔ تو شاید کچھ پانی کہیں سے دستیاب ہو جائے۔ یہ سن کر حضرت زینب نے میرے بھائی کو آغوش میں لیا۔ اور خود میری دیگر پھوپھیوں کے خیموں میں تشریف لے گئیں لیکن کہیں پانی کی کوئی سبیل نظر نہ آئی۔ پھر جب وہ واپس ہو کر بعض فرزندان امام حسن کے خیمہ میں پہنچیں۔ تو آپ کے ساتھ بہت سے اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہو گئے تھے۔ اور سب کو یہ امید تھی کہ زینب کہیں سے پانی کی سبیل نکالیں گی۔ غرض کہ آخر میں میری

پھوپھی زینب نے اصحاب کے خیموں میں پانی کا پتہ لگایا مگر مایوسی ہی رہی۔ "فلما استیئست رجعت الٰی خیمتها و معها ما یقرب من عشرین صبیًا وصبیة" جب پانی ملنے سے نا امیدی ہوئی۔ تو اپنے خیمے میں پلٹ آئیں۔ اب آپ کے پاس تقریباً بیس لڑکے لڑکیاں جمع ہو گئے۔ جو سب کے سب حد سے زیادہ پیاسے تھے۔

حضرت سکینہ فرماتی ہیں۔ کہ ہم سب اطفال حسینی چیخوں میں رو پیٹ رہے تھے۔ کہ ناگاہ ہمارے خیمہ کی طرف سے بریر ہمدانی گزرے۔ انہوں نے جب ہماری حالت کا مطالعہ کیا۔ تو بے ساختہ رونے لگے اور سر پر خاک ڈالتے ہوئے دیگر اصحاب سے ملے۔ اور ان سے کہا کہ بڑے افسوس کی بات ہے۔ کہ ہمارے ہاتھوں میں تلوار ہونے کے باوجود خاندان رسالت کے بچے پیاس سے مر رہے ہیں۔ میرے دوستو! اگر ہم انہیں سیراب نہ کر سکیں اور وہ پیاس سے مر جائیں۔ تو اس سے کہیں بہتر ہے۔ کہ ہم لوگ موت سے ہمکنار ہو جائیں۔ میری رائے یہ ہے کہ ہم لوگ ان بچوں کے ہاتھ پکڑ لیں اور نہر پر لے چلیں۔ اور انہیں سیراب کرنے کی سعی کریں۔ یہ سن کر یحییٰ مازنی بولے۔ میرے خیال میں بچوں کا لے جانا درست نہیں ہے۔ کیونکہ دشمن حملہ ضرور کریں گے۔ اگر اس حملہ میں خدانخواستہ کوئی بچہ نذر ہو گیا۔ تو ہم اس کا سبب قرار پائیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ مشکیزے لے لو اور نہر پر چل کر پانی حاصل کرو۔ پانی دستیاب ہونے پر ان پیاسوں کو سیراب کرو۔ جناب یحییٰ مازنی کی رائے سب نے پسند کی۔ اور چار اصحاب مشکیزے لے کر نہر فرات کی طرف روانہ ہو گئے۔ جن کے قائد جناب بریر ہمدانی تھے۔

(مائتین فی مقتل الحسین ج ا ص ۳۱۸ طبع لکھنو)

شب عاشور جناب بریر ہمدانی پر دشمنوں کی یورش اور حضرت عباس کا کمک میں پہنچنا

رات کا بڑا حصہ گزر چکا ہے۔ محافظین نہر سوتے جاتے ہیں۔ مجاہدین کرام خدمت حسین سے اپنے خیموں کی جانب روانہ ہو رہے ہیں۔

حضرت بریر ہمدانی جنہیں "سیّد القراء" کہا جاتا ہے۔ خیام اہل بیت کی طرف سے گزرے۔ کانوں میں حسینی پیاسوں کی صدائے "العطش" پہنچی۔ دل بے چین ہو گیا۔ بڑھتے ہوئے قدم تھم گئے۔ "رمی نفسه علی الارض و حثی التراب" اپنے آپ کو زمین پر دے مارا اور خاک بر سر ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اٹھے ساتھیوں کے پاس آئے۔ اور آبدیدہ ہو کر

بولے بھائیو! اولادِ رسول کریمؐ اور فرزندانِ ساقی کوثر پیاس سے مرا چاہتے ہیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تلواروں کے قبضے ہمارے قبضوں میں ہوں۔ اور ہم ایک چلو بھی پانی نہ لاسکیں۔ اور تشنہ لب بچے جاں بحق تسلیم ہو جائیں۔

مجاہدین اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور طے کیا۔ کہ ان بچوں کو نہر فرات پر لے چلیں۔ اور سیراب کرلائیں۔ سعاً خیال آ گیا۔ کہ اگر خدانخواستہ کسی بچے کو کوئی گزند پہنچ گئی تو ہم خاتون جنت کو منہ دکھانے کے لائق نہ رہیں گے۔

بریر کی حسب مرضی قبیلہ ازد کے صرف چار بہادروں پر مشتمل ایک جماعت زیر قیادت ہمدانی نہر فرات کی جانب روانہ ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ فرات کے قریب پہنچے۔ محافظین نہر نے ان کی آمد محسوس کرلی۔ پوچھا "من هؤلاء القوم" یہ لوگ کون ہیں۔ یعنی تم کون لوگ ہو اور کیوں آئے ہو۔ بریر ہمدانی نے دلیرانہ جواب دیا۔ "انا بریر وهؤلاء اصحابی" میں بریر ہوں اور یہ میرے ہمراہی اور صحابی ہیں۔ انہوں نے پوچھا کیوں آئے ہو۔ کیا غرض ہے۔ فرمایا۔ پانی پینے اور لے جانے آئے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ ٹھہرو۔ ہم اپنے سردار سے دریافت کرلیں۔ اگر اجازت ملے گی تو پانی لے جانے کی سبیل پیدا ہو جائے گی۔ ورنہ ناممکن ہوگی۔ ایک شخص محافظین نہر کے سردار اسحاق بن جثوہ کے پاس گیا۔ جو بریر کا رشتہ دار تھا۔ اور کہا۔ بریر پانی پینے اور خیام حسینی تک لے جانے کے لئے آئے ہیں۔ اس نے کہا "افرجوالهم الشرعة" پانی پینے کے لئے گھاٹ خالی کردو۔ جتنا جی چاہے۔ پی لیں۔ لیکن لے جانے نہ پائیں۔

اجازت ملی، پانی میں اترے، پانی کی ٹھنڈک نے دل پگھلا دیے۔ بریر نے پانی پیے بغیر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ مشکیزے جلدی بھرو۔ اور چل کھڑے ہو "فقد ذابت قلوب اطفال الحسين" اس لئے کہ فرزند رسول کے چھوٹے چھوٹے بچوں کے دل پیاس سے پگھلے جا رہے ہیں۔

بریر کی آواز ایک دشمن نے سن لی۔ اور پکار کر کہا۔ تمہیں پانی پینے کی اجازت دی گئی ہے۔ تم پانی لے جا نہیں سکتے۔ میں فوراً اسحاق کو باخبر کرتا ہوں۔ لیکن یہ بھی سن لو۔ کہ اگر اس نے بہ پاس قرابت پانی لے جانے کی اجازت بھی دے دی۔ تو میں نہ لے جانے دوں گا۔

حضرت بریر نے اپنا لہجہ کمال سیاست کی بنا پر نرم کر کے اسے گرفتار کرنا چاہا۔ لیکن وہ گرفت میں نہ آیا اور اس نے اسحاق کو خبر کر دی۔ اسحاق نے حکم دیا۔ کہ پانی لے جانے سے روکو۔ اور اگر نہ مانیں تو میرے پاس گرفتار کر کے لاؤ۔ وہ آیا اور اس نے مشکیزے سے پانی بہا

دینے کا مطالبہ کیا۔ حضرت بریر نے فرمایا "اراقة الدماء اشهی من اراقة الماء" اللہ تعالیٰ کی قسم میں پانی بہانے سے اپنا خون بہانا بہتر سمجھتا ہوں۔ میں نے ایک قطرہ بھی پانی نہیں پیا۔ ہماری پوری غرض خیام حسینی تک پانی پہنچانا ہے۔ جب تک دم میں دم ہے۔ ہمارے مشکیزوں کو کوئی نظر بھر کر بھی دیکھ نہیں سکتا۔

ان لوگوں کے ارادے معلوم کرنے کے بعد دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ان بہادروں نے اپنے مشکیزے زمین پر رکھ دیے۔ اور اس کے گرداگرد گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے۔ تیر بارانی کا حکم ہوا اور تیر برسنے لگے ایک بہادر نے مشکیزہ اٹھا کر کندھے پر رکھ لیا۔ اور چاہا کہ جلدی سے نکل کر تا بہ قیام گاہ پہنچ جاؤں۔ اتنے میں ایک تیر کندھے پر آ لگا۔ تسمہ کٹ گیا۔ اور خون جاری ہو گیا۔ اور قدم تک پہنچا اس نے بڑی خوشی کے ساتھ کہا۔ "الحمد لله الذی جعل رقبتی وقاء لقربتی" تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے میری گردن کو مشکیزہ کے لیے سپر بنا دیا۔ یعنی میری گردن چھدی تو چھدی۔ مشکیزہ تو بچ گیا۔

ابھی تک ان بہادروں کی تلواریں نیام میں ہیں۔ لیکن حضرت بریر اب سمجھ چکے ہیں کہ یہ پانی روکنے میں اپنی ساری کوشش ختم کر دیں گے۔ اتمام حجت کے لئے کہا۔ کہ دیکھو۔ فرزند رسولؐ پیاسے ہیں۔ اور ان کے اطفال و عورات بھی پیاسے ہیں۔ ہمیں پانی تو لے جانے دو۔ ان لوگوں نے جواب دیا۔ حسینؑ اور ان کے بچوں کے لئے فرات کا پانی ہم نے حرام کر دیا ہے۔ یہ نا ممکن ہے کہ تم پانی لے جا سکو۔ بریر نے کہا۔ دیکھو ہماری تلواریں اب تک نیام میں سو رہی ہیں۔ انہیں بیداری کا موقع نہ دو۔ ورنہ بڑی خونریزی ہو گی۔

دشمن پانی روکنے میں مبالغہ کر رہے ہیں۔ اور یہ پانی لے جانے پر اصرار۔ بات بڑھی۔ آواز بلند ہوئی حضرت امام حسین علیہ السلام کے گوش مبارک تک صدا پہنچی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ "الحقوا بة" اے عباس کچھ لوگوں کو لے کر بریر کی کمک میں جلد پہنچو۔ وہ دشمنوں میں گھر گئے ہیں۔ حضرت عباس چند اصحاب کو لے کر بریر کی مدد کو چلے۔ اور ان کے ہمراہ بعض محافظین خیمہ گاہ بھی ہوئے۔ عمر بن حجاج نے جب یہ دیکھا۔ تو اپنے لشکریوں کو حکم دیا۔ کہ اگر چہ رات ہے۔ مگر تیر بارانی شروع کر دو۔ حکم پاتے ہی دشمنوں نے تیروں کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔ بریر نے بڑھ کر ایک مشکیزہ اٹھا لیا۔ اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میرے اردگرد جمع ہو جاؤ۔ تا کہ تیر مشکیزہ تک نہ پہنچ سکے۔ اور پانی بہنے سے بچ جائے۔

بریر مشکیزہ لئے ہوئے اپنے ساتھیوں کے درمیان میں ہیں۔ اور ساتھی آپ کے

اردگرد ہیں۔ جس قدر تیر آتے ہیں۔ یہ بہادر اپنے سینوں پر لیتے ہیں۔ اور مشکیزہ تک کسی تیر کی رسائی نہیں ہونے دیتے۔ بریر ہمدانی کے سات تیر لگ چکے ہیں۔ لیکن مشکیزہ اب تک محفوظ ہے۔ قضارا ایک تیر بڑی تیزی کے ساتھ اڑتا ہوا ایک بہادر کے سینے پر لگا۔ اور سینے کو توڑ کر پار ہو گیا۔ اور بریر کی گردن پر جا لگا۔ لوگ گھبرا گئے اور یہ سمجھے کہ تیر مشکیزہ پر لگ گیا ہے۔ حضرت بریر سے پوچھا۔ ذرا بتاؤ تو سہی۔ کہ یہ تیر کہاں لگا۔ بریر نے کمال عقیدت سے جواب دیا۔ کہ مشکیزہ بچ گیا۔ ''الحمد اللہ'' یہ تیر میری گردن پر لگا ہے۔

الغرض کمک پہنچ گئی۔ دشمن کے دل چھوٹ گئے۔ ان حضرات نے دشمنوں کو ہٹا دیا۔ اور بریر وغیرہ کو ہمراہ لے آئے۔

حضرت بریر مشکیزہ لئے ہوئے خیمہ کے قریب پہنچے **''فجاء بریر بالماء حتی دنا بالخیمة فرمی القربة و قال اشربوایا ال الرسول''** اور پکار کر کہا۔ اے رسول اکرم صلعم کے چھوٹے چھوٹے پیاسے بچو۔ آؤ پانی آ گیا۔ بخوشی پیو۔

بچوں میں شور مچ گیا۔ ایک دوسرے کو پکارنے لگے **''ھذابریر جاء نابالماء''** آؤ۔ آؤ۔ بریر پانی لائے ہیں۔ تمام بچے دوڑ پڑے **''ورمین انفسھن علی القربة''** اور اپنے کو مشکیزہ پر گرا دیا۔ کوئی مشکیزہ کو آنکھوں سے' کوئی رخسار سے' کوئی پہلو سے لگانے لگا۔ مشکیزہ پر دباؤ پڑا۔ اور اس کا ''دہانہ بند'' الٹ گیا۔ منہ کھل گیا اور سارے کا سارا پانی پیاسوں کے سامنے زمین پر بہہ گیا۔ بچے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ اور سب نے مل کر آواز دی ''ارے بریر پانی بہہ گیا۔''

بریر اس آواز کو سنتے ہی **''جعل یلطم وجھه''** منہ پیٹنے لگے۔ اور بڑی مایوس اور زبردست افسوس کے ساتھ رو کر کہا **''والھفاہ علی اکباد نبات رسول اللہ''** ہائے کس عرق ریزی سے پانی دستیاب ہوا تھا۔ مگر افسوس کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی اولاد سیراب نہ ہو سکی۔

غرض کہ پانی زمین پر بہہ گیا۔ اور چھوٹے چھوٹے بچے کمال تشنگی کی وجہ سے اس تر زمین پر گرنے لگے۔ حضرت عباس علیہ السلام نے اس حشر آفرین واقعہ کو اپنی نظروں سے دیکھا۔ اور بے تاب ہو کر نہایت مایوسی کے عالم میں کف افسوس ملنے لگے۔ (ثمین ۳۲۳ ص ۳۱۶ و مواعظہ حسنہ ۲۸۵ ص ۲۸۳ طبع جالندھر ۱۹۳۹ء کبریت احمر ص ۳۴۔ توضیح عزا ص ۱۹۱)

عباس الاصغر کی شہادت:

غالباً شب عاشور کی اس آخری پانی کی جدوجہد میں عباس الاصغر نامی حضرت علی السلام

کے ایک صاحبزادے کام آ گئے ہیں۔ جن کو بعض لوگوں نے غلطی سے عباس الاکبر علیہ السلام سمجھ کر لکھ مارا۔ کہ حضرت عباس علمدار شب عاشور شہید ہوئے۔ (نور العین) یہ سراسر غلط ہے۔ یہ دھوکا بظاہر نام کی وجہ سے ہو گیا ہے۔ حضرت علی کے دو بیٹوں کا نام عباس تھا۔ علمدار کربلا کو عباس الاکبر اور دوسرے بیٹے کو عباس الاصغر کہتے تھے۔ (المشرع الروی ص ۴۷ طبع مصر ۱۳۲۹ھ و ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۸۹ طبع بمبئی)

حضرت زینب کا اضطراب:

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے خیمہ میں تشریف فرما ہیں اور آپ کے پاس ابوذر غفاری کے غلام جناب جون بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ نے بقول بعض مورخین کچھ اشعار پڑھے جن کے الفاظ کی بندش سے موت کا نقشہ نظر آ رہا تھا۔ حضرت زنب نے جو حضرت زین العابدین علیہ السلام کی تیمارداری میں مشغول تھیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے اشعار سن لئے۔ اور بے انتہا مضطرب ہو کر بھائی کے پاس آئیں۔ بھیا۔ آپ تو اپنی شہادت کی خبر دے رہے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا "اے بہن موت ہر ایک کے لئے ہے۔ اور مجھے بھی بہر صورت مرنا ہے۔ اور لاریب یہ میری آخری رات ہے۔ حضرت زینب بے انتہا رنجیدہ ہوئیں۔ اور رونے لگیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے انہیں تلقین صبر فرمائی۔ اور خاموش کر دیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا ہدایات دینے کے لئے اصحاب کے خیموں کا دورہ

عاشورا کی رات گزر رہی ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے خیمہ سے برآمد ہو کر اصحاب کے خیموں کی طرف تشریف لے جاتے ہیں۔ ان کو حکم دیتے ہیں۔ کہ تم لوگ خیموں کو اس انداز سے نصب کر لو۔ کہ تمہاری زندگی تک دشمن خیموں کے قریب نہ پہنچ سکیں۔

قال المفید ثم خرج علیه السلام الی اصحابه فامرهم ان یقرب بعضهم بیوتهم من بعض وان یدخل الاطناب بعضها من بعض وان یکونوا بین البیوت فیقبوا القوم فی وجه واحد والبیوت من ورائهم

شیخ مفید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ پھر امام حسین علیہ السلام اپنے اصحاب کی طرف تشریف لے گئے اور آپ نے ان کو حکم دیا۔ کہ تمام خیموں کو ملا لو۔ اور ایک کی طناب دوسرے کے ساتھ مستحکم کر لو۔ اور خیموں کے نصب کرنے میں ایسی شکل اختیار کرو۔ کہ تین

وعن ایمانهم وعن شمائلهم قدجفت بهم الا الوجه التی یاتیهم منه عدوهم

طرف سے سب محفوظ ہو جائیں۔ اور صرف ایک ایسی طرف راستہ رکھو۔ جس طرف دشمن کی گزرگاہ ہو۔ اوران سے مقابلہ کیا جاسکے۔

(دمعه ساکبه ص٣٦٤. طبع ایران)

حضرت عباس وحضرت علی اکبراور جناب قاسم میں باہم گفتگو

علامہ محمد باقر نجفی اپنی کتاب دمعہ ساکبہ کے ص ۳۲۶ پر تحریر فرماتے ہیں۔ "ثم رجع علیه السلام الی مکانه" اصحاب کو ہدایات دینے کے بعد آپ اپنے خیمہ فلک جاہ کی طرف واپس ہوئے۔ بقولے جب واپسی میں حضرت عباسؑ کے خیمہ کے قریب پہنچے تو محسوس کیا۔ کہ جیسے کچھ لوگ آپس میں باتیں کررہے ہوں حضرت اپنی جگہ پر خاموش کھڑے ہو گئے۔ یہ حضرات آپس میں بات چیت کر ہی رہے تھے۔ کہ روئے سخن شب عاشور کی طرف ہو گیا۔ حضرت علی اکبر بڑی دلیری سے بولے۔ "اے چچا آج کی صبح کو بابا جان پر جو سب سے پہلے جان کی قربانی دے گا۔ میں ہوں گا۔

حضرت عباس بولے۔ "آقا زادے۔ یہ کیا کہا۔ غلام کی موجودگی میں شاہزادہ کی شہادت کا کونسا سوال ہے۔ جب تک عباس کے دم میں دم باقی ہے۔ شہزادہ کو جنگ کی آنچ نہیں لگنی چاہئے۔ حضرت علی اکبر نے کہا۔ "چچا یہ درست سہی۔ لیکن یہ بھی تو خیال فرمائیں۔ کہ آپ علمدار لشکر ہوں گے۔ اور علمدار کے مارے جانے سے سارا لشکر تتر بتر ہو جاتا ہے۔ اگر آپ پہلے شہید ہوں گے۔ تو چھوٹے سے لشکر میں جلد سے جلد کمزوری دوڑ جائے گی۔ اس کے علاوہ آپ کی وہ ہستی ہے۔ کہ آپ کے دم سے بابا جان زندہ ہیں۔ اگر آپ شہید ہو جائیں گے۔ تو بابا جان کی کمر ٹوٹ جائے گی" حضرت عباس نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: کہ "اے میرے آقا کے نور نظر علی اکبر۔ تم نے جو کچھ کہا درست ہے۔ لیکن یہ بھی تو سوچو کہ بیٹا باپ کا نور نظر ہوتا ہے جب باپ کے سامنے بیٹا شہید ہو جائے۔ تو باپ کی آنکھوں کا نور جاتا رہتا ہے۔ اگر تم پہلے شہید ہو جاؤ گے تو میرے سید و سردار بے نور ہو جائیں گے۔ اور یہ تو بتاؤ۔ کہ جب حضرت کا نور بصر جاتا رہا تو سارا دن لاشوں پر لاشے کیونکر اٹھائیں گے۔

حضرت عباس اور حضر علی اکبر علیہما السلام کی گفتگو حضرت قاسم بن حسن علیہ السلام خاموشی سے سنتے رہے۔ جب دونوں سوال و جواب کر چکے تو بولے۔ "چچا جان۔ آپ نے جو کچھ

فرمایا وہ درست ہے۔ اور بھائی علی اکبر علیہ السلام نے جو کچھ کہا۔ وہ صحیح ہے۔ بے شک آپ کی شہادت سے چچا جان کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ اور بھائی علی اکبر کی شہادت سے چچا جان کا نور بصر جاتا رہے گا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ کل سب سے پہلے جو چچا جان پر قربان ہو۔ وہ میں ہوں۔ اس لئے کہ میں یتیم ہوں۔ اور اپنے باپ کی طرف سے سب سے پہلی قربانی دینے کی تمنا رکھتا ہوں۔ یہ سننا تھا۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام خیمہ میں داخل ہو گئے اور حضرت قاسم کو سینے سے لگا کر فرمایا: ''بیٹا! باپ کے نہ ہونے کا رنج نہ کر۔ میں تیرا باپ موجود ہوں۔ تیری شہادت سے مجھے اتنا ہی رنج ہوگا۔ جتنا میرے بھائی کو ہوتا'' سنتا ہوں کہ پھر امام حسین علیہ السلام نے روئے سخن حضرت عباس کی طرف موڑا۔ اور ان کے جذبات کا جائزہ لے کر فرمایا۔ کہ ''اے عباس۔ اگر تم یہ حوصلے لے کر آئے ہو۔ کہ ان کا تختہ تباہ کر دو۔ تو مدینہ منورہ واپس جاؤ۔ میں تو اتمامِ حجت اور قربانی پیش کر کے اسلام کو زندہ کرنے اور اس کو سدا بہار بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔''

حضرت امام حسین اور اصحاب و اعزہ کی عبادت گزاری:

حضرت امام حسین علیہ السلام اصحاب کو ہدایت فرما کر اپنے خیمہ میں واپس تشریف لے گئے۔ اصحاب اٹھے۔ اور حضرت کی حسب ہدایت ''طناب ہائے خیمہ را درمیان یکدیگر کشیدند۔ وراہ تردد را از میان خیمہا مسدود گردانیدند۔ وخندق دور خیمہ را پر از ہیزم کروند و مشغول نماز و عبادت و دعا و تلاوت گردیدند'' یعنی خیموں کے طنابوں کو ایک دوسرے سے پیچیدہ کر دیا۔ اور خیموں کے درمیان راستوں کو بند کر دیا۔ اور خیموں کے گرد کھدی ہوئی خندق میں خس و خاشاک اور لکڑیاں اچھی طرح بھر دیں۔ اس کے بعد نماز، عبادت، دعا، تلاوت کلام مجید میں مشغول ہو گئے۔ (جلاء العیون ص ۲۰۰)

علامہ محمد باقی بحوالہ مفید لکھتے ہیں۔

فقام لیلته کلها یصلی و یستغفر و یدعو و یتضرع وقام اصحابه کذلك یصلون ویدعون و یستغفرون (دمعه ساکبه ص۲۳۶ ناسخ التواریخ ج۲ ص۲۴۸)	پھر آپ ساری رات نماز پڑھتے۔ استغفار اور دعا اور تضرع کرتے رہے۔ اور آپ کے تمام اصحاب بھی نماز و دعا اور استغفار میں مشغول رہے۔

علامہ اربلی رقمطراز ہیں۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے تمام عورات و اہل بیت کو صبر و شکیبائی کی وصیت فرمائی۔ اور بیمار امام حضرت زین العابدین کو باخبر کیا کہ میری نسل سے تم تنہا باقی

رہ جاؤ گے۔ "پس از وصیت اہل بیت را یک یک وداع نمود وآنگاہ بعبادت مشغول شد" بعد وصیت ہر ایک کو رخصت فرمایا۔ اس کے بعد مشغول بعبادت ہو گئے۔ (سیر الائمہ ترجمہ کشف الغمہ ص ۷۰)

مورخین لکھتے ہیں:

فبات الحسین واصحابہ تلک اللیلۃ لھم دوی کدوی النحل ما بین راکع و ساجد و قاعد (دمعہ ساکبہ ص ۳۲۵. تاریخ کامل ج ۴ ص ۲۳ مقتل عوالم ص ۸۰ طبری. صلاح النشیتین. ابی مخف. صواعق ینابیع . اعثم کوفی. روضۃ الصفا. ناسخ ج ۶ ص ۲۴۸ وغیرہ)

حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب بقیہ ساری رات عبادت کرتے رہے۔ کبھی رکوع۔ کبھی سجود۔ کبھی قیام۔ کبھی قعود میں مشغول رہے۔ اور ان کی عبادت کی آواز ایسی معلوم ہوتی تھی۔ جیسی شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ۔

شبِ عاشور حضرت عباس علیہ السلام کی چہار گانہ عبادت

غرض کہ اب رات کا جو حصہ بھی باقی ہے۔ وہ عبادت میں گزر رہا ہے۔ یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے اہل بیت اور اصحاب سب طمانیت عبادت کو رخصت کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اور حضرت عباس علیہ السلام بھی سربسجود وعبادتِ خداوندی میں مشغول ہیں۔ لیکن آپ نماز دعا کے علاوہ فریضہ عبادت گزاری کو دوسرے طریقوں سے بھی ادا فرما رہے ہیں۔ علامہ محمد باقر قاینی کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے۔ کہ آپ نے شبِ عاشور چار قسم کی عبادت میں گزاری۔

پہلی قسم: تو یہ ہے کہ آپ اپنے برادر محترم حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرح محو عبادت ہوتے ہیں۔ کبھی رکوع، کبھی سجود، کبھی قیام، کبھی قعود فرماتے ہیں۔ کبھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ کبھی تضرع و زاری کرتے ہیں۔

دوسری قسم: یہ ہے کہ آپ مصلے سے اٹھ کر فوراً خیامِ اہل بیت کا طلایہ پھرتے ہیں۔ اور حفاظت خیام میں سارا انہماک صرف کر دیتے ہیں۔

حضرت عباسؑ کو چونکہ سرکار حسینی سے تمام اختیارات اور ذمہ داریاں حاصل تھیں۔ لہذا آپ مجبوراً اپنے رخِ عبادت کو حفاظتِ عزتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف موڑ دیتے ہیں۔

تیسری قسم: یہ ہے کہ آپ خندق میں لکڑیوں کو مرتب طور پر جمع کرتے ہیں۔ اور بروایتے جمع شدہ

لکڑیوں میں اس خیال سے آگ دیتے ہیں۔ کہ دشمن شب خون نہ ماریں۔

چوتھی قسم: یہ ہے کہ آپ اپنے بھائیوں ونیز دیگر بنی ہاشم کو جمع کر کے فرماتے ہیں کہ دیکھو کل امتحان کا دن ہے۔ تم اس طرح دلیری سے کام لینا۔ کہ دنیا انگشت بدنداں ہو جائے۔ اور اس کی پوری کوشش کرنا کہ سب سے پہلے شہادت نصیب ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اصحاب سبقت لے جائیں اور دنیا کہے کہ حسین نے اصحاب کو پہلے کٹوا دیا۔ (کبریت احمر ص ۹۱)

حضرت زینب جناب عباس کے خیمہ میں

اس میں کوئی شک نہیں کہ جس طرح حضرت عباس کو سکون اور چین نصیب نہ تھا۔ اسی طرح حضرت زینب صلوات اللہ وسلامہ علیہا بھی بے چین تھیں۔ آپ فرماتی ہیں۔ کہ نصف شب گزرنے کے بعد میں اپنے خیمہ سے کمال اضطراب میں نکل کھڑی ہوئی۔ اور اپنے برادر جان برابر حضرت عباس کے خیمہ تک گئی۔ دیکھا کہ آپ شیرانِ بنی ہاشم کے ایسے حلقہ میں بیٹھے ہوئے ہیں کہ "لا یعرف طرفھا" جس کا کنارہ معلوم نہیں ہوتا۔ اور فرما رہے ہیں۔ "یا اخوانی و بنی اعمامی. اسمعوا کلامی" اے میرے بھائیو! اور اے چچا کے بیٹو' میری بات کان دھر کے سنو۔ "چوں فردا شود و بنائے محاربہ وقتال شود۔ اوّل کسے کہ قدم در عرصہ رزم گزارد۔ شما بنی ہاشم باشید۔ تا آنکہ مردم نہ گویند کہ جمعے را خواستند بیارے خود واز برائے ایشاں مرگ و برائے خود حیات را خواستند۔" دیکھو کل جب محاربہ اور قتال چھڑ نا طے پا جائے۔ تو اے بنی ہاشم تم لوگ سب سے پہلے رزم گاہ اپنے کو پہنچا کر جان دے دینا۔ تا کہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ لوگوں کو مدد کے لئے بلا کر ان کے لئے موت اور اپنے لئے زندگی کی فکر کی۔ "پس فتیاں ہمہ گفتند' مطیع امر تو مے باشیم" سب لوگ بیک زبان بول اٹھے۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہم آپ کی پوری پوری اطاعت کریں گے۔ (کبریت احمر ص ۱۱۰)

ملا مشہدی لکھتے ہیں ایک خیمہ میں حضرت عباس بن علی جوانانِ بنی ہاشم کو حق کی حمایت کے لئے جان دینے۔ باطل کی مخالفت میں کمر باندھنے۔ واجباتِ دین کو تلواروں کے سایہ میں بجا لانے۔ مصیبت میں صبر' غصہ میں حلم' کلام میں سچائی' افعال میں دیانتداری اور ادائے فرائض میں مستعدی ظاہر کرنے تلوار کی دھار کے نیچے بھی امام زمانہ کی متابعت میں ثابت قدم رہنے کی تلقین فرما رہے تھے۔ الخ (مظلومہ کربلا ص ۷۳ طبع لاہور)

حضرت زینب فرماتی ہیں۔ کہ پھر میں نے اصحاب کے خیمہ کی طرف نظر کی۔ تو دیکھا۔ کہ

حبیب بن مظاہر نے تمام اصحاب کو اپنے خیمہ میں جمع کر دیا ہے۔ اور کہہ رہے ہیں۔ کہ "اے اصحاب حسینؑ اور اے میرے بھائیو۔ دیکھو۔ کل جب جنگ و جدال' حرب وقتال کی نوبت آ پہنچے۔ تو تم لوگ دین اسلام پر نثار ہونے میں جلدی کرنا' ایسا نہ ہو کہ بنی ہاشم میں سے کوئی بھی تم پر سبقت لے جائے۔
"زیرا کہ ایشاں سادات و بزرگانِ ما باشند۔ "فاذا قتلنا قضینا ما علینا" اس لئے کہ یہ لوگ سادات اور ہمارے بزرگ ہیں۔ جب ہم کام آ جائیں گے۔ تو اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں گے۔ پھر جو بھی ہوا۔ اس پر ہماری ذمہ داری نہ ہوگی۔ ان اصحاب نے بہ یک زبان کہا "القول قولك" جو آپ فرماتے ہیں۔ بالکل درست ہے۔ اور یہی ہو کے رہے گا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ اصحاب نے کسی طرح اہل بیت میں سے کسی ایک کو بھی اپنے سے پہلے رزمگاہ میں جانے نہ دیا۔ (کبریت احمر ص ۱۰۱)

خیمہ گاہ حسینی کی عورتوں کا انداز عبادت

اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعاتِ کربلا کے فروغ میں عورتوں کا بھی ہاتھ ہے۔ بڑی بے انصافی ہوگی اگر اس مقام پر عورتوں کی عبادت کا ذکر نہ کیا گیا۔

عورتیں نماز، دعا میں مشغول ہیں۔ جب اس قسم کی عبادت سے فرصت پاتی ہیں۔ تو ایک دوسرے انداز کی عبادت شروع کر دیتی ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

"خیامِ اہل بیت میں اسلام کی کامل الایمان بیبیاں' محبت رسولؐ کی راسخ الاعتقاد ہستیاں' دین الٰہی پر مر مٹنے والیاں' خاتونِ جنت کی محبت کی متوالیاں' قربان گاہِ اسلام پر قربانی چڑھانے' جان رسولؐ کا فدیہ پیش کرنے' اپنی پیاری بی بی فاطمہ زہرا کی جان پر سے صدقہ اتارنے کے لئے اپنے جگر کے ٹکڑوں پیارے لاڈلوں کو تیار کر رہی ہیں۔ بال سنوارتی ہیں۔ زلفوں کو کنگھی کرتی ہیں۔ چاند سے مکھڑوں کو چومتی ہیں۔ پیاسے ہونٹوں کو بوسہ دیتی ہیں۔ اور کہتی ہیں۔ کہ اے پیارے بچو' جگر کے ٹکڑو' ماں کی آنکھ کے تارو' راج دلارو' کل قربانی کا دن ہے۔ جانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا ہونے کا روز ہے۔ بس یہی تمنا ہے اور یہی آرزو ہے' کہ تم دولہا بنو' زخموں کے پھول تمہارے جسم پر ہوں' شربت شہادت پیو' تلواروں سے کھیلو' نیزے کھاؤ' خون میں نہاؤ' دین الٰہی' اسلام محمدیؐ کی قربانی بنو' اور جانِ رسولؐ فرزندِ بتول آقا حسینؑ پر فدا ہو جاؤ' اور ہم کو ہماری بی بی خاتون جنت' بنت رسولؐ حضرت فاطمہ زہرا سے سرخرو کر جاؤ' حسینؑ کے فدیہ کہلاؤ گے تو ہمارا دودھ تم کو حلال ہوگا۔ اور تمہاری لاشوں پر ہم آئیں۔ اور تمہاری خون بھری تصویروں کو دیکھ کر خون کے آنسو بہا کر خدائے جلیل کی بارگاہ میں اس ناچیز قربانی کی قبولیت کا سجدہ شکر ادا کریں اور اپنا

دودھ تم کو بخشیں۔

خیمہ میں بچوں کو یہ سمجھا رہی ہیں بیبیاں	اے ہمارے نونہالو! کل ہے روز امتحان
راہ حق میں جو مرا سمجھو کہ زندہ ہو گیا	مٹ نہیں سکتا زمانہ سے کبھی نام و نشاں
ہیں وہی سردار قوم و محسنِ دینِ مبین	جن کے لاشے کل نظر آئیں گے ریتی پر پتاں
تم پہ جو پتا پڑی تھی کٹ گئی صد شکر حق	اب ہے سیر باغ جنت اور عیشِ جاوداں
پیاس کیسی، بھوک کیا، ہو تم تو ہاشم کے سپوت	کاٹ ہی ڈالو اگر ہونٹوں پہ پھر جائے زبان
کر دیا ہے حاکم گمراہ نے اعلانِ جنگ	شام تک تم واقعی بچے تھے پر اب ہو جواں
گر نہیں آتا لڑائی کا ہنر تو سن رکھو	تیغ ہیں یوں باندھتے اور اس طرح تیر و کماں
زین پر یوں بیٹھو جیسے ہو انگوٹھی پر نگیں	باگ ہو بائیں میں دائیں سے دو نیزے کو تکان
ماشاء اللہ تم مجاہد، تم سپاہی، تم جری	تم جیالے، منچلے، جانباز، غازی پہلوان
اے جگر کے ٹکڑو، اے معصوم روحو، دلبرو	تم امیدیں ہو ہماری قوم کی قربانیاں

(شان اسلام ص ۱۲۰) موت ہے جینا فقط لذات فانی کے لئے

آدمی مرجائے عیشِ جاودانی کے لئے (ہلال محرم)

مجاہدین کربلا کی آخری سحر

شب عاشور گزر رہی ہے۔ سفیدہ سحری نمودار ہو رہا ہے۔ شہدائے کربلا کی زندگی کی آخری سحر طالع ہوا چاہتی ہے۔ کہ ناگاہ حضرت امام حسین علیہ اسلام پر غنودگی طاری ہو گئی۔ آپ نے ایک حیرت ناک خواب دیکھا۔ جس میں آپ کے قاتل کی پہچان بتائی گئی تھی۔ مورخین لکھتے ہیں:

فلما كان وقت السحر خفق الحسين عليه السلام خفقة ثم استيقظ وقال اتعلمون ما رأيت في منامي الساعة فقالوا ما الذي رأيت يا ابن رسول الله فقال عليه السلام رأيت كان كلابا قد اشتدت على لتنهشني و فيها كلب	جب سحر کا وقت آیا۔ امام حسین علہ السلام پر غنودگی طاری ہوئی۔ پھر آپ بیدار ہو گئے۔ اور فرمایا تم لوگ جانتے ہو۔ کہ اس وقت میں نے خواب میں کیا دیکھا۔ لوگوں نے عرض کی حضور آپ ہی فرمائیں۔ ارشاد ہوا۔ کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ بہت سے کتے شدت کے ساتھ مجھ پر حملے کر رہے ہیں۔ اور ان کتوں میں

ف ابقع رأيته اشدها علي واظن الذي يتولى قتلي رجل ابرص من بين هؤلاء القوم. ثم اني رايت بعد ذالك جدي رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم و معه جماعة من اصحابه وهو يقول لي يا بني انت شهيد ال محمد و قد استبشر بك اهل السموات واهل الصفح الاعلى فليكن افطارك عندى الليلة عجل ولا تؤخر فهذا ملك قدنزل من السماء لياخذ دمك في قارورة خضراء فهذا ما رايت وقد الف الامر واقترب الرحيل من هذه الدنيا لا شك في ذلك (دمعه ساكبه ص۳۲۶ بحواله بحار و مناقب و جلاء العيون ص۲۰۰. ناسخ التواريخ ج۶ ص۲۴۳ طبع بمبئی)

ایک ابلق رنگ کا مبروص کتا ہے۔ جو انتہائی سختی کے ساتھ مجھ پر حملہ آور ہے۔ میں گمان کرتا ہوں کہ میرا قاتل مبروص ہوگا۔ اس کے بعد میں نے اپنے نانا جان کو خواب میں دیکھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اے بیٹا! تو عنقریب شہید ہو جائے گا۔ اور اے بیٹے! اہل سماوات تیرے انتظار میں ہیں۔ لہٰذا تمہیں چاہئے کہ جلد سے جلد یہاں پہنچنے کی کوشش کرو۔ اور آج شام کا افطار میرے پاس آ کر کرنا۔ اور یہ ملک ہے جو آسمان سے اس لئے اترا ہے۔ کہ تمہارا خون اس سبز شیشی میں لے لے۔ میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ جس سے سمجھتا ہوں کہ عنقریب اس دنیا سے میرا کوچ ہونے والا ہے۔

فقال له الحسينا كشف لي عن لشامك فكشفه فاذا هوا برص اعور ابقع له بوز كبوز الكلب و شعر كشعر الخنزير فقال الحسين الله اكبر لقد صدق جدى الخ (نور العين ص۷۱ طبع بمبئی ۱۲۹۲ھ)

حضرت نے فرمایا ذرا اپنے کپڑے تو ہٹا۔ اس نے ہٹایا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ مبروص اور کانا ہے اس کی شکل کتے کی جیسی اور بال سور کے جیسے ہیں۔ حضرت نے فرمایا۔ اللہ اکبر! میرے نانا نے درست فرمایا تھا۔

ف علامہ دمیری لکھتے ہیں۔ کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا۔ کہ خواب کی تعبیر کے ظہور کی مدت کتنے سال ہے۔ فرمایا پچاس سال اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ ان پر ایک کلب ابقع نے حملہ کیا ہے۔ اور خون میں لتھڑا ہوا ہے۔ "فاوله بان رجلا يقتل الحسين ابن بنته" تو آپ نے اس کی تاویل کر کے یہ تعبیر دی تھی۔ کہ میری لخت جگر فاطمہ کے فرزند حسین کو جو قتل کرے گا وہ مبروص ہوگا چنانچہ آپ کو شمر ملعون نے قتل کیا جو مبروص تھا۔ (حیوۃ الحیوان ج۱ ص۱۵۱ طبع مصر ۱۳۱۹ھ)

علامہ اسفرائنی لکھتے ہیں۔ کہ حضرت امام حسین کے سینہ اقدس پر شمر ملعون سوار ہوا۔ تو آپ نے آنکھیں کھول دیں۔ اور پوچھا کیا ارادہ ہے۔ اس نے کہا۔ قتل کروں گا۔

علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ

"حضرت امام حسین علیہ السلام نے حکم نافذ کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ اب جبکہ اصحاب کی مہم اس حد تک پہنچ چکی ہے تو "بروند وبقیہ ' کہ از شب ماندہ بطاعت وعبادت گزرانیدہ وصباح حاضر گردند" اب اپنے اپنے خیموں میں واپس جا کر یہ بچی ہوئی رات بھی عبادت واطاعت میں گزاریں۔ پھر صبح کے وقت آ جائیں۔ تا کہ آخری نماز باجماعت ادا کرلیں۔ اس لئے کہ آج صبح والی نماز باجماعت آخری ہوگی۔

القصہ سب کے سب اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔ اور عبادت گزاری میں مشغول ہوئے۔ آج کی رات عبادتِ خداوندی میں بنالہ وآہ گزاری۔

جب صبح کا ابتدائی حصہ ظاہر ہوا۔ تو آسمان سے یہ آواز آئی "یا خیل الله ارکبی" اے سوارانِ خداوندی اپنے گھوڑوں کی زینیں لے لو۔ مرنے کا وقت بالکل قریب آ پہنچا ہے" "ام کلثوم ہمچو بیہوشاں جوشاں وخروشاں خود را اور خیمہ حسین انداخت" یہ سن کر ام کلثوم افتاں وخیزاں از خود رفتہ امام حسین کے خیمہ میں جا پہنچی اور بکمال پریشانی کی حالت میں بھائی سے عرض کی۔ بھائی جو صدا اب آسمان سے آئی۔ آپ نے سنی۔ حضرت نے فرمایا۔ ہاں میں نے بھی سن لی ہے۔ اور اے بہن! اس سے زیادہ عجیب تر یہ ہے کہ میں نے ابھی ابھی جب کہ میری آنکھ لگ گئی تھی۔ خواب میں دیکھا ہے۔ کہ مجھ پر بہت سے کتے حملے کر رہے ہیں۔ اور ان میں ایک کتا ایسا ہے۔ جو سب سے زیادہ حملہ آور ہے۔ میرا دل بول رہا ہے کہ وہی مجھے ہلاک کرے گا۔ پھر اسی کے دوران میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔ کہ وہ فرماتے ہیں۔ اے شہید آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرے استقبال کے لئے انبیاؑ ومرسلین جمع ہیں۔ آج کی رات میرے پاس گزارنا۔ یہ سن کر حضرت ام کلثوم کا گریہ گلوگیر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔ اے بہن! سب عورتوں اور بچوں کو جمع کرو۔ کہ میں پھر ایک دفعہ انہیں وداع کرلوں۔ جب لوگ جمع ہوئے۔ حضرت نے ہر ایک کو رخصت کیا۔ اور سب سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔ تمام بیبیوں میں رونے کا کہرام برپا ہو گیا۔ ام کلثوم نے عرض کی۔ بھائی جان! نانا کے بعد بابا، اور بابا کے بعد بھائی حسن اور آپ کی ہستی۔ پھر بھائی حسن کے بعد آپ کا وجود ذی جود رہا۔ جو ہم لوگوں کے دکھ کی دوا تھا۔ اب ہم لوگ کیا کریں گے۔

فریاد ازاں روز کہ ما بے تو بمانیم ❊ در آرزوئیت عمر بہ حسرت گزرانیم

یہ باتیں غم وحسرت سے بھری ہوئی ہو ہی رہی تھیں۔ کہ صبح ہو گئی۔

(روضۃ الشہداء ص ۳۱۲ طبع بمبئی ۱۲۸۵ھ منہج الاحزان ص ۱۰۲)

۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ یوم جمعہ

صبح عاشور

(طلوعِ صبح محشر تھی طلوع صبح عاشورا)

عاشور کی تیرہ بخت رات ماتم کناں رخصت ہوئی۔ گریبانِ صبح چاک ہوا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اور بقولے حضرت علی اکبرؑ نے اذان کہی۔ اصحاب و اعزہ جمع ہو گئے۔ اقامت کہی گئی اور نماز جماعت شروع ہو گئی۔ (روضۃ الشہداء و مہیج الاحزان)

صبح عاشورا نمازِ عشق پڑھنے شہ چلے ۔۔۔ جتنے تھے اکبر کی وہ شانِ اذاں دیکھا کیے

لشکر مخالف کی ترتیب:

ادھر اللہ والے نماز میں مشغول ہیں۔ ادھر لاتعداد انسان اہرمن (یزید) کے پجاری نمازیوں کے خون بہانے کی خاطر فریضہ ترتیب لشکر میں سرتاپا لگے ہوئے ہیں۔

دشمنان چوں ریگِ صحرا لاتعد ۔۔۔ دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد (اقبال)

مورخ لکھتے ہیں کہ عمر سعد نے اپنے اسی ہزار لشکر (مقتل ابی مخنف ص ۳۶۸) کو یکجا کرنے کے بعد یوں ترتیبی تقسیم کی۔ میمنہ بیس ہزار، میسرہ بیس ہزار اور بقیہ قلب لشکر، اور میمنہ کا سردار شمر بن ذی الجوشن، میسرہ کا خولی بن یزید اصبحی کو قرار دیا۔ پھر ان میں بھی یہ انتظام کیا۔ کہ سواروں اور پیادوں کے الگ الگ افسران مقرر کیے۔ سواروں کا سردار عروہ بن قیس اور پیادوں کا شیث بن ربعی کو قرار دیا۔ اور علم فوج اپنے غلام درید کو دیا۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۴۹۔ دمعہ ساکبہ ص ۳۲۷) ترتیب لشکر کے بعد جنگ کا بگل بجنے لگا۔

نماز کے بعد:

امام علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے۔ "صدائے کوس" کانوں میں پہنچی۔ علامہ اربلی و کاشفی لکھتے ہیں کہ "ہنوز تعصیب نہ خواندہ بود، کہ آوازِ کوسِ حرب از لشکر دشمن برخواست۔ ختم نماز کے بعد دعا اور تعقیب بھی شروع نہ کرنے پائے تھے۔ کہ بگل کی آواز کانوں میں آنے لگی۔ (سیر الائمہ ص ۷۰ روضۃ الشہداء ص ۳۱۳) امام علیہ السلام فوراً مصلے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اپنے اصحاب و اعزہ سے فرمایا۔ میرے بہادرو! سنو۔ آج کے دن زین العابدین کے علاوہ ہم تم سب شہید ہو جائیں۔ کمر ہمت باندھو اور نکل پڑو۔ (جلاء العیون ص ۲۰۱)

خندق میں آگ دے دی گئی:

حسینی بہادر آلات حرب سے آراستہ ہوکر باہر نکل پڑے۔امام علیہ السلام نے حکم دیا۔ کہ سب سے پہلے خندق میں آگ دے دو۔آگ دے دی گئی اور شعلے بھڑکنے لگے۔
(دمعہ ساکبہ ص ۳۲۷)

حسینی لشکر کی ترتیب:

پھر امام علیہ السلام نے اپنے تین دن کے پیاسے چھوٹے سے لشکر (جو صرف بہتر بہادروں پر مشتمل تھا) کی ترتیب یوں فرمائی۔ میمنہ ۲۰ بہادر میسرہ ۲۰ بہادر' بقیہ قلب لشکر' اور میمنہ کے سردار جناب زہیر بن القین اور میسرہ کے حضرت حبیب ابن مظاہرہ کو قرار دیا۔ اور عہدہ علمبرداری پر حضرت عباسؑ کو ممتاز فرمایا۔مؤرخین لکھتے ہیں۔ "**جعل المیمنة لزهیر والمیسرة لحبیب واعطی الرایته اخاه العباس**" یعنی میمنہ حضرت زہیر علیہ السلام کے سپرد فرمایا۔ اور میسرہ حضرت حبیب کے حوالہ کیا اور رایت فوج' علم لشکر حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کو دیا ۔

بے ساختہ شہ بولے کہ لو بھائی مبارک   پیاسی ہے سکینہ تمہیں سقائی مبارک

(ابصار العین ص ۲۹۰ طبع نجف اشرف ۱۳۴۱ھ۔ تحفہ حسینہ ص ۱۲۸۔ دمعہ ساکبہ ص ۳۲۷۔ ناسخ ج ۶ ص ۲۴۹ جلاء العیون ص ۲۰۱ الاخبار الطوال ص ۲۰۳)

منشی اسیر لکھنوی فرماتے ہیں ۔

بہ ترتیب سپہ آں شاہ پرداخت   بہ تزئین کواکب ماہ پرداخت
مہ روئے زہیر از میمنہ یافت   حبیب ابن مظاہر میسرہ یافت
علم در دستِ عباسِ دلاور ۔   بسانِ حمزہ در فوج پیمبرؐ

(کربلا نامہ ص ۱۲۶ المطبع نولکشور ۱۲۹۷ھ)

علامہ شیخ جعفر شوشتری تحریر فرماتے ہیں:

جب صبح عاشورا نمایاں ہوئی۔ تو سرکار سیّد الشہداء اپنے اصحاب کے ساتھ نماز کے لئے آمادہ ہوئے۔ پانی نہیں تھا۔ تیمم کیا۔ حضرت ایک خاص مؤذن رکھتے تھے۔ جس کا نام حجاج ابن مسروق تھا۔ جوان شہداء میں سے ایک ہیں۔ ہمیشہ وہی اذان کہا کرتے تھے۔ لیکن آج حضرت نے اپنے فرزند ارجمند شبیہہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علی اکبر سے فرمایا۔ بیٹا آج تم اذان کہو۔

حضرت علی اکبر نے اذان کہی۔ حضرت نے نماز ادا کی۔ تمام اصحاب نے حضور کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ حضرت نے نماز کے بعد اصحاب اور اہل بیت کے مردوں سے خطاب فرمایا۔ "اشھد بان نقتل کلنا الا علی" میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے علی (زین العابدین) کے ہم سب شہید ہو جائیں گے۔ جونہی حضرات نے سرکار سیّد الشہداء سے اس خوشخبری کو سنا۔ تمام نے مسرت اور خوشی کا اظہار کیا۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض اسی خوشی میں ایک دوسرے سے مذاق کرنے لگے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ یہ مذاق کا وقت نہیں۔ دوسرے نے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے زندگی بھر کبھی مذاق نہیں کیا۔ اور نہ میں مذاق کو پسند کرتا ہوں۔ لیکن آج تو انتہائی خوشی کا دن ہے۔ ان کی رفعت پر غور کیجئے۔ دوسری طرف طلوع صبح سے پہلے عمر بن سعد علیہ اللعنۃ نے لشکر کی صف آرائی کی۔ ایک روایت کے مطابق لشکر کی تعداد ایک لاکھ۔ دوسرے قول کے مطابق اسی ہزار سوار اور چالیس ہزار پیادہ تھے۔ ان اختلاف روایات میں لشکر یزید کی کم از کم تعداد تیس ہزار تھی۔ سب صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ لشکر کا کمانڈر ان چیف، خود عمر بن سعد تھا۔ ڈپٹی کمانڈر ان چیف اس کا بیٹا تھا۔ میمنہ کا سردار عمر بن حجاج اور میسرہ کا سردار شمر ابن ذی الجوشن، تیر اندازوں کا سردار محمد بن اشعث تھا۔ یہ جم غفیر امام مظلوم کے خلاف صف آرا ہوا۔

سرکار سیّد الشہداء نے بھی صف آرائی فرمائی۔ زیادہ سے زیادہ لشکر کی تعداد ۱۴۵ اور کم از کم ۷۲ تھی۔ بیالیس پیادے اور تیس سوار۔ میمنہ کے سردار حبیب ابن مظاہر اور میسرہ کے زہیر ابن القین۔ ایک علم حضرت حبیب ابن مظاہر کے ہاتھوں میں تھا۔ اور رایت سب سے بڑا علم حضرت ابو الفضل العباس علیہ السلام کے قبضے میں تھا۔ صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

(الارشاد العزا ترجمہ المواعظ والبکا ص ۱۹۷)

علمدار لشکر:

مؤرخین کا اتفاق ہے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس کو علمدار لشکر قرار دیا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ آپ میں علمداری کی پوری پوری صلاحیت موجود تھی۔ کیونکہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ "لا تجعلوھا الا بایدی شجعانکم" علم لشکر صرف ان لوگوں کو دو جن کی شجاعت مانی ہوئی ہو ...... "واسی اخاہ بنفسہ" اور جو اپنے بھائی پر اپنی جان قربان کرنے کی ہمت رکھتے ہوں۔ (نہج البلاغۃ ص ۲۵۶ طبع مصر) اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ آپ کی شجاعت مانی ہوئی تھی۔ اور آپ میں وفاداری کا پورا پورا جذبہ تھا۔ اسی لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی شجاعت کی بشارت دی تھی۔ (ماتین)

انتخاب علمداری کے بعد

علمداری کا انتخاب ہو چکا ہے۔ حضرت عباس اس عہدہ جلیلہ پر فائز ہو چکے ہیں۔ اب حضرت زہیر بن القین، جناب عبداللہ بن جعفر بن عقیل کے پاس جاتے ہیں۔ جن کے دستِ مبارک میں علم تھا۔ جا کر کہا۔ "یا اخی نا ولنی الوایۃ" بھائی، ذرا علم مجھے تو دو۔

(کبریت احمر ص ۴۷)

انہوں نے علم حسینی حضرت زہیر کے ہاتھوں میں دے دیا۔ وہ اسے لئے ہوئے حضرت عباس علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا۔ اے میرے سرکار امام حسین کے قوت بازو "یہ علم لو" حضرت عباس علیہ السلام نے ہاتھ بڑھایا۔ اور حسینی عطیہ کو لے کر آنکھوں سے لگایا۔ بوسہ دیا

منصب جو ملا حیدر و جعفر کو نبی سے ان کو وہ ملا آج حسین ابن علی سے

زہیر قین نے کہا۔ اگر آپ اجازت دیں تو آج وہ بات کہہ ڈالوں۔ جو عرصہ سے تمنا کی صورت چھپائے ہوئے ہوں۔ عباس علیہ السلام نے فرمایا۔

حدث ولا حرج علیك فانما تروی لنا متواتر الاسناد

ہاں ہاں کہو۔ کوئی حرج نہیں۔ تم جو کچھ کہو گے۔ وہ "متواتر الاسناد" روایت کی حیثیت رکھتا ہوگا۔

فقال له اعلم یا ابا الفضل ان ایاك امیر المومنین علیه السلام لما اراد ان یتزوج بامك ام البنین بعث الی اخیه عقیل و کان عارفا بالنساب العرب فقال علیه السلام یا اخی ارید منك ان تخطب لی امرأة من ذوی البیوت والحسب والنسب والشجاعة لکی اصیب منها ولدا یکون شجاعا وعضدا ینصر ولدی هذا واشر الی الحسین علیه السلام لیواسیه فی

زہیر نے کہا۔ تمہیں معلوم ہو اے ابو الفضل کہ تمہارے باپ حضرت علی علیہ السلام نے جب ارادہ کیا کہ تمہاری ماں جناب ام البنین سے عقد کریں۔ تو اپنے بھائی جناب عقیل سے جو انساب عرب سے واقف تھے۔ فرمایا۔ اے بھائی! میں تم سے یہ چاہتا ہوں، کہ تم میرے لئے کوئی ایسی عورت تجویز کرو۔ جو بڑے خاندان، اچھے حسب و نسب والی اور بہادر گھرانے کی ہو۔ تا کہ اس سے کوئی ایسا لڑکا پیدا ہو جو نہایت بہادر اور مضبوط ہو اور میرے اس حسین کا قوت بازو بن کر کربلا کے میدان میں مددگار ہو۔ اے

طف کربلا و قد ادخرك ابوك لمثل هذا اليوم فلا تقصر عن حلائل اخيك و عن اخواتك. عباس تمہارے باپ نے تم کو آج ہی کے دن کے لئے ذخیرہ کیا تھا۔ دیکھو آج اپنے بھائی بہنوں کی مدد میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرنا۔

یہ سننا تھا کہ حضرت عباس علیہ السلام جوش شجاعت سے کانپنے لگے۔ روای کہتا ہے۔ ”فارتعد العباس و تمطی فی رکابه حتی قطعه“ کہ یہ سن کر عباس اٹھے اور ایک ایسی شجاعانہ انگڑائی لی کہ رکاب ٹوٹ گئی۔ اور فرمایا۔ ”یا زهیر تشجعنی فی مثل هذا الیوم“ اے زہیر تم آج جیسے دن مجھے شجاعت دلاتے ہو۔ ”واللہ لا رینك مارأیته قط“ اللہ تعالیٰ کی قسم آج ایسا جوہر شجاعت دکھاؤں گا۔ کہ تم نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔

(اسرار الشہادت ص ۳۱۹ طبع ایران ۱۲۷۹ھ)

بعض ارباب مقاتل کہتے ہیں۔ کہ اس کے بعد گھوڑے کو ایڑ دی۔ وہ ہوا ہوا میدان میں گئے۔ اور دس ہزار کے لشکر پر حملہ کیا۔ پہلے حملہ میں سو آدمیوں کو موت کی نیند سلا کر واپس آئے۔

(کبریت احمر ص ۲۷)

حضرت عباس کو کنوآں کھودنے کا حکم

دشمن مخالف کی طرف سے جنگ کا بگل بج رہا ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی نظروں کے سامنے اب جنگ کے نقشے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے یہ خیال فرمایا۔ کہ بچوں پر پیاس کا سخت غلبہ ہے۔ اب جنگ چھڑا چاہتی ہے۔ جنگ چھڑ جانے کے بعد ہم لوگوں کے تمامتر رجحانات دشمنوں سے حفاظت کی طرف ہوں گے۔ کہیں بچوں کی پیاس بجھانے کی سبیل پیدا کرنے کی جانب سے غفلت نہ ہو جائے۔ لہٰذا پانی کی سبیل کے امکانات کی فکر کر لینی چاہئے۔ یہی کچھ سوچ کر آپ نے پھر اپنے بہادر بھائی کو آواز دی۔ آپ حاضر خدمت ہوئے۔ فرمایا۔ بھائی پیاسوں کی پیاس بجھانے کی ایک دفعہ اور کوئی سبیل نکالو۔ حضرت عباس نے عرض کی۔ جو حکم ہو، ارشاد ہوا۔ کنواں کھودو۔ شاید پانی برآمد ہو۔ حضرت عباس نے اور نوجوانان بنی ہاشم کو ساتھ لے کر کنواں کھودنا شروع کیا۔ لیکن پانی برآمد نہ ہوا۔ اس حکم حسینی کے متعلق مورخین کے عیون الفاظ یہ ہیں:

فدعا اخیه العباس علیه السلام فقال له اجمع اهل بیتك واحفر وابئراً ففعلوا ذالك فطمو هاثم پھر آپ نے بھائی حضرت عباس علیہ السلام کو بلایا اور فرمایا کہ اپنے عزیزوں کو جمع کر کے کنواں کھودو انہوں نے کنواں کھودا لیکن بند کر

حفروا بئراً اخریٰ فطموها — دیا۔ پھر کئی کنوئیں کھودے لیکن سب بند کر
فتزایدالعطش(دمعه ساکبه ص۳۲۹ — دیے گئے۔ اس محنت و مشقت سے پیاس کا
حالات صبح عاشور) — غلبہ اور بڑھ گیا۔

بعض کتابوں میں ہے۔ حضرت عباس نے جب پانچواں کنواں کھودا۔"فاذ ابلغ الماء جاء ت سکینة و معها الر کوة"جب پانی برآمد ہوا۔ تو سکینہ کوزہ لئے ہوئے بے تاب کنوئیں پر آ پہنچیں۔"فقالت یا سناه استقی شربة من الماء فقد نشفت کبدی من شدة الظماء" اور کہنے لگیں اے چچا جان مجھے ایک جام آب دے دیجئے۔ کیونکہ میرا دل پیاس سے جل گیا ہے۔"فبکی العباس بکاء شدیدا وملاء الر کوة" یہ سن کر حضرت عباس بہت روئے اور کوزہ پانی سے بھر دیا۔"فلما همت ان تشربه جاء القوم ففرت و هی تبکی" جونہی سکینہ نے چاہا۔ کہ پانی پئیں۔ کہ ناگاہ دشمن نیزہ و تلوار لئے ہوئے آ پہنچے۔ تاکہ پانی نہ پینے دیں۔ اور کنوئیں کو بند کر دیں۔ سکینہ یہ حال دیکھ کر روتی ہوئی بھاگی۔"فزل رجلها فی الطناب فانکبت و قالت یا عمتاه تری هذا الحال" اور طناب خیمہ میں الجھ کر منہ کے بل گر پڑیں اور مایوس ہو کر اپنی پھوپھی جناب زینب سے کہا۔ پھوپھی اماں۔ آپ نے یہ ماجرا دیکھا۔ کہ پانی ہاتھ میں آ کر جاتا رہا۔ ان ظالموں نے وہ کنواں بھی بند کر دیا۔ اس وقت امام حسین پر نہایت ہی غم و الم طاری ہو گیا۔ حضرت عباس امام حسین کی خدمت میں حاضر ہو کر اذن جہاد مانگنے لگے۔ (توضیح عزا ص۲۴۳ طبع لکھنؤ)

لشکر عمر بن سعد کی حرکت

طلوع آفتاب کے بعد دونوں طرف انتظامات درست کئے جا رہے ہیں کہ دن چڑھ گیا اور ناشتہ پانی سے فراغت کے بعد بقول عبدالحمید ایڈیٹر رسالہ "مولوی" دہلی ٹھیک دس بجے لشکر والوں کو عمر بن سعد کا فوری حکم ملتا ہے۔ کہ حسین کو قتل کرنے کے لئے آگے بڑھو۔ ٹڈی دل فوج نے حرکت کی۔ اور تین دن کے بھوکے پیاسے تھوڑے سے مسافروں کو قتل کرنے دشمنانِ اسلام آگے بڑھے۔ (کتاب شہید اعظم عبدالحمید ص۱۶۶ طبع دہلی) حضرت امام حسین علیہ السلام اس وقت خیمہ میں تھے۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلاح جنگ طلب فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہ زیب تن کی۔ عمامہ "سحاب" سر پر رکھا۔ تلوار حمائل فرمائی۔ اور نیزہ بدست باہر نکل پڑے۔ اور اپنے اصحاب باوفا کو مخاطب کر کے فرمایا۔ میرے جانبازو۔ آج علی

ابن حسین کے علاوہ ہم سب کو قتل ہو جانا ہے۔ لہذا بڑے صبر' استقلال' ہمت' بہادری سے جان دینی چاہیئے۔ (ناسخ التواریخ ج ٦ ص ۲۴۸)

ابھی آپ اپنے اصحاب کو پوری جوانمردی سے مرنے کی تلقین فرما رہے تھے۔ کہ دشمن آ پہنچے۔ اور خیموں کو اپنے حلقے میں لے لیا۔ خندق کے گرداگرد آگ کو بھڑکتے دیکھ کر شمر بولا۔ "**یا حسین اتعجلت بالنار قبل یوم القیامة**" حسین کیا تم نے قیامت سے پہلے ہی آگ میں اپنے کو پہنچا دیا۔ حضرت نے فرمایا۔ اے چرواہے کے بیٹے' آگ کا تو حقدار ہے۔ اور انشاءاللہ جہنم کا ایندھن بن کے رہے گا۔ اس کے بعد حضرت مسلم بن عوسجہ نے حضرت کی خدمت میں دست بستہ عرض کی۔ مولا۔ اجازت دیجئے۔ کہ اس دشمن خدا کو تیر سے ہلاک کر دوں حضرت نے فرمایا۔ اے میرے بہادر مسلم' جانے بھی دو۔ میں ابتدائے جنگ نہیں کر سکتا۔

عمر بن سعد کا لشکر آپ کے خیموں کے قریب ہے۔ آپ چند اصحاب کو لئے ہوئے آگے بڑھے۔ جناب بریر بن خضیر سے فرمایا۔ کہ ذرا ان بدبختوں کو پھر سمجھاؤ۔ شاید ان کی سمجھ میں آ جائے۔ اور اس جنگ سے باز آئیں۔ جناب بریرؓ آگے بڑھے۔ اور اچھی طرح فہمائش کی۔ اور یہ بھی کہا کہ اے دشمنو! یہ بھی تو سوچو۔ کہ تم ہی نے یہاں بلایا ہے۔ مگر کسی پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اور جواب یہی ملا۔ کہ ہم کچھ نہیں جانتے۔ اگر حسین بیعت نہیں کرتے۔ تو ہم قتل کئے بغیر نہ چھوڑیں گے۔

بریر واپس آئے اور حضرت سے واقعہ بیان کیا۔ حضرت خود آگے بڑھے اور فرمایا سنو۔ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ' علی و فاطمہ کا بیٹا ہوں' حضرت حمزہؑ' حضرت جعفر طیار میرے چچا تھے۔ میرے ہی لئے "سیّدا شباب اہل الجنۃ" کہا گیا ہے۔ اگر تمہیں یقین نہ آئے۔ تو جابرؓ' ابوسعید' سہل' زید بن ارقمؓ' انس جیسے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھ لو۔ (دمعہ ساکبہ ص ۳۲۷) ارے مجھے یہ تو بتاؤ۔ کہ تم مجھے کیوں قتل کر رہے ہو۔ کیا میں نے کوئی سنت بدل دی ہے۔ کوئی شریعت کا حکم بدل دیا۔ تمہارا کوئی حق غصب کر لیا ہے۔ آخر میں نے کیا کیا ہے اس کا جواب شمر نے یہ دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہم سنتے ہی نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ (دمعہ ساکبہ ص ۳۲۷) "**فقالوا له انا نقتلك بغضا لا بيك**" اور ایک جماعت نے کہا۔ ہم تو تمہیں تمہارے باپ علی کی دشمنی میں قتل کر رہے ہیں (ینابیع المودہ ص ۳۴٦) آپ کو ایسے مہمل جواب ملے۔ مگر آپ نے سمجھانے بجھانے میں کمی نہیں کی پھر آپ نے ایک بلند قد شتر طلب فرمایا۔ اور اس پر سوار ہو کر مسلم نما کافروں کے سامنے تشریف لائے۔ اور قرآن مجید کو کھول کر ان سے کہا۔ یہ قرآن مجید ہمارے تمہارے درمیان ہے۔

تم سوچو کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے۔ غرضکہ حضرت نے بڑی کوشش کی کہ خون نہ بہایا جائے۔ لیکن دشمنوں نے ایک نہ سنی (ناسخ ج۶ ص ۲۵۰) جب آپ کو قطعی طور پر معلوم ہوگیا۔ کہ دشمنانِ اسلام اپنے ارادے سے باز نہیں آئیں گے۔ تو آپ نے بارگاہِ خداوندی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

مالک ٔ ہر مصیبت اور بلا اور ہر شدت و اضطراب میں تو ہی میرے دل کی تمام امیدوں کا مرکز ہے۔ اور تو ہی ہر جان کا ہی میں میرا ملجا اور ماویٰ ہے۔ بے شک تیری ہی دمسازی پر مجھے اعتماد اور کارسازی پر بھروسہ ہے۔ مالک بہت سی ایسی مصیبتیں اور بے چینیاں ہیں۔ جن سے دل ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور راہِ چارہ بند ہو جاتی ہے۔ دوست کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ دشمن طعنہ زنی کرنے لگتے ہیں۔ (مالکٔ جب ایسی بلا مجھ پر آئی) تو میں نے اپنی حاجت صرف تیرے سامنے پیش کی۔ اور تنہا تجھی سے رازِ دل کہا۔ اور اکیلے تجھ ہی سے شکایت کی۔ تو تو نے اس آئی ہوئی بلا کو میرے سر سے ٹال دیا۔ اور مصیبت آفرین جال کے بند کو توڑ دیا۔ خدایا تو ہی ہر نعمت کا ولی اور ہر اچھائی کا مالک اور تمناؤ رغبت اور مقصد کو ملجا ہے۔

(ناسخ التواریخ ج۶ ص ۲۴۸۔ ارشاد مفید' تاریخ کامل و تاریخ طبری)

بریر ابن خضیر آگے بڑھے۔ اور عرض کی۔ مولا مجھے اجازت ہو۔ کہ میں اس قوم نابکار سے کچھ کہوں۔ حضرت نے اجازت دی۔ اور وہ آگے بڑھ کر نصیحت کرنے لگے۔ مگر اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کتاب دمعہ ساکبہ کے ص ۳۲۸ میں ہے۔ کہ جب دشمن کی فہمائش کارگر نہ ہوئی۔ تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا" خدایا انہیں قحط میں مبتلا کر اور ان کے لئے وہ ایام لا۔ جو عہد یوسف کا مزہ چکھادیں۔ "**وسلط علیھم غلام ثقیف**" اور ان پر بنی ثقیف میں سے ایک ایسے شخص کو مسلط کر جو انہیں نہایت تلخ جام سے سیراب کرے اور کسی کو قتل کئے بغیر نہ چھوڑے اور ہر ایک سے پورا پورا بدلہ لے۔

تاریخ احمدی ص ۲۶۶ میں بحوالہ تاریخ طبری مرقوم ہے۔ کہ جب عاشور محرم روز شنبہ یا جمعہ کو عمر بن سعد نماز صبح کے بعد مع اپنے لشکر کے سوار ہوا۔ تو امام حسین علیہ السلام بھی اپنے اصحاب کے ساتھ نماز ادا کر کے آمادہ جنگ ہوئے۔ امام حسین علیہ کے لشکر میں صرف بتیس سوار اور چالیس پیادے تھے۔ آپ نے زہیر بن القین کو میمنہ فوج پر اور حبیب ابن مظاہر کو میسرہ لشکر پر مقرر کیا۔ اور علم لشکر اپنے بھائی حضرت عباس علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ نیز حکم دیا کہ قیام گاہ کے پیچھے جو خندق پر از چوب و نے تیار کی گئی ہے اس میں آگ جلادی جائے۔ تا کہ دشمن خیمہ گاہ کی طرف حملہ نہ کر سکیں۔ بعد ازآں امام حسین علیہ السلام مرکب پر سوار ہوئے۔ اور قرآن مجید منگا کر انہوں نے

اپنے سامنے رکھا۔ مورخ ابن اثیر تاریخ کامل میں لکھتا ہے کہ لشکر مخالف قریب آ گیا۔ تو امام حسین علیہ السلام سوار ہو کر صفِ اعدا کے مقابل آئے۔ اور انہوں نے بآواز بلند بطور خطبہ ارشاد فرمایا۔ کہ "ایھا الناس" میری بات سنو۔ اور میرے قتل میں جلدی نہ کرو۔ تاوقتیکہ جو حق نصیحت مجھ پر واجب ہے۔ اس کو ادا نہ کر دوں۔ اور یہاں آنے کے وجوہ تم سے بیان نہ کروں۔ اگر تم نے میرا عذر قبول کیا۔ اور میرے قول کی تصدیق کر کے داد انصاف دی۔ تو سعادت اندوز ہو گے۔ اور مجھ پر ظلم کرنے کے مرتکب نہ ہو گے۔ اور اگر تم میری نصیحت قبول نہ کرو۔ اور انصاف سے کام نہ لو۔ تو (بقول خدائے بزرگ) اپنے شرکاء کو جمع کر کے اپنے کام کو انجام دو۔ تاکہ تم پر تمہارے کام کی حقیقت پوشیدہ نہ رہ جائے۔ بعدازاں جو برتاؤ میرے ساتھ کرنا ہو۔ کرو اور مجھے مہلت نہ دو۔ میرا ولی وہی اللہ تعالیٰ ہے۔ جس نے قرآن مجید کو نازل فرمایا اور جو صالحین کو دوست رکھتا ہے۔

خیمہ حرم میں کہرام اور حضرت عباس کا فہمائش کے لیے جانا:

ہنوز امام حسین نے اسی قدر ارشاد فرمایا تھا کہ خیمہ اقدس میں کہرام مچ گیا۔ اور امام حسین علیہ السلام کے اس کلام کو سن کر ان کی بہنوں نے ایسا نوحہ جگر خراش کیا۔ کہ امام حسین نے بے تاب ہو کر عباس علمدار اور حضرت علی اکبر سے فرمایا۔ کہ خیمہ میں جا کر عورتوں کو سمجھاؤ اور رونے سے منع کرو۔ تاریخ مذکور و تاریخ طبری میں ہے۔ کہ جب وہ مخدرات خاموش ہوئیں تو بار دگر امام حسین علیہ السلام نے تقریر شروع فرمائی۔ اور حمد و ثنائے الٰہی اس طرح ادا کی جو اس کی شانِ عظیم کے شایاں ہے۔ پھر حضرت خاتم النبیینؐ اور ملائکہ مقربین اور انبیائے مرسلین کے محامد بیان کر کے ان پر درود نامحدود بھیجا۔ اور حمد و نعت کے ذکر میں وہ وہ معارف و نکات بیان فرمائے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اور جن کا انحصار خارج از امکان ہے۔ چنانچہ راوی حدیث کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے حسین سے پہلے یا ان کے بعد کسی خطیب اور متکلم کو ایسی تقریر کرتے ہوئے نہیں سنا۔ جو حسین کی تقریر سے زیادہ فصیح و بلیغ ہو۔ الغرض امام حسین علیہ السلام نے بعد حمد و نعت فرمایا۔ کہ اے گروہ مخالف' تم لوگ میرے نسب پر لحاظ کرو۔ اور دیکھو کہ میں کون ہوں؟ جو سب سے پہلے تمہارے نبی پر ایمان لایا۔ اور جس نے سب سے پہلے دعوت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور احکام خداوندی کی تصدیق کی۔ کیا حضرت حمزہ سیّد الشہداء میرے باپ کے چچا نہیں ہیں۔ کیا حضرت جعفر طیار میرے چچا نہیں ہیں۔ اور کیا میرے اور میرے بھائی کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد نہیں کیا۔ کہ یہ دونوں جوانانِ اہل جنت کے سردار ہیں؟ سنو اگر تم میری بات کی تصدیق کرتے ہو تو خیر' ورنہ تم میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ جن سے تم میرے قول کی تصدیق کر سکتے ہو۔ دیکھو۔ تم میں جابر

بن عبداللہ انصاری، ابوسعید خدری، سہل ابن اسعد، زید ابن ارقم، انس بن مالک موجود ہیں۔ ان سے پوچھو۔ وہ بیان کریں گے کہ انہوں نے اس حدیث کو میرے اور میرے بھائی کے حق میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے سنا ہے۔ اور تاریخ کامل میں ہے۔ کہ پھر امام حسین علیہ السلام نے گروہ ابن سعد کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ "ایھا الناس" اگر تم کو میرے قول کی صداقت میں نیز اس بات میں کہ میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر کا فرزند ہوں۔ شک ہو۔ تو میں اللہ تعالیٰ عزوجل کی قسم کھاتا ہوں کہ مشرق ومغرب تک میرے سوا کوئی دوسرا شخص تمہارے نبی کی دختر کا فرزند نہیں ہے۔ اے گروہ اشقیاء تم کیوں میرے قتل کے درپے ہو۔ کیا میں نے تم میں سے کسی شخص کو قتل کیا۔ یا تمہارا کوئی مال ضائع کیا ہے۔ یا کسی کو زخمی کیا ہے۔ جس کا عوض مجھ سے لینا چاہتے ہو۔ (راوی کہتا ہے کہ) امام حسین کی اس تقریر کو سن کر سب خاموش رہے۔ کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور تاریخ طبری میں ہے۔ کہ جب امام حسین علیہ السلام نے گروہ اعدا کی انتہائی شقاوت و قسادت دیکھی۔ تو قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔ "انی عذت بربی و ربکم من کل متکبر لا یؤمن بیوم الحساب" یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ ایسے متکبر سے جو روز قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اور تاریخ کامل میں ہے۔ کہ پھر زہیر القین اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ہتھیار لگائے ہوئے صف لشکر سے آگے بڑھے۔ اور انہوں نے گروہ مخالف کی جانب مخاطب ہو کر کہا۔ کہ اے اہل کوفہ ہر مسلمان کو حق حاصل ہے کہ دوسرے مسلمان کو نصیحت کرے۔ ہم اور تم ایک دین پر ہونے کی وجہ سے اس وقت تک بھائی بھائی ہیں۔ جب تک کہ ہم میں اور تم میں تلوار نہ چلے۔ ورنہ پھر ہمارا گروہ جدا ہے اور تمہارا جدا۔ سنو۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری آزمائش اپنے نبی کی ذریت کے ساتھ کرنا چاہتا ہے تاکہ اس بات پر نظر کرے کہ ہم اور تم کیا طرز عمل اختیار کرتے ہیں۔ پس میں تم کو ذریت نبی کی نصرت پر آمادہ کرتا ہوں۔ اور نیز اس بات پر عبیداللہ بن زیاد طاغی کو چھوڑ دو۔ کیونکہ تم کو اس سے اور ابن سعد سے برائی کے سوا بھلائی حاصل نہیں ہوسکتی۔ وہ دونوں ایسے ہیں۔ کہ تمہارے دست وپا کاٹ ڈالیں گے۔ تم کو مثلہ کریں گے۔ تمہیں سولی دیں گے اور تم کو اسی طرح قتل کریں گے۔ جس طرح انہوں نے حجر بن عدی اور ہانی بن عروہ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا۔ یہ سن کر ابن سعد کے لشکریوں نے زہیر ابن القین کو کلمات ناشائستہ کہے۔ اور ابن زیاد کی مدح وثنا کر کے کہا کہ "واللہ" جب تک ہم تمہارے آقا اور ان کے ساتھیوں کو قتل نہ کریں گے۔ دم نہ لیں گے۔ زہیر ابن القین نے کہا کہ اے بندگانِ خدا دیکھو فرزند فاطمہ بہ نسبت ابن سمیہ کے نصرت اور وفاداری کا زیادہ مستحق ہے۔ لیکن اگر تم اس کی مدد نہیں کرتے۔ تو اس کے قتل ہی سے باز رہو۔ اور خدائے منتقم

سے ڈرو۔ شمر نے جناب زہیر ابن القین کو تیر مار کر کہا۔ کہ چپ رہ۔ تاریخ طبری میں ہے۔ کہ زہیر ابن القین نے شمر کو جواب دیا۔ کہ اے پسرِ بوال' تو نرا جانور معلوم ہوتا ہے۔ تجھے رسوائی روز قیامت اور عذاب الیم کی بشارت ہو۔ شمر بولا کہ گھڑی' ساعت میں تو بھی قتل ہوا چاہتا ہے۔ اور تیرا آقا بھی۔ زہیر ابن القین نے کہا کہ اے (احمق) تو مجھے موت سے ڈراتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ہم کو حسین کی رفاقت میں مرنا تم لوگوں کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہنے سے زیادہ محبوب ہے۔

جناب حر کی آمد:

مؤرخ ابن جریر طبری لکھتا ہے۔ کہ امام حسین علیہ السلام کے خطبے کا اثر حر ابن یزید ریاحی کے دل سعادت منزل پر ایسا ہوا۔ کہ وہ گھوڑا بڑھا کر عمر بن سعد کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو صلاحیت عطا کرے۔ کیا تو حسین سے ضرور قتال کرے گا۔ عمر بن سعد نے کہا کہ ہاں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم۔ ایسا قتال کروں گا۔ کہ ان کے تن بے سر و بے دست د پا ہو جائیں گے۔ حر نے کہا کہ کیا جو باتیں حسین نے اپنی تقریر میں تمہارے سامنے پیش کی ہیں۔ ان میں سے ایک بھی قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ ابن سعد بولا۔ کہ اگر حکومت میرے ہاتھ میں ہوتی۔ تو میں ضرور ان باتوں پر نظر کرتا۔ لیکن ابن زیاد کے حکم کو کیا کروں۔ (تاریخ کامل) میں ہے۔ کہ ابن سعد کا جواب سن کر ''حر'' آہستہ آہستہ امام حسین کی جانب بڑھا۔ مگر اس وقت اس کا بدن کانپ رہا تھا۔ حر کے بدن میں رعشہ دیکھ کر ابن سعد کے لشکر کا ایک شخص مہاجر ابن اوس بولا۔ واللہ تیری موجودہ حالت مجھے شک میں ڈالتی ہے کیونکہ جو کیفیت اس وقت تیری دیکھ رہا ہوں۔ وہ میں نے کسی معرکہ میں نہیں دیکھی۔ اگر مجھ سے پوچھا جاتا۔ کہ کوفہ میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے۔ تو میں تیرا نام لیتا۔ حر نے کہا واللہ میں اس وقت اپنے نفس کو اس امر میں مخیر پاتا ہوں کہ چاہوں جنت کو اختیار کروں۔ چاہوں دوزخ کو۔ لیکن میں جنت ہی کو اختیار کروں گا۔ چاہے میرا جسم ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا دیا جائے۔ یہ کہہ کر حر نے اپنے گھوڑے کو چابک لگایا۔ اور امام حسین کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے۔ اے ابن رسول اللہ! میں وہی شخص ہوں جس نے آپ کو راہ سے واپس جانے نہ دیا۔ اور مجبور کر کے اپنے ساتھ یہاں لایا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم میں نہ جانتا تھا۔ کہ یہ لوگ کسی طرح آپ کی نصیحت سے متاثر نہ ہوں گے۔ اور آپ کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں گے۔ اب میں تائب ہو کر آپ کے پاس اس لئے حاضر ہوا ہوں۔ کہ مرتے دم تک آپ کا ساتھ دوں۔ اور آپ کے قدموں پر اپنی جان نثار کروں۔ کیا میری توبہ قبول ہو جائے گی؟ امام حسین نے فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ تیری توبہ قبول کرے گا۔ اور تیری مغفرت فرمائیں گا۔ روضۃ الاحباب

میں ہے۔ کہ جب حر حضرت امام حسین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو گھوڑے سے اتر پڑا۔ اور امام حسین کی رکاب کو بوسہ دے کر عرض کرنے لگا۔ کہ اے فرزند رسولؐ مجھے گمان نہ تھا۔ کہ یہ لوگ آپ کے قتل کے درپے ہو جائیں گے۔ بلکہ میں سمجھتا تھا۔ کہ بالآخر آپ سے مصالحت کر لیں گے۔ لیکن اب ان کا ظلم و تمرد دیکھ کر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ کیا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے گا؟ امام حسین نے ہاتھ بڑھا کر حر کے چہرہ پر پھیرا۔ کہ اے حرؑ بندہ ناچیز اللہ تعالیٰ کا کیسا بھی گناہ کرے۔ لیکن جب توبہ و استغفار کرتا ہے تو خداوند کریم اس کے گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔ چنانچہ اس نے قرآن مجید میں ارشاد کیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ ایسا کریم ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے" اے حر۔ اس سے پہلے جو فرو گزاشت تجھ سے ہوئی۔ میں نے اسے معاف کیا۔ اب تو مردانہ وار جنگ کے لئے آمادہ ہو۔ اور اس دن کو روز بازار سعادت اور اس میدان کو جلوہ گاہ اصل شہادت یقین کر۔ تاریخ طبری میں ہے۔ کہ امام حسین نے حر سے یہ بھی فرمایا۔ کہ اے حر۔ تیری ماں نے تیرا نام بہت ٹھیک رکھا ہے۔ انشاء اللہ تو دنیا میں بھی حر ہے اور آخرت میں بھی آزاد رہے گا۔ حمید ابن مسلم سے روایت ہے۔ کہ اتنے میں عمر بن سعد نے لشکر امام حسین کے روبرو آکر اپنے نشان بردار کو آواز دی۔ کہ نشان یہاں لا۔ جب وہ نشان لایا تو عمر بن سعد نے ایک تیر اپنی کمان میں رکھ کر چلایا۔ اور اپنی جماعت سے کہا کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں پہلا وہ شخص ہوں۔ جس نے لشکر حسین پر تیر اندازی کی۔ تاریخ کامل میں ہے۔ کہ اس کے بعد عمر بن سعد کے لشکر والوں نے تیر چلانا شروع کیا۔ دمعہ ساکبہ ص ۳۳۰ میں ہے۔ کہ امام حسین کی تقریر کے بعد حر آہستہ آہستہ امام حسین کی طرف چلا۔ اور چلتے وقت اس نے اپنے چچازاد بھائی قرہ اور اپنے بیٹے سے ذکر کیا۔ قرہ نے کہا "مالی بذالك حاجة" میں نہیں جاتا۔ اور بیٹے نے کہا۔ "حبا و كرامة" بابا جان میں ساتھ چلتا ہوں۔ حرؑ امام حسین کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ میں آپ سے پہلا خارج تھا۔ اب اجازت دیجئے تا کہ پہلا قتیل قرار پاؤں۔ علامہ مجلسی کا بیان ہے کہ اوّل قتیل اس لئے کہا کہ مبارزت کے بعد پہلا قتیل ہونا مقصود تھا۔ ورنہ جنگ مغلوبہ میں کئی اصحاب ان سے پہلے شہید ہو چکے تھے۔ غرض کہ وہ جنگ کے لئے پھر آمادہ ہو گئے۔ روضۃ الاحباب میں ہے۔ کہ عمر بن سعد نے حر کو میدان جنگ میں دیکھ کر صفوان بن حنظلہ سے کہا کہ جا کر حر کو نصیحت کر اور میرے پاس واپس لا۔ اور اگر نہ آئے تو تلوار سے اس کا سر کاٹ لے۔ صفوان نے حر کے پاس آکر کہا کہ اے حر تو نے مرد عاقل ہو کر خلیفہ یزید سے کیوں روگردانی کی؟ حر نے جواب دیا۔ کہ اے صفوان مجھے تعجب ہے۔ کہ تو خود خلاف عقل یہ بات کہتا ہے کیا تو نہیں جانتا۔ کہ یزید ناپاک اور فاسق ہے۔

اور امام حسین پاک اور پاکیزہ نناد ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنا ریحان فرمایا ہے۔ صفوان بولا کہ اے حر میں سب جانتا ہوں۔ مگر جاہ و دولت تو یزید ہی کے ساتھ ہے اور میں مرد سپاہی ہوں۔ مجھ کو جاہ و منصب ہی چاہیئے۔ حر نے کہا کہ اے صفوان کیا تو حق کو جان بوجھ کر چھپاتا ہے۔ صفوان نے غضب میں آ کر حر کو نیزہ مارا۔ حر نے اس کے وار کو رد کر کے اسی گرمی میں ایسا نیزہ لگایا۔ کہ اس کی انی صفوان کی پیٹھ سے نکل گئی۔ بعدہ حر نے لشکر دشمن سے یہاں تک قتال کیا۔ کہ نیزہ ٹوٹ گیا۔ اور جب نیزہ ٹوٹ گیا۔ تو تلوار میان سے نکال کر ایسی شمشیر زنی کی۔ کہ کسی کو سر سے سینے تک کاٹا اور کسی کو کمر کے پاس سے دو ٹکڑے کیا۔ یہ دیکھ کر شمر نے لشکر کو آواز دی۔ کہ سب مل کر حر کو گھیر لیں۔ چنانچہ عمر بن سعد کے لشکر نے حر کو گھیر کر چاروں طرف سے تیر و شمشیر کا مینہ برسانا شروع کیا۔ ناگاہ قصور ابن کنانہ ملعون نے ایسا نیزہ حر کے سینے پر مارا۔ کہ وہ مہلک زخم کھا کر گھوڑے سے گر پڑے۔ اور پکارا کہ یا بن رسول اللہ! اس جاں نثار کی خبر لیجیے۔ امام حسین گھوڑے پر میدان جنگ میں جا کر حر کو اٹھا لائے۔ اور اس کا سر اپنے زانو پر رکھ کر آستین سے اس کے چہرے کی گرد صاف کرنے لگے۔ حر میں تھوڑی سی جان باقی تھی۔ اس نے اپنا سر امام حسین کے زانو پر دیکھ کر تبسم کیا اور کہا۔ یا بن رسول اللہ! آپ مجھ سے راضی ہیں۔ امام حسین نے فرمایا۔ میں بھی راضی ہوں اور میرا اللہ تعالیٰ بھی۔ حر یہ بشارت سن کر خوش ہو گئے۔ اور راہی خلد بریں ہوئے۔ چھنومل دہلوی لکھتے ہیں

خطا بھی بخش دی جنت بھی آخر مل گئی حر کو — مقدر کے دھنی اللہ اکبر ایسے ہوتے ہیں

جناب کامل کروڑوی کہتے ہیں۔

جون سے سیکھو نمک خواری مالک کے اصول — حر سے بگڑی ہوئی قسمت کا بنانا سیکھو

علامہ شیخ مفید کتاب ارشاد میں فرماتے ہیں۔ کہ جناب حر کو ایوب ابن مسرح اور ایک کوفہ کے سپاہی نے مل کر شہید کیا ہے۔

امام حسین کی آخری نماز ظہر:

مؤرخ ابن اثیر لکھتا ہے۔ کہ اگر لشکر امام حسین کے ایک دو آدمی قتل ہوتے تھے تو قلت اصحاب کی وجہ سے ان کی جماعت میں بین کمی نمایاں ہوتی تھی۔ اور اگر لشکر عمر بن سعد کے چند آدمی مارے جاتے تھے۔ تو بوجہ کثرت فوج اس کے گروہ کی تعداد میں کچھ فرق نظر نہ آتا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ دوران جنگ میں نماز ظہر کا وقت آ گیا۔ تو ابو ثمامہ صائدی نے امام حسین سے کہا۔ کہ میری جان آپ کی جان پر فدا ہو۔ اگر چہ دشمن کی فوج گھیرے ہوئے ہے۔ لیکن واللہ جب تک میں زندہ ہوں۔ اشقیا آپ کو صدمہ جسمانی نہ پہنچا سکیں گے۔ اب میری استدعا ہے کہ نماز ادا کر کے اپنے

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں۔ یہ سن کر امام حسین نے سر اٹھایا اور فرمایا۔ اے ابو ثمامہ اللہ تعالیٰ تم کو مصلین ذاکرین کا درجہ عطا کرے۔ کہ تم نے نماز کا ذکر کیا ہے۔ بے شک یہ اوّل وقت نماز کا ہے۔ مخالفین سے کہو۔ کہ ہم کو نماز ادا کرنے کے لئے تھوڑی سی مہلت دے دیں۔ حصین ابن نمیر بولا۔ کہ تمہاری نماز قبول نہ ہوگی۔ حبیب ابن مظاہر نے غضب میں آ کر جواب دیا کہ اے گدھے تو گمان کرتا ہے کہ آلِ رسولؐ کی نماز قبول نہ ہوگی۔ اور تیری نماز قبول ہوگی۔ یہ دندان شکن جواب سنکر حصین ابن نمیر نے حبیب ابن مظاہر پر حملہ کیا۔ حبیب نے ابن نمیر کے گھوڑے کے منہ پر تلوار ماری۔ گھوڑا بھڑکا اور ابن نمیر گر پڑا۔ مگر اس کے ساتھیوں نے پہنچ کر اس کو بچا لیا۔ الغرض سعید اور زہیر قین امام حسین کے سامنے کھڑے ہو کر سینوں پر تیر لینے لگے۔ اور امام حسین نے نماز ادا کر لی۔ (ناسخ ج ۶ ص ۲۶۸) نماز کے بعد مخدرات عصمت نے کمال رنج و غم کے ساتھ کہلا بھیجا۔ کہ خدارا میرے بھائی کا ساتھ نہ چھوڑنا۔ ان بہادروں نے کمال خلوص کے ساتھ پھر اقرار وفاداری کیا۔ اور اس پر قائم رہے۔

سر تن سے اور تن ہوئے شمشیر سے جدا — پر دل ہوئے نہ حضرت شیر سے جدا

وہب کلبی اور حضرت عباس

کربلا کی ہولناک جنگ میں حسینی بہادر نہایت دلیری سے جان دے کر شرف شہادت حاصل کر رہے تھے یہاں تک کہ جناب وہب ابن عبداللہ ابن حباب الکلبی کی باری آئی۔ یہ حسینی بہادر پہلے نصرانی تھا۔ اور اپنی والدہ سمیت امام حسین کے ہاتھوں پر مسلمان ہوا تھا۔ آج جب کہ یہ امام حسین پر فدا ہونے کے لئے آمادہ ہو رہے ہیں۔ ان کی والدہ ہمراہ موجود ہیں۔ ماں نے دل بڑھانے کے لئے وہب سے کہا۔ بیٹا آج فرزندانِ رسولؐ پر قربان ہو کر روح رسولِ مقبول کو خوش کر دو۔ بہادر بیٹے نے کہا۔ مادرِ گرامی آپ گھبرائیں نہیں۔ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ الغرض آپ روانہ ہوئے۔ اور رجز پڑھتے ہوئے دشمنوں پر حملہ آوری کی۔ اور کمال جوش کے ساتھ جماعت کی جماعت کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد اپنی ماں اور بیوی کی طرف واپس ہو کر آئے۔ ماں سے پوچھا۔ مادرِ گرامی آپ خوش ہو گئیں۔ ماں نے کہا۔ میں تو اس وقت تک خوش نہیں ہو سکتی۔ جب تک فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تجھے خاک و خوں میں غلطاں نہ دیکھوں۔ یہ سن کر بیوی بولی۔ اے وہب مجھے کیوں اپنے بارے میں ستاتے ہو۔ اور اب کیا کرنا چاہتے ہو۔ ماں پکاری۔ "یا بنی لا تقبل قولھا. وارجع فقاتل بین ید ابن رسول اللہ" بیٹا۔ بیوی کی بات نہ مانو اور میدان قتال

میں واپس جاکر فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی جان قربان کرو۔ وہب نے جواب دیا۔ مادرِ گرامی ایسا ہی ہوگا۔ میں موقع کی نزاکت کو پہچانتا ہوں۔ مجھے امام حسین کا اضطراب اور حضرت عباس جیسے بہادر کی پریشانی دکھائی دے رہی ہے۔ بھلا کیونکر ممکن ہے۔ کہ میں ایسی حالت میں ذرا بھی کوتاہی کروں۔ اس کے بعد وہب میدان جنگ کی طرف واپس گئے۔ اور کچھ اشعار پڑھتے ہوئے حملہ آور ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ نے ۱۹ اور بقولے ۲۴ سوار اور ۱۲ پیادے قتل کئے۔ اسی دوران میں آپ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے۔ ان کی حالت دیکھ کر ان کی بیوی کو جوش آیا۔ اور وہ ایک چوب خیمہ لے کر میدان کی طرف دوڑی۔ اور اپنے شوہر کو پکار کر کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ تیری مدد کرے۔ فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جان دے دے۔ اور اس کے لئے میں بھی آمادہ ہوں۔ یہ دیکھ کر وہب اپنی بیوی کی طرف اس لئے آیا۔ کہ اسے خیمہ اہل حرم میں پہنچا دے اس مخدرہ نے اس کا دامن تھام لیا۔ اور کہا میں تیرے ساتھ موت کی آغوش میں سوؤں گی۔ پھر امام حسین نے اسے حکم دیا کہ خیمہ میں واپس چلی جائے۔ چنانچہ وہ چلی گئی۔ اس کے بعد وہب قتل کر دیا گیا۔ اور اس کی بیوی آ کر اس کے سر اور آنکھ سے خون صاف کرنے لگی۔ اتنے میں شمر کے حکم سے اس کے غلام رستم نے اس کے سر پر گرز آہنی مارا۔ اور یہ بے چاری بھی شہید ہوگئی۔ ”وھی اوّل امرأۃ قتلت فی عسکر الحسین“ یہ پہلی عورت ہے۔ جو لشکر حسین میں قتل کی گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ جب وہب زمین پر گرے۔ تو انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ اور ان کا سر کاٹ کر خیمہ حسین کی طرف پھینکا گیا۔ ماں نے سر کو اٹھایا۔ بوسے دیے اور دشمن کے لشکر کی طرف پھینک دیا۔ جس کی ضرب سے ایک شخص مر گیا۔ پھر ماں چوب خیمہ لے کر نکلی۔ اور دو دشمنوں کو قتل کر کے بحکم حسین واپس خیمہ میں چلی گئی۔

(دمعہ ساکبہ ص ۳۳۱ طبع ایران۔ تاریخ کامل ابن اثیر۔ طوفان بکاء شعلہ ۱۳ طبع ایران ۱۳۱۴ھ)

حضرت عباس جناب عمرو بن خالد صیداوی کی کمک میں

روز عاشور جب شرف شہادت حاصل کرنے کے لئے عمرو بن خالد صیداوی امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے فرمایا۔ ”تقدم فانا لا حقوق بك عن ساعة“ جاؤ ہم بھی آ رہے ہیں عمرو بن خالد روانہ ہوئے۔ ہمراہ آپ کے ہمراہ پانچ اور جانباز ہو گئے۔ میدان میں پہنچ کر ان لوگوں نے زبردست حملے کئے۔ بالآخر انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا گیا۔ حضرت امام حسین کو اطلاع ملی۔ آپ نے اپنے بہادر بھائی عباس علمدار کو حکم دیا۔ کہ وہ ابن خالد وغیرہ کی حمایت کے لئے پہنچیں۔ چنانچہ آپ تشریف لے گئے۔ اور زبردست حملے کر

کے ان سب کو چھڑا لائے۔ دشمن جوان حضرات کے قتل کی تاک میں تھے۔ پیچھے ہوئے۔ اور ایک مقام پر حملہ کیا۔ غرضکہ پھر مقابلہ ہوا۔ اور اس مقابلہ میں دشمنوں کی یلغار نے ان بہادروں کو شہید کر دیا۔ حضرت عباس نے تمام واقعات حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں بیان کر دیے۔ امام حسین نے ان شہداء کو دعائیں دیں۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۴ دمعہ ساکبہ ص ۳۳۳ الدمع الحقون ترجمہ جلاء العیون ج ۲ ص ۴۷۶ ابصار العین شیخ طاہر سماوی طبع حیدر آباد۔ قمر بنی ہاشم ص ۱۰۹ تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۵۵)

عاشور کی دوپہر کو دشمنوں کا ارادہ کہ خیموں میں آگ دے دیں اور حضرت عباس کی جانبازی

تاریخ کامل ابن اثیر میں ہے کہ عزرہ ابن قیس کی استدعا کے موافق عمر بن سعد نے حصین ابن نمیر کو مع پانچ سو تیر اندازوں کے بھیجا۔ جنہوں نے پہنچتے ہی لشکر امام حسین علیہ السلام پر تیروں کا مینہ برسانا شروع کیا۔ اور اس شدت سے تیر بارانی کی کہ تھوڑی دیر میں گھوڑوں کو بیکار کر دیا۔ اور حسینی لشکر کے کل سوار پیادہ ہو گئے اس موقع پر حر نے دشمنوں سے خوب جنگ کی۔ اور دیگر اصحاب نے بھی مخالفین سے دوپہر تک ایسا شدید مقابلہ کیا کہ جس سے زیادہ ممکن نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ دشمنوں کو یہ قدرت نہ ہوئی۔ کہ سوائے ایک سمت کے کسی اور طرف سے حملہ کر سکیں۔ اسی اثنا میں عبداللہ ابن عمیر کلبی کی بیوی عبداللہ کی لاش پر جا کر ان کے چہرے کی گرد پونچھنے لگی۔ اور کہتی جاتی تھی۔ کہ تم کو جنت مبارک ہو۔ شمر کے حکم سے اس کے ایک غلام رستم نام نے اس بے چاری کے سر پر ایسا گرز لگایا۔ کہ وہ اسی جگہ مر کر رہ گئی۔ پھر شمر نے حملہ کیا۔ اور خیام کی جانب بڑھ کر آواز دی۔ کہ میرے پاس آگ لاؤ۔ تاکہ ان خیموں کو جلا دوں۔ یہ سن کر مخدرات عصمت چلا اٹھیں اور خیموں سے باہر نکل آئیں۔ امام حسین نے شمر کو للکارا۔ کہ کیا تو میرے خیام اور اہل وعیال کو جلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تجھے نار جہنم میں جلائے۔ ابو مخنف کہتے ہیں کہ تمام کی تمام عورتیں پردوں سے باہر نکل پڑیں۔ اور پکاریں۔ اے مسلمانوں کے مجمع اور اے مومنین کے گروہ۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی طرفداری کرو۔ حرم رسولؐ اللہ کو بچا لو۔ اپنے امام اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کے فرزند سے دشمنو کو ہٹا دو۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ذریعہ سے تمہارا امتحان لے رہا ہے۔ تم ہمارے عزیز ہو۔ اور ہمارے نانا کے زیر سایہ ہمارے ہمسایہ ہو۔ ہم سے محبت کرنے والے ہو ان کا مقابلہ کرو۔ ہماری حمایت میں خدا تم کو برکت عطا فرمائے۔ اصحاب نے جس وقت یہ سنا تو چیخیں اور ڈھاڑیں مار کر رونے لگے۔

اور عرض کی۔ ہماری جانیں آپ کی جانوں پر۔ ہمارے خون آپ کے خون کے عوض اور ہماری روحیں آپ پر قربان ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم جب تک ہماری جان میں جان ہے۔ کوئی آپ کو نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ ہم نے اپنی جانیں تلواروں کے سامنے کر دیں۔ اپنے جسم پرندوں کے لئے چھوڑ دیے ہیں۔ بسا ممکن ہے۔ کہ جب ہم آپ سے پہلے اپنی جانیں جھونک دیں۔ تو آپ ان صفوں کے حملہ سے بچ جائیں گی۔ ہاں آج کے دن فقط وہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ جو نیکی کمائے اور آپ کی جانوں کو موت سے بچائے۔ (ترجمہ مقتل ابی مخنف ص ۸۵ طبع دہلی ۱۹۲۱ء)

صاحب مظلومہ کربلا لکھتے ہیں۔ کہ عاشور محرم کی دوپہر کو عمر سعد نے ایک کثیر لشکر دے کر شمر کو خیام پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ جوزنانِ بنی ہاشم نے راستے ہی میں اکثر کو فنا کر ڈالا۔ تب شمر پکار اٹھا۔ کہ آگ لاؤ۔ میں خیام کو جلا دوں۔ یہ سن کر امام حسین علیہ السلام نے ڈانٹ کر کہا۔ کہ اے دشمنانِ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم لوگ مجھ سے لڑنے کے لئے آئے ہو۔ تم کو عورتوں اور بچوں پر ظلم سے کیا غرض۔ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ قہار کا ڈر نہیں اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختار کا پاس و لحاظ نہیں۔ تو حمیت عرب کو تو ضائع و برباد نہ کرو۔ اور میری زندگی میں خیموں کو تاراج کرنے سے باز آؤ۔ اور حضرت عباس اور زہیر قین نے بڑھ کر شمر اور اس کے لشکر پر حملہ کیا۔ اور کمال جانبازی سے سب کو فنا کر ڈالا۔ شمر کے سوا کوئی بھی بچ نہ سکا۔ (تاریخ احمدی ص ۲۸۰ طبع لکھنؤ و مظلومہ کربلا ص ۷ طبع لاہور)

الغرض دشمنانِ اسلام فرزند رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام سے بدر و احد کے مقتولین کا بدلہ رہے تھے۔ اور حسین کے بہادر سپاہی آپ پر اپنی جانیں نثار کر کے شرف شہادت سے مشرف ہو کر اپنی عاقبت بنا رہے تھے۔ علامہ مجلسی بحار الانوار میں لکھتے ہیں۔ کہ جب کوئی مجاہد لڑنے کے لئے جاتا تھا۔ تو امام حسین علیہ السلام سے اجازت لیتا۔ اور ان کو سلام کر کے جاتا تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام سب کو جوابِ سلام دے کر رخصت فرماتے تھے۔ اور یہ آیت پڑھتے تھے "فمنهم من قضى نحبهٗ و منهم من ينتظر" جو جا چکے ہیں۔ شرفِ شہادت سے مشرف ہو گئے ہیں۔ اور جو منتظر ہیں وہ بھی عنقریب شہید ہوں گے۔ بہر حال کربلا کا ہر جاں باز درجہ شہادت پر فائز ہونے میں سبقت کرتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ اور جب تک اصحاب باوفا موجود رہے ہیں بنی ہاشم کو میدان میں جانے کا موقع نہیں ملا۔ اصحاب کرام کی شہادت کے بعد بنی ہاشم کی باری آئی اور ہر بہادر مرنے کے لئے بے چین نظر آ رہا تھا۔ حضرت عباس چاہتے تھے۔ کہ میں سب سے پہلے امام حسین پر قربان ہوں۔ علی اکبر کی خواہش تھی کہ میں سب سے پہلے شرف شہادت حاصل کروں۔ قاسم کی تمنا تھی کہ میں سب سے پہلے اپنے چچا پر نثار ہوں۔ عون و محمد بے چین تھے

کہ ہماری قربانی پہلے پیش ہو۔ عبداللہ ابن مسلم مضطرب تھے کہ پہلے میری قربانی پیش ہو۔ غرضکہ ہر مجاہد امام حسین پر قربان ہو کر سرخرو ہونے کے لئے بے چین تھا۔ چنانچہ یہ شرف سب سے پہلے عبداللہ ابن مسلم بن عقیل کو نصیب ہوا۔

جناب عبداللہ ابن مسلم بن عقیل کی شہادت

مؤرخین لکھتے ہیں کہ امام حسین پر قربان ہونے کے لئے جناب عبداللہ ابن مسلم بن عقیل آگے بڑھے۔ اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے اجازت نبرد لینے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ بیٹا! تمہارے باپ کی شہادت کو ابھی بہت تھوڑے دن گزرے ہیں۔ اب داغ پر داغ تم دینا چاہتے ہو۔ یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنی والدہ اور بہنوں کو لے کر کسی طرف چلے جاؤ۔ اور جام شہادت پینے سے باز آؤ۔ جناب عبداللہ نے عرض کی۔ مولا۔ یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے۔ کہ ہم اپنی ناچیز قربانی پیش کرنے سے محروم رہیں۔ اور شرف شہادت نہ حاصل کریں۔ مولا! اب تو دل بے چین ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے اجازت دیجئے۔ عبداللہ بن مسلم کے اصرار شدید پر امام حسین علیہ السلام نے آبدیدہ ہو کر سر جھکالیا۔ اور شیر بیشۂ شجاعت جناب عبداللہ ابن مسلم روانہ جنگ گاہ ہوئے۔ میدان میں پہنچ کر آپ نے یہ رجز پڑھا۔

الیوم القی مسلمًا و ھوابی	وفتیۃ بادوا علی دین النبیؐ
لیسوا بقوم عرفوا بالکذب	لکن خیارٌ و کرام النسب

من ھاشم السادات الحسب

ترجمہ: آج میں اپنے باپ مسلم بن عقیل اور ان جوانوں سے ضرور جا ملوں گا۔ جنہوں نے اپنی جانیں دین محمدیؐ پر قربان کی ہیں۔ وہ سادات بنی ہاشم کے عمدہ اور کریم النسب۔ شریف الحسب بہادر ہیں جو جھوٹ جانتے تک نہیں تھے۔ اور نہ کسی حیثیت سے جھوٹ ان کی طرف منسوب ہوسکتا تھا۔ رجز پڑھنے کے بعد آپ شیر غضبناک کی طرح لشکر مخالف پر حملہ آور ہوئے۔ اور ان کی ٹڈی دل فوج میں انتشارِ عظیم پیدا کر دیا۔ آپ نے تین حملوں میں ۹۸ دشمنوں کو فی النار کیا۔ بالآخر عمر بن صبیح الصیدادی اور اسد ابن مالک ملعون آپ کے شہید کرنے میں اس وجہ سے کامیاب ہوئے۔ کہ آپ کا دستِ مبارک آپ کی پیشانی سے وصل ہوگیا تھا۔ صاحب دمعہ ساکبہ بحوالہ ارشاد شیخ مفیدؒ رقمطراز ہیں۔ "ثم رماہ عمر بن صبیح الصیداوی بسھم فوضع عبد اللہ یدہ

علی جبهته یتقیه فاصاب السهم کفه ونفذالی جبهته فسمرهابه" پھر عمر بن صبیح صیدادی نے آپ کو ایک تیر مارا۔ آپ نے اپنے سر کی حفاظت کے لئے ہاتھ اٹھایا۔ وہ تیر اس طرح لگا کہ آپ کا ہاتھ پیشانی سے وصل ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ پھر آپ حرکت نہ کر سکے۔ اسی دوران میں ایک شخص نے آپ کے قلب مبارک پر نیزہ مارا۔ جس کے صدمہ سے آپ زمین پر آ گرے۔ (ارشاد مفید ج ۲ ص ۲۲۰ طبع ایران، بحار الانوار ج۔ اطبع ایران۔ ذخیرۃ الدارین ص ۱۵۸ جواہر الایقان ص ۱۲۶ ناسخ التواریخ ج ۶ اعلام الوریٰ ص ۱۴۶) امام خازن تحریر فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "من بلغ بسهم فله درجة في الجنة" جو تیرے لئے شہید ہوا۔ اسے جنت میں خاص درجہ دیا جائے گا۔ (لباب التاویل ج ۳ ص ۷۳ طبع مصر)

تاریخ ابن جریر طبری میں ہے۔ کہ اثنائے جنگ میں عمر بن صبیح صیدادی نے عبداللہ بن مسلم بن عقیل کو متواتر دو تیر مار کر شہید کیا۔ پھر عبداللہ بن قطبہ کے ہاتھوں سے عون بن عبداللہ بن جعفر اور عامر بن نہشل کی ضرب سے محمد بن عبداللہ ابن جعفر اور عثمان بن خالد جہنی اور شبر ابن سوط ہمدانی کے حملے سے عبدالرحمن بن عقیل شہید ہوئے۔ اور عبداللہ بن عزرا نے جعفر بن عقیل تیسرے نے شہید کیا۔

عبداللہ بن مسلم پر امام معصومؑ کا سلام:

شرح زیارت عاشور میں ہے۔ "السلام علی القتیل ابن القتیل عبد الله ابن مسلم بن عقیل ولعن الله قاتله عمر ابن الصبیح الصیداوی" شہید ابن شہید عبد اللہ ابن مسلم بن عقیل پر سلام ہو۔ اور اللہ تعالیٰ لعنت کرے ان کے قاتل عمر بن صبیح صیدادی پر۔
(شفاء الصدور ص ۱۱۲ طبع بمبئی)

ضروری وضاحت:

جملہ مورخین کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ بنی ہاشم میں سب سے پہلے عبداللہ ابن مسلم بن عقیل علیہ السلام نے جام شہادت نوش فرمایا ہے۔ لیکن علامہ ابن حسن صاحب جارچوی کتاب تذکرہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حصہ دوم ص ۱۶۹ میں لکھتے ہیں۔ کہ سب سے پہلے علی اکبر نے اذن جہاد طلب کیا۔ مرہ بن عبدی نے دھوکے سے ایک نیزہ مارا جو سینے سے پار ہو گیا۔ پھر دشمنوں نے تلوار مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اسی طرح تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ جناب عبداللہ ابن مسلم بن عقیل کی والدہ رقیہ بنت علی ابن ابی طالب جناب ام حبیبہ ربیعہ تغلبیہ کے بطن سے

تھیں۔ لیکن خان بہادر اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی ذبح عظیم ص ۲۰۴ میں لکھتے ہیں۔ کہ ان کی والدہ مقدسہ کا نام رقیہ بنت امیر المومنین تھا۔ یہ معظمہ حضرت ام البنین کے بطن سے تھیں اور حضرت عباس کی حقیقی بہن تھیں۔ کتاب شہیدِ اعظم عبدالحمید ایڈیٹر رسالہ مولوی دہلی کے ص ۷۵ میں بھی یہی مرقوم ہے۔

جناب عون و محمد اور حضرت عباس علیہ السلام

یہ دونوں بھانجے ہیں امام سعید کے　　　پوتے شہید کے ہیں نواسے شہید کے

عاشور کی گرم بازاری میں امام حسین پر قربانیاں پیش ہو رہی ہیں۔ حضرت زینب نے بھی اپنے دونوں نونہال پیش کر دیے۔ صاحب چہل مجلس لکھتے ہیں کہ روایت میں ہے کہ عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں واقعہ کربلا کا ذکر آیا۔ اور فاطمہ زہرا گریاں نظر آنے لگیں۔ زینب نے پوچھا۔ مادر گرامی۔ اس وقت میں ہوں گی یا نہ ہوں گی۔ ارشاد ہوا۔

شہروں میں بیاں تیری شکیبائی کا ہوگا　　　تو اونٹ پہ اور نیزے پہ سر بھائی کا ہوگا

الغرض وہ وقت آیا کہ خداوند عالم نے گلزار تمنا میں دو گلغدار یکے بعد دیگرے پیدا کئے۔ زینب نے درگاہِ الٰہی میں عہد کیا۔ کہ اگر یہ بچے صحیح و سالم رہے۔ تو میں انہیں اپنے بھائی حسین پر سے فدا کروں گی۔ دن گزرے۔ راتیں گزریں۔ بچے چلنے پھرنے لگے۔ زینب نے حضرت عباس کے پاس فن سپہگری سکھانے کے لئے بھیج دیا۔ یہ روزانہ حضرت عباس کے پاس ہنر جنگ و جدل سیکھتے تھے۔ جب گھر واپس آتے تھے تو حضرت زینب فرماتی تھیں۔

دنیا کی خوبیاں ہیں سب ان کے واسطے　　　میں پالتی ہوں دونوں کو ایک دن کے واسطے

غرض صبح عاشور آ گئی۔ اور دشمن برسرِ پیکار ہو گئے۔ اصحاب نے قربانیاں پیش کیں۔ اصحاب کے بعد اقربا و اعزا کی باری آئی۔ جب مسلم بن عقیل کے فرزند مولا کے قدم پر نثار ہو گئے۔ تو عون و محمد بھی جوش شجاعت سے بے تاب ہو کر حاضر خدمت ہوئے۔ ''مولا مرنے کی اجازت دیجئے'' امام حسین نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ زینب کو صدمہ عظیم ہوگا۔ اجازت دینے میں تامل فرمایا۔ پھر امام حسین داخل دولت سرا ہوئے آپ کے ہمراہ حضرت علی اکبر اور آپ کے پیچھے عون و محمد بھی تھے۔ آپ زوجہ جناب مسلم کے سامنے ادائے تعزیت فرما رہے تھے۔ کہ ناگاہ جناب زینب بھی تشریف لائیں۔

ماں کی طرف جو عون و محمد نے کی نظر   منہ پھیر کر جھکا لیا زینب نے اپنا سر
بھائی سے بھائی نے یہ کہا تب بہ چشمِ تر   اماں خفا ہیں کچھ جو نہیں دیکھتیں ادھر
کیا جانیں وہ کہ دیر کایاں کیا سبب ہوا
رخصت میں اور پیچ پڑا لو غضب ہوا

یہ کہہ کے ماں کے پاس گئے دونوں مہ لقا   ڈر ڈر کے کانپ کانپ کے منت سے یہ کہا
ہم مانگتے ہیں دیر سے میدان کی رضا   دیتے نہیں مگر شہ دیں رخصت دغا
بے وجہ خادموں سے مکدر حضور ہیں
اماں خدا گواہ کہ ہم بے قصور ہیں

بولی یہ رو کے جواہر سلطان بحر و بر   اب دھیان آیا مر گئے مسلم کے جب پسر
لاشے پہ لاشے آتے ہیں گزری ہے دوپہر   کیا کر رہے تھے صبح سے حیران ہوں تھے کدھر
حضرت کے ساتھ آپ بھی آتے تو خوب تھا
اکبر کے بعد مرنے کو جاتے تو خوب تھا

دونوں بچے دست بستہ عرض پرواز ہوئے۔ مادر گرامی۔ ہماری کوئی خطا نہیں۔ ہمیں ماموں جان نے اب تک اجازت نہیں دی۔ یہ سن کر حضرت زینب امام حسینؑ کی خدمت میں بچوں کو لائیں اور ان کے لئے اجازت طلب کی۔ امام حسینؑ اشک بہاتے ہوئے خیمہ سے باہر چلے گئے۔ حضرت زینب نے بیٹوں کو لباس پہنایا۔ اور امام حسینؑ کو بلوا بھیجا۔ مگر حسینؑ یہ سوچ کر نہ آئے۔ کہ اگر جاؤں گا۔ زینب بچوں کے لئے اجازت مانگیں گی۔ صاحبزادوں نے کہا۔ مادر گرامی! اگر ماموں نہیں آتے تو عباس کو بلایئے۔

تم حضرت عباس کو میداں سے بلا لو   ساتھ ان کے ہمیں کر دو جو کہنا ہو سو کہہ دو

حضرت زینب نے غصہ سے کہا۔ کہ ایک بار اور جاؤ۔ اور میرے بھائی عباس سے کہو کہ زینب بلاتی ہیں۔ اور اگر وہ بھی آنے میں تامل کریں۔ تو کہنا کہ
تم آؤ تو آؤ نہیں خود آتی ہے زینب

الغرض حضرت عباس نے امام حسینؑ کی طرف رخ کیا۔ امام کو آبدیدہ دیکھ کر خیمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ در خیمہ پر زینب کھڑی ہوئی تھیں۔

عباس نے کی عرض کہ تم سب سے بڑی ہو   وہ سامنے شبیر ہیں تم در پہ کھڑی ہو
حضرت عباس نے فرمایا۔ اے بہن! میں نے بار بار بھائی سے کہا کہ زینب بلاتی ہیں۔

تشریف لے چلئے۔ مگر وہ نہ آئے۔ اے زینب وہ کہتے ہیں۔ کہ بہن، سات آٹھ سال کے بچوں کا گلا کٹانا چاہتی ہیں۔ اور مجھے یہ برداشت نہیں ہے۔ کہ زینب کو داغ مفارقت نصیب ہو۔ حضرت زینب نے کہا۔ اچھا اے عباس میرے بچوں کو تم لے کر جاؤ۔ اور اجازت دلا دو۔ حضرت عباس بچوں کو لئے ہوئے حاضر خدمت ہوئے۔ امام حسین نے بجز واکراہ اجازت دی۔ اور دونوں نونہال میدانِ قتال میں تشریف لائے

دیکھا جو جلال ان کا تو کہنے لگا لشکر — لو آئے دو یوسف دو سلیمان دو سکندر

دو حمزہ و دو حیدر کرار دو جعفر — دو غازی و دو شیر دو عباس دو اکبر

گھبرا کے نظر بعضوں نے کی چرخِ بریں پر

ہیں شمس و قمر آج فلک پر کہ زمیں پر

یہ دیکھ کر ایک شخص نے پوچھا۔ کہ تم کون ہو؟ اس کا جواب انہوں نے رجز پڑھ کر دیا۔

علامہ محمد باقر اور علامہ سپھر کاشانی لکھتے ہیں۔ کہ جناب عون نے یہ رجز پڑھا۔

ان تنکرونی فانا بن جعفر — شهید صدق فی الجنان الازهر

یطیر فیها یختاح اخضر — کفی بهذا شرفًا فی الحشر

اور جناب محمد نے یہ رجز پڑھا۔

نشکوا الی الله من العدوان — قتال قوم فی الردی عمیان

قد ترکوا معالم القرآن — ومحکم التنزیل والتبیان

واظهروا الکفر مع الطغیان

ترجمہ: اگر تم مجھے جانتے پہچانتے نہیں ہو۔ تو جان لو کہ میں جعفر طیار کا بیٹا ہوں۔ جو بلاشبہ جنت میں نمایاں جگہ کے مالک ہیں۔ وہاں وہ سبز پروں سے اڑتے ہیں۔ اور سنو۔ میرے لئے ان کا بھی شرف کافی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے اس قوم کی جنگ عدوان قتل و قتال کی شکایت کرتا ہوں انہوں نے قرآنی نشانات کو چھوڑ دیا ہے۔ اور تنزیل و تبیان سے بے خبر ہو گئے ہیں۔ اور اس ظلم و ستم کے ساتھ کفر و فسق کا بھی مظاہرہ کرتے ہیں۔

پھر ان میں سے جناب محمد بن عبداللہ نے دس افراد قتل کئے۔ اور جناب عون نے تین سوار اور اٹھارہ پیادے قتل کئے۔ جناب محمد کو عبداللہ بن بطہ طائی نے اور عون کو عامر بن نہشل تمیمی نے شہید کیا (دمعہ ساکبہ ص ۳۳۵، ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۸۲۔ تاریخ طبری جواہر الایقان ص ۱۲۸۔ چہل مجلس سیّد وزیر حسین سب جج از ص ۲۵۸ تا ص ۲۷۰ طبع لکھنؤ ۱۲۹۸ھ)

علامہ راشدی لکھتے ہیں۔ "یہ زینب کے نونہال ماموں سے رخصت ہو کر جنگ گاہ کی طرف گئے جامِ شہادت پیا۔ حسین نے خبر دی۔ بہن زینب' تمہارے بچے رخصت ہو گئے۔ بی بی زینب کی ٹھنڈی سانس کے ساتھ زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے۔ حسین میرے واسطے رونے کا نہیں۔ بلکہ شکر کا مقام ہے۔ پانی میسر نہیں۔ تمیم کر رہی ہوں۔ دو نفل شکر یہ اس اللہ تعالیٰ کا ادا کروں۔ جس نے مجھے آج سرخرو کیا۔ اور مجھے ایسے بچے دیئے جو میرے بھائی پر نثار ہو گئے۔ امام حسین نے حضرت عباس سے کہا۔ بھائی۔ آؤ۔ بچوں کی لاشیں اٹھا لائیں۔ کہرام مچا ہوا تھا۔ امام حسین (اور حضرت عباس) بچوں کی لاشیں لینے گئے۔ اور بی بی زینب نے استقلال کے ساتھ دوگانہ ادا کیا۔ سجدوں میں گریں اور کہا "تو نکتہ نواز ہے۔ مجھ دکھیا کے دنوں بچے تیرے نام پر تیرے رسولؐ کی امت کے ہاتھوں بے دردی سے قتل کیئے گئے ہیں۔ میں نے ان کو بھوکا پیاسا تیری راہ میں گھر سے نکالا۔ ان کی لاشیں آ رہی ہیں۔ صبر کی توفیق دے۔" دعا کر رہی تھیں۔ کہ بچوں کی لاشیں خیمہ میں آئیں۔ اٹھیں تو بھائی نے کہا۔ زینب تمہارا ارمان پورا ہوا۔ تمہارے بچے جن کی شادی کا تم کو ارمان تھا۔ دولہا بن کر تمہارے سامنے آ گئے ..... قربان اس منہ کے جس نے کہا۔ حسین کے بھانجے نہیں۔ غلام ہیں۔ میرے بچو! تم کو سر پر رکھوں' تمہاری لاشوں کو آنکھوں سے لگاؤں۔ تم حسین کے غلام نہیں کلیجے کے ٹکڑے تھے۔ ماموں حق مہمان نوازی ادا نہ کر سکا۔ مگر تم نے زینب کے دودھ کا حق ادا کر دیا .. بی بی زینب خاموش کھڑی بھائی کی تقریر سن رہی تھیں۔ جب امام عالی مقام خاموش ہوئے۔ تو کہا۔ بھیا۔ ان مہمانوں سے باتیں کر لوں۔ ان کو دودھ بخش دوں۔ اور ان سے کہہ دوں۔ کہ ماں کا کہنا سننا معاف کرنا۔ اور جس سختی اور ترشی سے وداع کیا تھا۔ اس کی شکایت نانا اور نانی سے نہ کرنا عون و محمد میں نے تم کو گھر سے اس وقت نکالا۔ جب بھوک اور پیاس نے جان پر بنا دی تھی۔ بچو۔ خطاوار کا قصور معاف کرو سلام کو جھکتے تھے۔ تو درازی عمر کی دعائیں دیتی تھی۔ آج ماں کے حکم پر جان نثار کر گئے اب کیا دعا دوں یہ کہہ کر پہلے چھوٹے کے منہ پر ہاتھ پھیر کر اس کا خون اپنے منہ سے ملا۔ اس کے بعد بڑے کی طرف مڑ کر کہا۔ میرا بچہ محمد کربلا کے میدان میں تمہارے سپرد ہے۔ جب رات کے وقت سوتے میں ڈرتا تھا۔ تو سینے سے لگا لیتی تھی۔ اب اگر یہ چونکے تو ماں کے بدلے گلے سے لگا لیجیو۔ ظلم و ستم سے شہید بچہ اس بیابان میں تمہارے سپرد ہے۔ اب ہچکی بندھ گئی۔ تو اٹھ کر چاروں طرف پھریں۔ اور چھوٹے کے ہاتھ آنکھوں سے لگا کر کہا ماں ان ہاتھوں کے نثار..... عمر سعد کو دکھا دیا۔ کہ میدانِ جنگ میں بہادر کس طرح جان دیتے ہیں۔ دفعتہً کچھ خیال آیا اور بھائی کو بلا کر کہا۔ کیوں بھائی بچوں سے کوئی خطا تو

نہیں ہوئی۔ اگر کوئی لفظ خلافِ مزاج ان کی زبان سے نکل گیا ہو تو معاف فرما دیجئے۔ میں نے منع کر دیا تھا۔ کہ ہرگز ہرگز نہ کہنا۔ کہ ہم امام کے بھانجے ہیں۔ امام حسین بہن سے لپٹ کر رونے لگے اور کہا۔ زینب تمہارے بچے تمہارے کلمے کی پوری تعمیل کر گئے۔ دشمنوں نے ہر چند پوچھا۔ مگر وہ یہ کہتے دنیا سے سدھارے کہ ہم امام کے غلام ہیں۔ زینب۔ تمہارے بچے کلیجہ پر ایسا داغ دے گئے۔ کہ اپنی زندگی کا ہر لحہ وبال ہے۔ یہ سن کر زینب مسکرائیں۔ بچوں کے منہ چومے اور بھائی سے کہا۔ لیجیے۔ لے جائیے۔ الخ (سیّدہ کا لال ص ۱۶۰ تا ص ۱۶۸)

حضرت عباس کا اپنے بھائیوں کو فہمائش کرنا اور حوصلہ افزائی فرمانا

بہتّر کے سوا کوئی نہ پایا جو آغوشِ اجل میں مسکرا دے

قربان گاہِ کربلا پر اصحاب کے بعد بنی ہاشم اسلام پر بھینٹ چڑھنا شروع ہو گئے ہیں۔ اب ان میں سے ہر ایک سبقت کرتا ہوا دکھائی دے رہا ہے اور جو موقع پا جاتا ہے اور اجازت نبرد آزمائی حاصل کر لیتا ہے میدان کی طرف دوڑتا ہے۔ اور موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بانی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں سرخروئی حاصل کرتا ہے۔ بہت سے بنی ہاشم کے نوجوان اپنی قربانیاں پیش کر چکے ہیں۔ حضرت عباس جن کے اوپر جنگ کربلا کے سر کرنے کی بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ وہ ہر چند کوشش کر رہے ہیں۔ کہ مجھے میدان دا کی اجازت ملے۔ تا کہ میں اپنے کو پیش کر کے بابا جان حضرت علی کی بارگاہ میں سرخرو ہو جاؤں اور ان پر یہ ثابت کر دوں کہ آپ نے جس غرض کے واسطے میری ولادت کی تمنا کی تھی۔ میں نے اسے پورا کر دیا۔ لیکن علمبردار لشکر ہونے۔ نیز حسین کے ایسے قوت بازو ہونے کی صورت میں جن پر حسین اپنے فدا کرنے کی تمنا رکھتے تھے۔ اور "بنفسی انت" اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کیونکر میدانِ قتال کی اجازت پا سکتے تھے۔ بنا بریں حضرت عباس نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اگر میں اپنی ذاتی قربانی اس وقت جبکہ سب بنی ہاشم کے نونہال جا رہے ہیں۔ نہیں پیش کر سکتا۔ تو کم از کم یہ ضرور ہی کر سکتا ہوں کہ قاسم و علی اکبر سے پہلے اپنے حقیقی بھائیوں کو قربان گاہِ حسینی میں پیش کر دوں۔ تا کہ بابا جان مجھ سے ناخوش نہ ہوں۔ اور ان کو گلہ و شکوہ نہ رہے۔ اور وہ بانی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اس بارے میں شرمندہ نہ ہوں۔ کہ ان کے وہ بیٹے جو عباس کے سگے بھائی تھے۔ انہوں نے سر دینے میں تاخیر کی۔ حضرت عباس نے اپنے سگے بھائیوں کو مخاطب کر کے کہا۔ "یا بنی امی تقدموا حتی ارلکم و قد نصحتم

للـہ ولـرسولـہ" اے میرے حقیقی بھائیو! اب میدان قتال میں جا کر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اپنی جانیں دے دو۔ اور مجھے دکھادو کہ تم نے سرخروئی حاصل کر لی۔ اور سنو تمہیں یاد ہوگا۔ کہ جب جنگ صفین ہو رہی تھی۔ اور تیروں کا مینہ برس رہا تھا۔ اس موقع پر پدر بزرگوار نے محمد حنفیہ سے فرمایا تھا۔ کہ آگے بڑھو۔ اور فوج مخالف کے میمنہ پر حملہ کرو۔ تو انہوں نے کمال دلیری سے حملہ کیا تھا۔ اور جب پلٹ کر آئے تھے۔ تو بابا جان نے فرمایا۔ اب میسرہ فوج پر حملہ کرو۔ اس وقت انہوں نے عرض کی۔ بابا جان "الا تری السھام کانھا المطر" کیا حضور ملاحظہ نہیں فرما رہے ہیں۔ کہ تیروں کی بارش ہو رہی ہے۔ اور میں زخموں سے چور ہوں۔ حضور حسن اور حسین بھی تو ہیں۔ یہ سننا تھا کہ بابا جان کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی۔ اور انہوں نے فرمایا۔ "ھذہ عرق من املك" یہ تیری ماں کا اثر ہے۔ سن تو میرا بیٹا ہے اور حسن و حسین رسول مقبول کے فرزند ہیں۔ نیز یہ کہ تو بمنزلہ دست منی و آنہا بمنزلہ چشم من اند۔ تو میرے ہاتھوں کے مانند ہے اور حسین آنکھوں کا درجہ رکھتے ہیں۔ ہاتھ دفاع کیا کرتے ہیں۔ آنکھوں کا کام لڑنا نہیں ہے۔ غرضکہ محمد حنفیہ کے ٹوکنے پر بابا جان کو غصہ آ گیا تھا۔ اور انہوں نے ان کی زجر و توبیخ کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا۔ کہ بیٹا! میرے فرزندوں میں وہ زیادہ خوش نصیب ہوگا۔ جو دشت کربلا میں فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسین کی مدد کرے گا۔ میرے بھائیو! مجھے حنفیہ کی طرح ماں کا نام بھی بدنام نہیں کرنا ہے۔ کیونکہ وہ بھی بہت ہی بہادر خاندان کی خاتون ہیں۔ اور ہمارے کارنامہ کربلا کی نوید حمایت سننے کے لئے مدینہ منورہ میں موجود ہیں آج جنگ کرو۔ قربانیاں پیش کرو۔ اور ماں باپ کا نام روشن کر دو۔ یہ سن کر ان کے بھائیوں نے کمال دلیری سے جواب دیا۔ کہ ہم اسی لئے آئے ہیں۔ اور انشاء اللہ اپنی قربانیوں سے جس قدر جلد ممکن ہو سکے گا اپنے پدر بزرگوار اور مادر۔ نیز آپ کو خوش کر دیں گے۔
(تحفہ حسینہ ج ۱ ص ۱۶۲ مجالس المتقین ص ۲۷۔ روضۃ الحسینیہ طبع ایران۔ مجمع النورین ص ۲۵۱ طبع ایران)

حضرت عباس کے حقیقی بھائیوں کی تعداد:

تمام مؤرخین کا اتفاق ہے۔ کہ حضرت عباس چار حقیقی بھائی تھے۔ (۱) خود حضرت (۲) جناب عبداللہ (۳) جناب عثمان (۴) جناب جعفر۔ ان کی والدہ جناب ام البنین اور والد ماجد حضرت علی علیہ السلام تھے۔ اور انہیں سے حضرت عباس نے یوم عاشورہ خصوصی طور پر مخاطبہ فرمایا تھا۔ اور انہی کو شمر امان نامہ کے حوالہ سے اپنی طرف بلا رہا تھا۔ جس کا انہوں نے کمال دلیری سے یہ جواب دیا تھا۔ کہ تیرے ہاتھ ٹوٹیں۔ تیری امان پر لعنت ہے۔ لیکن امام ابو اسحاق اسفرائنی شہداء بنی ہاشم کی تعداد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "منھم العباس و عبد اللہ و جعفر و

عمر و عثمان ھؤلاء الخمسة اخوة الحسین من علی و امھم ام البنین" کہ عباسؑ عبداللہؑ جعفرؑ عمرؑ عثمانؑ یہ پانچوں امام حسینؑ کے علاتی بھائی تھے۔ اور ان کی ماں جناب ام البنین تھیں (نور العین ص ۶۴ طبع بمبئی ۱۲۹۲ھ)

غرضکہ حضرت عباس نے اپنے بھائیوں کی حوصلہ افزائی کی اور وہ سب مرنے کے لئے جلد سے جلد نکلنے پر خوشی کا اظہار کرنے لگے۔ ناموس اسلام ص ۱۶۳ میں ہے۔ باغ مرتضوی کے پھول ام البنین کی آنکھ کے تارے دریائے فنا میں ڈوبنا شروع ہوئے۔ حسینؑ کے بازو ٹوٹنے لگے۔ باپ کی نشانیاں علیؑ کی یادگاریں خاک میں ملنے لگیں۔ حضرت عباس نے بھائیوں کی طرف دیکھا۔ اور فرمایا۔ کہ پیارو۔ تم مجھے جان سے زیادہ عزیز اور پیارے ہو۔ مگر آج میری خواہش یہی ہے کہ تم سب مجھ سے پہلے بابا علی مرتضےٰ کی خدمت میں دربار رسولؐ میں سرخرو کوثر کے کنارے پہنچ جاؤ۔ تمہارے داغ ہم سینے پر اٹھائیں۔ اور تمہارے غم میں صبر و رضائے الٰہی کے درجات بھی حاصل کریں۔ یہ بہادر بھائی کے فدائی۔ حسینؑ کے عاشق پہلے سے ہی شوق شہادت میں بے چین تھے۔ خوش ہو کر عرض کرتے ہیں۔ ہماری یہی تمنا اور یہی آرزو ہے۔ کہ آپ سے پہلے خون میں ڈوبیں۔ اور اپنے پیارے بزرگ بھائی آقا حسینؑ پر نثار و قربان ہو جائیں۔ ہتھیار سجتے ہیں۔ تلواریں اٹھاتے ہیں۔ سلام و وداع عرض کر کے رخصت ہوتے ہیں۔ حسینؑ ایک ایک کو حسرت بھری نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور رخصت فرماتے ہیں۔ بیشہ حیدری کے شیر میدان میں جاتے ہیں۔ شجاعتِ علوی کے جوہر دکھاتے ہیں۔ شیرانہ حملے فرماتے ہیں۔ تیر لگتے ہیں۔ برچھیاں پڑتی ہیں۔ زخمی ہو کر گرتے ہیں اور بھائی پر قربان ہو جاتے ہیں۔ حسینؑ لاشوں کو اٹھاتے ہیں۔ اشکبار ہوتے ہیں۔ اور خون بھری لاشوں کو خیمہ میں لے آتے ہیں۔ الخ

اب آپ ان بہادروں کے مختصر الفاظ میں تفصیلی واقعات تاریخ کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عباس کے بھائی عبداللہ بن علی

عبداللہ بن علی حضرت عباس کے حقیقی بھائی تھے۔ آپ حضرت عباس سے تقریباً آٹھ سال چھوٹے تھے۔ آپ کی کنیت ناسخ التواریخ کے مطابق ابو محمد تھی۔ آپ کی عمر ۲۵ سال تھی۔ آپ کو جوہر شجاعت ورثہ میں ملا تھا۔ بڑے بہادر نہایت جری تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ حضرت عباس کے ارشاد کے مطابق میدان میں تشریف لے گئے تھے۔ تو جوہر شجاعت دکھا کر لوگوں کو حیران کر دیا تھا۔ آپ کی عمر کے متعلق مورخین لکھتے ہیں

ولد بعد اخیه ثمان سنین و امه	آپ اپنے بھائی حضرت عباس کے (تقریباً)
فاطمة ام البنین و بقی مع ابیه	آٹھ سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ کی مادر گرامی بھی
ست سنین و مع اخیه الحسن	ام البنین فاطمہ کلابیہ تھیں۔ آپ نے پدر بزگوار
ست عشر سنة و مع اخیه	کے ساتھ ۶ سال اور امام حسن کے ساتھ ۱۶ سال
الحسین خمسا و عشرین سنته	اور امام حسین کے ساتھ پچیس سال زندگی بسر کی۔
و ذالك مدة عمره	اور یہی ۲۵ سال آپ کی مدت عمر ہے۔

(ابصار العین ص ۳۴ بحار الانوار ج ۱ ص ۲۲۳۔ ناسخ ج ۶ ص ۲۲۸۔ دمعہ ساکبہ ص ۳۳۶ انوار الحسینہ ص ۶۸۔ مھیج الاحزان ص ۱۶۲ بحار الانوار ج ۱ ص ۲۲۳ اور تحفہ حسینیہ ج ۱ ص ۱۶۳ میں ہے کہ جناب عبداللہ ابن علی کے کوئی اولاد نہ تھی)

میدان جنگ کی طرف رہروی اور جانبازی:

آپ چونکہ فطرتاً شجاع تھے۔ اور بڑے بھائی حضرت عباس نے بھی حوصلہ افزائی کر دی تھی۔ لہٰذا جب آپ میدان میں تشریف لے گئے تو آپ نے کمال بے جگری سے جنگ فرمائی۔ آپ کی شجاعت کے متعلق صاحب ناسخ التواریخ لکھتے ہیں۔ کہ ''عبداللہ شبل شیر یزداں وآرزومند نبرد مرداں و میدان بود'' عبداللہ شیر یزدان حضرت علی کے بہادر پسر تھے اور آپ لوگوں سے نبرد آزمائی کے لئے بے چین تھے۔ تواریخ میں ہے کہ جب آپ میدان میں تشریف لے گئے تو وہاں پہنچتے ہی ایک زبردست حملہ کیا۔ اور ان لفظوں میں رجز پڑھا:

انا ابن ذی النجدة و الافضال — ذاك علی الخیر فی الفعال

سیف رسول الله ذوالنکال — فی کل قوم ظاهر الافعال

ترجمہ: میں ایک عظیم الشان بہادر اور صاحب جود و کرم کا فرزند ہوں اور یہی وجہ ہے کہ میرے افعال و اعمال میں اچھائی نظر آتی ہے۔ اور تم سمجھے وہ کون ہیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی شمشیر برہنہ ہیں۔ ان کے افعال و اعمال روز روشن کی طرح ساری دنیا پر روشن اور جلی ہیں۔

آپ کی شہادت:

رجز پڑھنے کے بعد آپ نے اس طرح حملہ کیا۔ کہ سارا میدان کانپ اٹھا۔ مؤرخین لکھتے ہیں۔ ''وجعل یضرب بسیفه قدما ویجول فیهم جولان الرحی'' آپ نے چکی کی طرح میدان میں چکر لگا کر تلوار سے کاٹنا شروع کیا۔ اور مجمع میں چیخ و پکار کی آواز بلند ہوگئی

(تحفہ حسینیہ ج ۱ص ۱۶۳ انوار الحسینیہ ص ۶۸) دشمنوں نے جب دیکھا کہ اس بہادر پر قابو نہیں پایا جا رہا۔ تو پانچ ہزار کی جمیعت سے حملہ کیا۔ حضرت عبداللہ نے جب ملاحظہ کیا۔ کہ اب دشمن اپنی پوری طاقت سے حملہ کر رہے ہیں۔ تو بقول صاحب حقائق المصیبۃ حضرت عباس کو آواز دی۔ آپ عون بن علی کو ہمراہ لئے ہوئے میدان میں پہنچے اور دشمنوں پر حملہ آور ہوئے۔ جناب عبداللہ جن کے مقابلہ میں ہانی ابن ثبیت حضرمی تھا۔ چونکہ کافی زخمی ہو چکے تھے لہٰذا دشمن آپ پر غالب آ گیا۔" **فشد علیہ ھانی ابن ثبیت الحضرمی فضربہ علی راسہ فقتلہ** " اور آپ کے سر مبارک پر اس نے تلوار لگائی۔ جس سے آپ شہید ہو گئے (ابصار العین ص ۳۴ بحار الانوار ج ۱ ص ۲۲۳۔ ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۲۲۸ تحفہ حسینیہ ج ۱ص ۱۶۳، مجالس المتقین ص ۴۷۔ تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۵۷، دمعہ ساکبہ ص ۳۳۶۔ حقائق المصیبت ص ۲۳۸ طبع بمبئی ۱۲۹۲ھ)

جناب عبداللہ پر امام معصوم کا سلام:

"السلام علی عبد اللہ بن امیر المومنین مبلی البلاء والمنادی بالولاء فی عرصۃ کربلا المضروب مقبلاً ومدبراً لعن اللہ قاتلہ ھادی ابن ثبیت الحضرمی" عبداللہ ابن علی علیہ السلام پر سلام ہو۔ جنہوں نے بلا پر بلا جھیل کر موقع امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ اور جو میدانِ کربلا میں اپنی محبت کا علی الاعلان ثبوت دے گئے۔ جنہیں دشمنوں نے ہر جانب سے زخمی کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے قاتل ہانی بن ثبیت خضری پر لعنت کرے۔ (شفاء الصدور ص ۱۱ا طبع بمبئی)

حضرت عباس کے دوسرے بھائی عثمان ابن علی

جناب عثمان بن علی حضرت عباس علمدار کے دوسرے بھائی تھے۔ آپ جناب عبداللہ سے دو سال چھوٹے تھے۔ آپ کی عمر ۲۳ سال اور کنیت بقول صاحب ناسخ التواریخ ابو عمر تھی۔ آپ کا اسم گرامی "عثمان" صرف اس لئے رکھا گیا تھا۔ کہ حضرت علی کے ایک بھائی عثمان بن مظعون تھے۔ جنہیں حضرت علی بہت زیادہ دوست رکھتے تھے۔ ناسخ التواریخ اور بحار الانوار میں ہے کہ جب اس فرزند کی ولادت ہوئی تو حضرت علی علیہ السلام نے ان کا نام عثمان ابن مظعون کے نام پر رکھا۔ آپ کی عمر کے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں:

ولد بعد اخیہ عبد اللہ بنحو سنتین	آپ اپنے بھائی عبداللہ سے دو برس بعد پیدا
و امہ ام البنین و بقی مع ابیہ	ہوئے۔ آپ کی مادر گرامی بھی جناب ام البنین

نحو اربع سنین و مع اخیه الحسن نحو اربع عشر سنة و مع اخیه الحسین ثلاثا و عشرین سنة و ذالك مدة عمره (ابصار العین ص۳۴ و انوار الحسینیه ص۶۸ طبع نجف اشرف)

تھیں۔آپ نے اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ چار سال اور اپنے بھائی امام حسن کے ساتھ چودہ برس اور امام حسین کے ساتھ تیئیس سال زندگی بسر کی۔اور یہی آپ کی مدت عمر ہے۔

میدان جنگ کی طرف رہروی اور جانبازی:

میدان جنگ میں جانے کے لئے حضرت عباس ہمت افزائی فرما ہی چکے تھے۔اب عبداللہ کی شہادت نے جناب عثمان کے دل میں نبرد آزمائی کا زور پیدا کر دیا تھا۔آپ میدان کی طرف کمال شجاعت اور جوش میں تشریف لے گئے۔اور آپ نے یہ رجز پڑھا۔

انی انا العثمان ذو المفاخر　　شیخی علی ذو الفعال الطاهری

وابن عم الرسول الطاهر　　اخی حسین خیرة الاخائر

ترجمہ: اے دشمنانِ اسلام۔میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں صاحب مفاخر عثمان بن علی ہوں۔میرے بزرگ اور آقا میرے پدر نامدار حضرت علی ہیں۔جن کے کارنامے ناصیۂ روزگار پر روشن ہیں۔وہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابن عم یعنی چچا زاد بھائی ہیں۔اور میرا بھائی حسین ہے۔جو تمام منتخب لوگوں میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔

وسید الکبار والاصاغر　　بعد الرسول والولی الناصر

وہ حسین جو رسول اللہ اور ولی کے بعد کائنات کے تمام چھوٹے اور بڑے سب کے سردار ہیں۔(ناسخ التواریخ ج۲ص۲۸۷ تحفہ حسینیہ ص۱۶۳ بحار الانوار ج۱ ص۲۲۳ دمعہ ساکبہ ص۳۳۶)

آپ کی شہادت:

آپ کمال دلیری کے ساتھ مشغول جنگ تھے۔"فرماه خولی ابن یزید الاصبحی بسهم فاوهطه حتی سقط لجنبه فجاءه رجل من بنی ابان بن دارم فقتله واجتزراسه" کہ ناگاہ خولی ابن یزید اصبحی نے ایک ایسا تیر مارا جس نے انہیں بالکل کمزور کر دیا اور آپ پہلو کے بل زمین پر گر گئے اتنے میں ایک شخص بنی ابان ابن دارم کا آیا اور آپ کا سر کاٹ لیا (ابصار العین ص۳۴۔مجالس المتقین ص۴۷۔طبری ج۶ ص۲۵۷ بحار الانوار ج۱

ص ۲۲۳ ناسخ التواریک ج ٦ ص ۲۲۸) صاحب منہج الاخران ص ۱٦۰ میں لکھتے ہیں کہ چلہ کمان سے چھوٹا ہوا تیر جبین مبارک پر لگا اور آپ زمین پر تشریف لائے۔

جناب عثمان پر امام معصوم کا سلام:

"السلام علی عثمان ابن امیر المومنین سمی عثمان ابن مظعون لعن الله رامیه بالسهم خولی ابن الیزید الاصبحی الایادی الدارمی" جناب عثمان ابن مظعون کے ہمنام جناب عثمان بن امیر المومنین پر سلام ہو۔ اور اللہ تعالیٰ تیرے شہید کرنے والے خولی ابن یزید اصبحی ایادی دارمی پر لعنت کرے۔ (شفاء الصدور شرح زیارت عاشور ص ۱۱۱ طبع بمبئی)

حضرت عباس کے تیسرے بھائی جعفر بن علیؑ

جناب جعفر بن علی حضرت عباس علمدار کے تیسرے بھائی تھے۔ آپ جناب عثمان سے تقریباً دو سال چھوٹے تھے۔ آپ کی عمر ۲۱ سال تھی۔ آپ کی کنیت بقول صاحب ناسخ التواریخ ابو عبداللہ تھی۔ آپ کی عمر کے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں:

ولد بعد اخیه عثمان بنحو سنتین وامه فاطمة ام البنین وبقی مع ابیه نحو سنتین و مع اخیه الحسن نحو اثنتی عشر سنة و مع اخیه الحسین نحو احدی و عشرین سنة وذالك مدة عمره (ابصار العین ص ۳۵ انوار الحسینیه ص ٦۸)

آپ اپنے بھائی عثمان کے دو سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ کی مادرِ گرامی جناب ام البنین تھیں۔ آپ نے اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ دو سال اور بھائی حسن کے ساتھ بارہ سال اور امام حسین کے ساتھ اکیس سال زندگی بسر کی۔ اور یہی آپ کی مدت عمر ہے۔

علامہ شیخ محمد بن کمال الدین شافعی لکھتے ہیں۔ کہ حضرت علی کے بھائی جناب جعفر طیار تھے جنہیں حضرت علی بے حد چاہتے تھے۔ آپ کا یہ حال تھا۔ کہ اگر کوئی شخص جناب جعفر طیار کے نام سے آپ کو واسطہ دیتا تھا۔ تو آپ کا غصہ فرو ہو جاتا تھا۔ "اذا سئل بحق جعفر سکن" (ملاحظہ ہو مطالب السؤل ص ۱۱۷) علامہ یزدی لکھتے ہیں کہ جب جنگ موتہ میں جعفر طیار شہید ہوئے تھے تو حضرت علی نے فرمایا تھا۔ "الان انکسر ظهری" بھیا اب میری کمر ٹوٹ گئی ہے (انوار الشہادت ص ۴۹) صاحب ابصار العین علامہ سماوی لکھتے ہیں "روی ان امیر المومنین سماه اخیه جعفر لحبه ایاه ص ۳۵" حضرت علی نے اپنے فرزند جعفر کا نام اس لئے جعفر رکھا

تھا تا کہ جعفر طیار کی یاد تازہ رہے۔

آپ کی میدان کی طرف رہروی اور جانبازی:

آپ اپنے دیگر بھائیوں کی طرح نہایت شجاع اور بہادر تھے۔ آپ کو یونہی حوصلہ جنگ تھا۔ پھر حضرت عباس نے باپ کی وصیت یاد دلا کر ہمت افزائی کر کے سونے پر سہاگہ کا کام کیا تھا۔ مؤرخین کا بیان ہے "**فتقدم و شد علی الاعداء یضرب فیھم بسیفه**" کہ آپ نے میدان جنگ میں جا کر دشمن پر حملہ آوری کی۔ اور تلوار سے انہیں فنا کے گھاٹ اتارنے لگے۔ اور یہ رجز پڑھا

انی انا الجعفر ذوالمعالی ابن علی خیرۃ النوالی

حسبی بعمی شرفا وخالی احمی حسینا ذی الندا المفضال

ترجمہ: میں بلندی کا بادشاہ جعفر ہوں۔ اور حضرت علی کا فرزند ہوں جو بڑے جود و کرم والے تھے۔ میرے چچا اور ماموں کی شرافت حسب ونسب میری شرافت کے شاہد اعظم ہیں۔ میں ایسے حسین کی مدد کر رہا ہوں جو بڑے بخشش کرنے والے ہیں۔ (تحفہ حسینیہ ج ۱ ص ۱۶۳' ابصاء العین ص ۳۵' بحار الانوار ج ۱ ص ۲۲۳' ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۶۸ جواہر الایقان ص ۲۰۲' دمعہ ساکبہ ص ۳۳۶)

آپ کی شہادت:

آپ کمال دلیری اور بہادری کے ساتھ جنگ آزما تھے۔ کہ ناگاہ "**شد علیه هانی ابن ثبیت الحضرمی الذی قتل اخاہ فقتله**" آپ پر ہانی ابن ثبیت حضرمی نے وار کیا اور آپ کو شہید کر ڈالا۔ (ابصار العین ص ۳۵ مقتل ابی مخنف طبع ایران)

جناب جعفر پر امام معصوم کا سلام:

"**السلام علی جعفر بن امیر المومنین الصابر بنفسه محتسبا و النائی عن الاوطان مغتربا المستسلم المستقدم للنزال المکثور بالرجال لعن اللّٰه قاتله هانی بن ثبیت الحضرمی**" جعفر ابن امیر المومنین پر سلام ہو۔ جو اپنی جان کی قربانی پیش کرنے میں بڑے صابر تھے۔ اور غربت کی حالت میں وطن سے نکالے ہوئے تھے۔ جو جنگ آزمائی کے لئے دل و جان سے تیار تھے۔ جو میدان کارزار میں بڑھ بڑھ کر حملے کرنے والے تھے۔ جنہیں لوگوں نے اپنی کثرت سے مغلوب کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے قاتل ہانی بن ثبیت حضرمی

پر لعنت کرے (شفاء الصدور شرح زیارت عاشور ص ۱۱۱ طبع بمبئی)

مورخ طبری کی تنگ نظری

حضرت عباس کی وفاداری کے کارناموں میں سے ایک عظیم کارنامہ یہ ہے۔ کہ آپ نے اسلام کی حمایت کے سلسلہ میں یہ فیصلہ کر لیا تھا۔ نہ میں خود باقی رہوں گا۔ اور نہ اپنے کسی بھائی اور بیٹے کو زندہ رہنے دوں گا۔ یہ انہوں نے کیوں کیا۔ صرف اس لئے کہ وہ موقع آشنا تھے۔ اور جانتے تھے۔ کہ آج اسی کا محل ہے۔ تمام مؤرخین کا اتفاق ہے۔ کہ آپ نے اپنے حقیقی بھائیوں کو جن کے نام عبداللہ، عثمان، جعفر ہیں۔ مخاطب کر کے اس وقت کہا۔ جبکہ امام حسینؑ پر تمام اصحاب اپنی جانیں قربان کر چکے تھے۔ اور اہل بیت میں سے بھی اکثر ہستیاں قربان گاہ اسلام پر بھینٹ چڑھ چکی تھیں۔ "پیش بیائید، وقدم بمیدان جدال و مقاتلہ بگزارید، تا اینکہ مشاہدہ کنم و بہ بنیم شمارا کہ یاری کردہ باشید درراہ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آں۔ پس دریغ نہ کنید در جاں دادن۔ بہ تحقیق برائے شما اولاد و عقب نیست۔ تاغم آنہارا نخورید" اے میرے حقیقی بھائیو! میرے قریب آؤ۔ اور میری بات سنو۔ وہ یہ ہے کہ اب وہ وقت ہے۔ کہ تم بھی اب میدان قتال میں قدم جدال رکھ دو۔ اور اس طرح جنگ کرو۔ کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں۔ کہ تم نے اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ میں اپنی جانِ عزیز قربان کر دی ہے۔ دیکھو۔ آج کے دن جان دینے میں دریغ کرنے کا محل نہیں ہے۔ دلیری سے جان دے دو۔ ارے میرے بھائیو۔ میری طرح تمہارے تو اولاد بھی نہیں ہے۔ جس کا تمہیں غم ہو سکے۔ لہٰذا عجلت کرو۔ اور شرفِ شہادت حاصل کر کے بارگاہِ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سرخرو ہو جاؤ۔ (جواہر الایقان دربندی ص ۲۰۲ بحار الانوار ج ا ص ۲۲۳ وغیرہ)

آپ کے بہادر بھائی جو پہلے ہی سے جنگ کے لئے تیار تھے۔ میدان قتال کی طرف چل پڑے۔ اور سب سے پہلے جس نے قدم اٹھایا۔ وہ آپ کے بھائی عبداللہ تھے۔ آپ نے اپنے ہر بھائی کو میدانِ قتال میں بھیجتے وقت فرداً فرداً یہی فرمایا تھا۔ کہ "تقدم یا اخی حتی ارلك قتیلا واحتسبك فانه لا ولد لك" میرے عزیز بھائی، میدان میں جا کر اس طرح لڑو۔ کہ میں تمہیں خاک وخون میں تڑپتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں (انوار الحسینیہ ص ۶۸) چنانچہ آپ کے برادرانِ خوش اعتقاد میدان میں جا کر اسلام پر قربان ہو گئے۔ (البصار العین ص ۳۵)

علماء اور مؤرخین نے اس امر کی وضاحت میں کہ حضرت عباس نے اپنے سے اپنے بھائیوں کو جنگ گاہ میں بھیجنے پر مقدم کیوں کیا۔ ایسی چیزیں پیش فرمائی ہیں۔ جن سے حضرت

عباس کے کمال تدبر کا پتہ چلتا ہے۔ صاحب منافع الابرار ص ۳۲ میں لکھتے ہیں۔ کہ کارِ خیر میں عجلت کرنی چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ شیطان بہکا کر اس کی طرف سے رخ موڑ دے۔ علامہ برغانی مجالس المتقین کے ص ۳۷ پر لکھتے ہیں۔ ''حضرت عباس تا کید تمامی نے نمود کہ آں برادرانِ کوچک تر خود را پیش از خود شہید راہِ حسین نمایند۔ مبادا آنکہ بعد از او شیطان وسوسہ نماید وار فیض شہادت باز مانند الخ'' حضرت عباس نے بتاکید تمام اس بات کی کوشش۔ کہ ان کے بھائی ان سے پہلے حسین پر قربان ہو جائیں۔ اس لئے فرمائی۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان دل میں کسی قسم کا وسوسہ پیدا کر کے انہیں شرف شہادت سے باز رکھے۔ اور میں تو یہ سمجھتا ہوں۔ کہ حضرت عباس نے اپنے سے اس لئے مقدم رکھا۔ تا کہ میری شہادت ان کی نظروں کے سامنے نہ واقع ہو۔ کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ میرے مرنے سے ان کی ہمت ٹوٹ جائے۔ اور وہ شرف شہادت سے محروم رہ جائیں۔ اور امام حسین کی بدنامی ہو۔ کہ ان کے لشکر میں ایسے لوگ بھی تھے۔ جو میدانِ کارزار میں نہ آئے۔ اور اپنی جان بچالی۔''

راجہ سرکشن پرشاد صدر اعظم حکومت حیدر آباد اپنے رسالہ ''شہید کربلا'' طبع ۱۳۵۸ھ کے ص ۱۰ میں لکھتے ہیں۔ ''حضرت عباس اپنی شہادت کے لئے راستہ بنا رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ علمداری کا عہدہ جہاد کی اس وقت تک اجازت دینے پر مجبور نہ کرے گا۔ جب تک کوئی تلوار اٹھانے والا باقی رہے گا۔ الخ'' یعنی حضرت عباس نے اپنے بھائیوں کو جنگ کے لئے ابھار کر اس لئے جلد سے جلد شہید کرا دیا۔ تا کہ انہیں حوصلہ شہادت پورا کرنے کا موقع مل جائے۔ کیونکہ جب تک کوئی بھی باقی رہے گا۔ علمدارِ لشکر کو درجہ شہادت پر فائز ہونے کا موقع نہ ملے گا۔

بہر حال حضرت عباس نے کمال وفاداری کے جذبہ سے مجبور ہو کر اس امر کی کوشش فرمائی کہ تمام لوگ جلد سے جلد شہید ہو کر میرے لئے راستہ صاف کر دیں تا کہ میں امام حسین پر قربان ہو کر اپنے والد بزرگوار حضرت علی کی تمنا پوری کر دوں۔ میں کہتا ہوں کہ دنیا کا کوئی انسان ایسا ہوگا جو حضرت عباس کے اس جذبہ وفاداری کی قدر نہ کرے گا۔ لیکن ہمیں نہایت افسوس ہے کہ دنیائے اسلام کا ایک مؤرخ علامہ ابو جعفر محمد ابن جریر طبری اپنی کج فہمی اور تعصب کی وجہ سے لکھتا ہے۔ کہ حضرت عباس نے اپنے بھائیوں سے فرمایا۔ ''**تقدموا حتی ارثکم فانہ لا ولد لکم**'' الخ۔ اے میرے بھائیو عبداللہ، عثمان، جعفر، تم جلد سے جلد میدان جنگ میں جا کر شہید ہو جاؤ۔ تا کہ میں تمہاری میراث کا مالک بن جاؤں کیونکہ تمہارے کوئی اولاد نہیں ہے۔

(تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۵۷ طبع مصر)

اسی کی پیروی ابو الفرج نے مقاتل الطالبین میں کی ہے وہ لکھتا ہے ''**قدم اخاہ**

جعفر بین یدیه لانه لم یکن له ولد لیحوز میراثه العباس" جعفر کو شہادت کے لئے حضرت عباس نے بھیج دیا۔ تاکہ ان کی میراث کے مالک بن جائیں۔ علامہ عبدالرزاق مولوی کتاب "قمر بنی ہاشم" طبع نجف اشرف کے ص ۵۰ پر لکھتے ہیں۔ کہ ان دونوں مورخین نے عجیب و غریب بات کہی ہے۔ کجا حضرت عباس کی شخصیت اور کجا بھائیوں کی میراث۔ میں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ ان دونوں مورخوں نے یہ کیونکر کہہ دیا کہ حضرت عباس اپنے بھائیوں کی میراث لینے کا خیال رکھتے تھے۔ کیونکہ یہ تو معمولی آدمی بھی جانتا ہے۔ کہ ماں کی موجودگی میں بھائی کو بھائی کی میراث میں سے کچھ نہیں ملا کرتا۔ کیا وہ حضرت عباس جو آغوشِ امامت میں پرورش پا چکے تھے۔ اور جن کا علمی پایہ بے انتہا بلند ہے۔ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ شرعاً مجھے ان کی میراث کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اور پھر ایسے موقع پر جب کہ وہ جانتے تھے۔ کہ اب چند منٹوں میں میں بھی درجہ شہادت پر فائز ہو جاؤں گا۔ اور یہ سوچنے کی بات ہے۔ کہ کوئی شخص بھی کسی کو اس طرح مرنے کے لئے نہیں ابھارا کرتا۔ کہ تم جاؤ، قتل ہو جاؤ۔ تاکہ میں تمہاری میراث کا وارث بن جاؤں۔ چہ جائیکہ حضرت عباس جو جامعہ نبوت کے تعلیم یافتہ اور مدرسہ امامت میں پڑھے ہوئے تھے۔ اور جنہوں نے باپ اور بھائی کی آغوش میں تربیت پائی تھی۔ اور ان سے معارف سیکھے تھے۔ یہ باور کرنا چاہئے کہ حضرت عباس نے اپنے بھائیوں کو میدان میں بھیجنے میں اس لئے جلدی کی تھی۔ تاکہ امام حسینؑ پر یہ ثابت کر دیں۔ کہ میرے بھائی آپ سے کس درجہ انس رکھتے ہیں۔ اور کس طرح آپ پر قربان ہونے کو بے چین ہیں اسی لئے آپ نے فرمایا تھا۔ "تقدموا حتی ارلکم قد نصحتم لله ورسوله الخ" میدان میں میرے سامنے جاؤ تاکہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ میں قربان ہو گئے۔ یعنی آپ کا مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ جلد سے جلد اجر شہادت حاصل کر لیں۔ ابوحنیفہ دینوری لکھتے ہیں کہ حضرت عباس نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا "تقدموا بنفسی اتنم وحاموا عن سیدکم حتی تمرتوادونه فتقدموا جمیعا فقتلوا" میرے بھائیو! میں تم پر فدا ہوں۔ اپنے سردار امام حسینؑ کی حمایت کے لئے نکل پڑو۔ اور ان کے سامنے جان دے دو۔ یہ سن کر سب کے سب میدان میں گئے۔ اور اپنے کو قربان کر دیا۔

میرا خیال ہے کہ جن لوگوں نے میراث کا حوالہ دیا ہے انہیں لفظ "لاولدلکم" سے دھوکا ہوا ہے۔ حالانکہ موقع گفتگو پر نظر کرنے کے بعد یہ دھوکا ہونا نہیں چاہئے تھا۔ اور اس سے سمجھنا چاہئے تھا۔ کہ تمام مورخین نے جو یہ سمجھا ہے کہ "برائے شما عقب و اولاد نیست تا غم آنہارا نخورید" یہی درست ہے۔ اس کے علاوہ علامہ عبدالحسین حلی نے یہ احتمال کیا ہے کہ شاید "ارزئکم" کے بجائے "ارئکم" غلطی

سے لکھا گیا ہو اور علامہ شیخ آغا بزرگ نے یہ احتمال ظاہر فرمایا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ تاریخ میں "ارثیکم" کے بجائے "ارثکم" غلطی سے آ گیا ہو۔ یعنی احتمال اوّل کی بنا پر مقصد یہ ہے۔ کہ حضرت عباس نے فرمایا کہ تم مرنے کے لئے جاؤ۔ تاکہ میں تمہارا غم برداشت کر کے ثواب کا مستحق بنوں۔ اور احتمال ثانی کی بنا پر مقصد یہ ہے کہ حضرت عباس نے اپنے بھائیوں سے کہا۔ کہ تم مرنے کے لئے جاؤ تاکہ میں تم پر نوحہ و ماتم کروں اور تمہارا مرثیہ کہوں۔ یعنی تم پر رونے کا حق ادا کروں کیونکہ تمہارے کوئی اولاد تو ہے نہیں جو تمہارا غم منائے گی۔ (النقد لزیہ ج ا ص ۹۹ الذریعہ الی تصانیف الشیعہ)

فرزندانِ حضرت عباس کی جانبازی اور شہادت

فرزند وفادار کے ہوتے ہیں وفادار   مشہور جہاں میں ہیں وفادار علمدار

حضرت عباس علیہ السلام جو وفاداری میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ رزمگاہِ کربلا میں اپنے بھائیوں کو بھیجنے اور ان کے جام شہادت نوش کرنے کے بعد اپنے دونوں فرزندوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ جو کربلا میں موجود تھے۔ اور ان سے کہا۔ اے میرے نور چشمو! آج سرخرو ہونے کا دن ہے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ آج بڑی بڑی ہستیاں حمایتِ اسلام میں آغوش موت سے ہمکنار ہو گئیں۔ اور اب وہ وقت دور نہیں کہ میں بھی فرزند رسول پر قربان ہو کر حیاتِ ابدی حاصل کروں گا۔ اور اپنے پدر بزرگوار کی بارگاہ میں نہایت ہی سرخرو پہنچوں گا۔ تمہارا فریضہ ہے کہ موت کی طرف بڑھنے میں عجلت سے کام لو۔ ارباب مقاتل لکھتے ہیں کہ آپ نے سمجھا بجھا کر اپنے ایک بیٹے جناب فضل کو "ضم الی صدرہ وقبل ما بین عینیہ وقال" سینے سے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا۔ اے میرے نور نظر۔ تیری جدائی میرے لئے انتہائی شاق ہے۔ لیکن کیا کروں۔ کہ حسین کے مقابلہ میں میں تیری کوئی ہستی نہیں سمجھتا۔ اور تیری قربانی ضروری سمجھ کر اپنے دل سے تجھے جدا کر رہا ہوں۔ بیٹا اللہ حافظ میدان میں جاؤ۔ اور فرزند رسول پر اسلام کے نام پر قربان ہو جاؤ۔ یہ سن کر جناب فضل ابن عباس ماں سے رخصت ہونے کے لئے خیمے کے اندر گئے۔ اور مل جل کر فوراً باہر آئے۔ اور حاضر خدمت حسینی ہو کر عرض کی "ائذن لی یا عماہ بالبراز فقال له ابرز بارك الله فيك" چچا جان مجھے بھی جنگ کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ جواب ملا۔ بیٹا جاؤ۔ اللہ حافظ اجازت پاتے ہی آپ روانہ میدانِ کارزار ہو گئے۔

تیغیں کھنچی ہوئی تھیں عدو کی سپاہ میں   غل اقتلوا الحسین کا تھا رزمگاہ میں

حضرت عباس کا یہ نور نظر میدان میں پہنچا اور کمال جانبازی اور جوش شجاعت سے یہ رجز پڑھا۔

رجز: اقسمت لو کنتم لنا اعدادا و مثلکم و کنتم فرادی

اللہ کی قسم تم (میرے خون بہانے کے لئے) اتنے ہو یا اور زیادہ ہو یا اکیلے ہو (میرے لئے سب برابر ہے۔

یا اشر جیل سکنوا البلادا وشر قوم اظھروا الفسادا

اے اس زمین پر بدترین قیام کرنے والو۔ اور اے فساد کی آگ بھڑکانے والی شریر قومو

سنترك جمعکم شرادا ونرمی الرؤس عن الاجساد

(یاد رکھو) کہ میں عنقریب تمہاری ساری جمعیت کا شیرازہ بکھیر دوں گا اور سروں کو تن سے بے تکلف جدا کر دوں گا۔

رجز کے الفاظ ختم ہوتے ہی آپ نے دشمنوں پر دل ہلا دینے والے حملے شروع کر دیے۔ "ولم یزل یقاتل حتی قبل منهم مأتین و خمسین فارساً!" اور تھوڑی دیر میں ۲۵۰ دشمنوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا سلم خولانی ناقل ہیں۔ کہ فرزند عباس کمال جانفشانی سے اپنی جانبازی کے مظاہرے کر رہے تھے۔ اور دشمن کی ساری فوج تباہ ہوئی جا رہی تھی۔ کہ ناگاہ ایک شخص عظیم الخلقت جو کنارے کھڑا ہوا تمام ماجرا دیکھ رہا تھا۔ عقاب شکستہ بازو کی طرح ابن عباس پر یہ کہتا ہوا حملہ آور ہوا۔ کہ "واللہ لا قتلن ھذا الغلام فانی اراہ شجاعا" اللہ تعالیٰ کی قسم اسے میں قتل کروں گا۔ یہ تو بڑا بہادر معلوم ہوتا ہے۔ میں نے آگے بڑھ کر اس سے کہا۔ "الم تعلم قرابته من رسول الله" ارے تو جسے قتل کرنے کے لئے بڑھ رہا ہے۔ اس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت بھی جانتا ہے؟ "فلم یلتفت" لیکن اس نے میری بات پر بالکل کان نہ دھرا۔ اور فرزند عباس بن علی پر ایسی حالت میں جبکہ وہ مشغول جنگ تھے۔ "فضربه ضربة عظیمة" ایسی ضرب کاری لگائی کہ "یخور فی دمه" آپ اپنے خون میں لوٹنے لگے۔ اور آواز دی۔ "یا عماہ ادرکنی" چچا جان۔ خبر لیجئے۔ امام حسین فوراً دوڑ کر میدان میں پہنچے۔ اور دیکھا کہ آپ ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کی روح راہی جنت ہوگئی۔ "فبکی الحسین" یہ دیکھ کر امام حسین رو پڑے اور کہا۔ اے میرے بیٹے۔ تیری موت سے بے انتہا صدمہ پہنچا۔ "ثم حمله ووضعه بین القتلا" پھر ان کی لاش اٹھا کر لائے اور گنج شہیداں میں پہنچا کر واپس آ گئے۔

بعض ارباب مقاتل نے یوم عاشورا شہید ہونے والوں میں "محمد بن عباس" کی شہادت کا حوالہ دیا ہے لیکن میری نظر میں یہ ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ علامہ ابن شہر آشوب نے یقال کے ساتھ تذکرہ فرمایا ہے علامہ شیخ مفید اور دیگران کے جیسے علماء نے کوئی ذکر نہیں کیا۔ (۳) زیارت ناحیہ نیز تواریخ وانساب میں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ البتہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عباس کے فرزندوں میں سے کسی ایک کا دوسرا نام محمد رہا ہو۔ اور اسی نام سے شہادت کا حوالہ دیا گیا ہو۔ ۱۲ منہ

"فلما نظر القاسم قال یعزعلی فراقك" جب آپ کے حقیقی بھائی قاسم ابن عباس علمدار نے بھائی کی شہادت اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ تو بے چین ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ اب اے بھائی۔ تمہاری موت کے بعد میری زندگی حرام ہے۔ یہ کہہ آپ میدان کارزار کی طرف چلے۔ امام ابواسحاق اسفرائنی فرماتے ہیں "وله من العمر تسعة عشر سنة" کہ آپ جبکہ میدان کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔ آپ کی عمر ۱۹ سال کی ہے۔ غرضکہ آپ رزمگاہ کی طرف روانہ ہو کر میدان میں پہنچے۔ اور رجز کے یہ اشعار پڑھے۔

رجز: الیکم من بنی المختار ضربًا   یشیب لهوله الطفل الرضیع

میں تم پر نبی مختار کے صدقہ میں ایسا حملہ کروں گا۔ کہ تمہارا دودھ پیتا بچہ بھی خوف اور ہول کی وجہ سے بڈھا ہو جائے گا۔

الا یا معشر الکفار جمعا   بکل منهم خضب قطیع

اے سارے کفارو! سنو۔ میں تم میں سے ہر ایک کو ٹکڑے ٹکڑے کردوں گا۔

رجز پڑھنے کے بعد آپ نے ایک زبردست حملہ کیا۔ اس کے بعد پیہم حملے کرتے رہے۔ "حتی قتل منهم ثمان مائة" یہاں تک کہ آٹھ سو دشمنوں کو قتل کیا۔ بھوک اور پیاس۔ پھر زخموں کی شدت نے دبی ہوئی پیاس کی آگ کو اور بھڑکا دیا۔ آپ فوراً خدمت امام حسین میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی۔ چچا جان میری آنکھیں پیاس سے دھنس گئی ہیں۔ "ادرکنی بشربة من ماء" مجھے تھوڑا سا پانی عنایت فرمائیں تاکہ میں دشمنوں سے لڑنے کے پھر قابل ہو جاؤں۔ یہ سن کر مجبور امام نے فرمایا۔ بیٹا' تھوڑی دیر اور صبر کرو تمہیں تمہارے جد نامدار حضرت محمد مصطفےٰ صلعم ایسے جام سے سیراب کریں گے۔ کہ پھر تم کو کبھی پیاس نہ لگے گی۔ یہ سن کر قاسم ابن عباس پھر میدان کارزار کی طرف واپس گئے۔ اور دشمنوں میں حملہ کیا۔ اس حملہ میں آپ نے "قتل منهم عشرین فارسا" ۲۰ سواروں کو قتل کیا۔ "ثم استشهد" اور شہید ہو گئے امام حسین کو اطلاع ملی۔ آپ میدان کی طرف تشریف لے گئے۔ دشمنوں نے قریب پہنچنے سے مزاحمت کی آپ نے حملہ کیا۔ اور چار سو دشمنوں کو قتل کر کے "حمله ووضعه بین القتلا" آپ ان کی لاش اٹھا لائے۔ اور گنج شہیداں میں داخل کر دیا۔ ملاحظہ ہو نور العین فی مشہد الحسین۔ امام الفرائنی ص ۶۲۔۶۱ طبع ۱۲۹۲ھ مائتین ص ۷۷۔ خلاصۃ المصائب ص ۱۰۲ طبع لکھنؤ ۱۲۹۳ھ چہل مجلس ص ۷۱۳ طبع لکھنؤ ۱۲۹۷ھ توضیح عزا ص ۲۲۰

جناب قاسم ابن الحسن کی روانگی اور ازرق شامی کا حضرت عباس کے متعلق سوال

حضرت عباس کے بھائیوں اور بیٹوں کی شہادت کے بعد حضرت قاسم ابن الحسن چچا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئے۔ چچا جان۔ مجھے مرنے کی اجازت دیجئے۔ آپ نے فرمایا بیٹا' یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ عرض کی چچا جان پھر کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ میں زندہ موجود رہوں۔ ارشاد ہوا۔ "یا ولدی اتمشی بر جلك الی الموت" کیا بیٹے۔ اپنے پیروں سے موت کی طرف جانا چاہتا ہے۔ عرض کی حضور بے شک جانا چاہتا ہوں۔ فرمایا اچھا جاؤ۔ اللہ حافظ ہے۔ پھر آپ نے انہیں سینے سے لگایا۔ اور روانہ کر دیا۔ آپ نے کمسنی کے باوجود میدان میں جا کر شاندار نبرد آزمائی کی۔ اور بڑے بڑے بہادروں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ آپ کے میدان میں پہنچنے کے بعد ازرق شامی سے کہا گیا۔ جو ایک ہزار سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ کہ تو قاسم ابن الحسن کے مقابلہ میں جا کر جنگ کر۔ اس نے کہا کہ عباس ابن علی کہاں ہیں۔ جب وہ آئیں۔ تو مجھے ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا جائے۔ یہ تو چند سالوں کا لڑکا ہے۔ میں اس کے مقابلہ میں جانا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ الغرض جب آپ نے ۳۵ / ۳۰ پیادوں اور پچاس سواروں کو قتل کیا۔ تو ازرق شامی مقابل میں آ گیا۔ آپ نے فرمایا او ازرق مجھے لڑکا نہ سمجھ۔ میں اس کا پوتا ہوں۔

جس نے گہوارہ میں چیرا اژدر نام طفلی ہی میں پایا حیدر

الغرض ارزق شامی سے تھوڑی دیر جنگی جھڑپ ہوتی رہی۔ اس کے بعد

بولے قاسم او اسلام کے ننگ ختم کرتا ہوں اب دیکھ میں جنگ

تیرے گھوڑے کا ڈھیلا ہوا تنگ

دیکھنے جو لگا جھک کے غدار بڑھ کے قاسم نے ایسا کیا دار

کٹ کے سر جا پڑا سوئے کفار

اس ملعون کے سر کا کٹنا تھا۔ کہ لشکر میں ہلچل مچ گئی۔ دشمنوں کے دل چھوٹ گئے۔ اور آپ کے طرفداروں نے ہمت افزائی کرنی شروع کی۔

بولے عباس شاباش بیٹا کفر کا نام دنیا سے مٹا

اس کے بعد قاسم پیاس سے بے چین ہو کر خیمہ کی طرف تشریف لے گئے۔ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی۔ چچا جان! "ادر کنی بشربة من الماء" مجھے تھوڑا

پانی عنایت فرمائیے۔"فصبره الحسين واعطاه خاتمه" امام حسین نے صبر کی تلقین فرمائی۔اور اپنی انگوٹھی ان کے منہ میں دے کر فرمایا۔جاؤ بیٹا۔اللہ حافظ۔آپ میدان میں پھر تشریف لائے۔ دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔تیر برسائے' نیزے لگائے' پینتیس تیر جسم میں چبھے اور شیبہ ابن سعد شامی نے ایک ایسا نیزہ پشت کی جانب سے لگایا۔جو سینے کے پار ہو گیا۔اور آپ زمین پر تشریف لائے۔اور خون میں تڑپنے لگے۔امام حسین کو آواز دی۔اور ان کے پہنچنے سے پہلے زندگی ہی میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر دیے گئے۔(دمعہ ساکبہ ص ۳۳۵۔تاریخ احمدی ص ۲۸۶ بحوالہ تاریخ کامل' مقتل ابی مخنف ص ۱۰۲ شہید اعظم ص ۱۹۸ طبع دہلی۔شاہ یثرب ص ۸۱ طبع لاہور)

حضرت عباس اور جناب علی اکبر میں سبقت شہادت کے لئے گفتگو

حضرت قاسم ابن الحسن کی شہادت کے بعد حضرت عباس امام حسین کی خدمت میں حاضر ہو کر اذن جہاد مانگنے لگے۔بعض روایات میں ہے۔"انه لما قتل قاسم ابن الحسن عليه السلام ورائى العباس ذالك وان و حن والى لقاء ربه اشتاق" کہ جب حضرت قاسم بن الحسنؑ درجہ شہادت پر فائز ہو چکے۔اور بدن نازنین اس ماہ جبین کا پامال سم اسپاں ہو چکا۔اور عباس بن علیؑ نے اس مصیبت عظیم کو بچشم خود ملاحظہ کیا۔بے انتہا روئے۔اور آہ سرد دل پر درد سے کھینچ کر آمادہ شہادت ہوئے۔"فحمل الراية وقال لاخيه الحسين يا بن رسول الله هل من رخصة فبكى الحسين وقال له يا اخى كيف اذن لك وانت حاصل لوائى وملائة من عسكرى" اور علم سعادت شیم لے کر حاضر خدمت حسین ہوئے۔ اور عرض کی۔مولا! اب مجھے مرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔امام حسین نے جواب دیا۔اے عباس میں تمہیں کیونکر اجازت دوں۔تم تو میرے علمبردار اور میرے لشکر کی جان ہو۔حضرت عباس نے عرض کی۔میرے سردار' اب بہت دل تنگ ہو چکا ہوں۔اب میں قربان ہی ہو جانا چاہتا ہوں۔ابھی دونوں بھائیوں میں یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی۔کہ حضرت علی اکبر علیہ السلام آ گئے۔ روایت میں ہے"لما قتل اصحاب الحسين كلهم ولم يبق منهم غير العباس و على ابن الحسين" کہ جب امام حسین کے تمام اعزہ واقربا شہید ہو چکے اور حضرت عباس اور علی اکبر کے سوا کوئی باقی نہ رہا۔تو حضرت عباس اجازت جہاد لینے کے لئے حاضر ہوئے۔جناب علی اکبر نے عرض کی۔چچا جان! یہ نہیں ہو سکتا آپ میرے پدر بزرگوار کے قوت بازو اور علمدار لشکر ہیں۔یہ کیسے ہو سکتا ہے۔کہ آپ مجھ سے پہلے شہید ہو جائیں۔حضرت عباس نے فرمایا۔آقا زادے۔یہ درست ہے۔لیکن اب مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔کہ میں تمہارا داغ اٹھاؤں۔اب تو یہی

بہتر سمجھتا ہوں۔ کہ میں جام شہادت سے سیراب ہو کر بابا جان کی خدمت میں سرخرو پہنچوں۔ علمدار لشکر اور شبیہ پیغمبر کی گفتگو حضرت امام حسین سن رہے ہیں۔ اور خاموش کھڑے آنکھوں سے آنسو بہا رہے ہیں۔ کہ ناگاہ حضرت عباس آگے بڑھے۔ اور کمال منت و سماجت سے رخصت چاہی۔ حضرت نے علی اکبر سے کہا۔ بیٹا اب چچا کو ناراض نہ کرو۔ اور حضرت عباس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ "یا اخی قد کظنی العطش" بھیا پیاس مارے ڈالتی ہے۔ اور بچوں کے جگر کباب ہو گئے ہیں تم سب سے پہلے پانی لاؤ۔ "فرکض العباس الی خیم النساء فتناول منها القربة" حضرت عباس خیمہ اہل حرم کی طرف روانہ ہوئے۔ اور ایک مشکیزہ لے کر نہر فرات کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ مؤرخین کا بیان ہے۔ "فرکب فرسه واخذ رمحة والقربة وقصد نحو الفرات" حضرت عباس مشک و علم لے کر گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اور فرات کی طرف روانہ ہو گئے (دمعہ ساکبہ ص ۳۳۷ بحار الانوار ج ا ناسخ التواریخ ج ۶ مقتل ابی مخنف۔ ارشاد مفید۔ خلاصۃ المصائب ص ۱۰۶ توضیح عزا ص ۲۲۴ طبع لکھنؤ)

حضرت عباس کی جانبازی اور شہادت

پیاسے بچوں کے لئے بھی تھے بڑی آس عباس
خالی کوزے لئے کہتے تھے کہ "عباس عباس"

(منظر بہاری)

الارشاد والعزا ترجمہ المواعظ والبکا ص ۱۲۴ میں ہے۔ کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حال تھا۔ کہ کبھی امام حسین علیہ السلام کے خاص خاص مقامات کو بوسہ دیا کرتے تھے۔ اور روتے تھے کبھی سرکار سید الشہداء کے سر کے مقام کو چومتے تھے اور روتے تھے۔ کبھی آپ کے شکم اطہر کو برہنہ کر کے دل کے مقام کو بہت بہت چومتے تھے اور روتے تھے۔ ان چار اعضا پر خاص طور سے بوسہ دیتے تھے۔ بعض اوقات آپ کا چومنا کسی خاص اعضا سے مخصوص نہ تھا۔ امام مظلوم علیہ السلام بچے تھے۔ ابھی پاؤں پر کھڑے نہ ہو سکتے تھے۔ جناب امیر علیہ السلام کو حکم دیا۔ کہ حسین کو پکڑ رکھیں۔ اس وقت آپ تمام جسم کو چوم رہے تھے اور رو رہے تھے۔ لوگوں نے عرض کی۔ آپ چومتے اور روتے کیوں ہیں۔ فرمایا "اقبل مواضع السیوف" میں تلوار کے ضربات کے مقامات کو چوم رہا ہوں۔ الخ کتاب قمر بنی ہاشم فارسی ص ۲۱ میں ہے۔ کہ ایک دن جناب ام البنین نے حضرت علی علیہ السلام کو دیکھا کہ اپنے زانو پر حضرت عباس کو بٹھائے ہوئے ان کے ہاتھ اور کلائیوں کو بوسہ دے رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ روتے جا رہے ہیں۔ ام البنین نے یہ نرالی

حالت دیکھ کر حضرت علی سے پوچھا۔ کہ حضور میں نے کسی باپ کو اپنے بیٹے سے اس طرح پیار کرتے نہیں دیکھا۔ آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔ اور اس کا سبب کیا ہے۔ حضرت علی نے واقعہ کربلا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قدرے حالات پر روشنی ڈال دی۔ اور کہا۔ ام البنین، نصرت حسین میں ان کے دونوں ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ یہ سننا تھا۔ کہ ام البنین چیخ مار کر روئیں۔ اور ان کے ساتھ وہ سب لوگ رونے لگے جو گھر میں موجود تھے۔ پھر حضرت علی نے کہا۔ اے ام البنین تم کو معلوم ہونا چاہئے۔ کہ عباس کے اس عمل مواسات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں بڑا درجہ دے گا۔ اے ام البنین انہیں خدا دونوں ہاتھوں کے عوض ملائکہ کے ساتھ جنت میں پرواز کے لئے اسی طرح دو پر دے گا۔ جس طرح جعفر طیار شہید موتہ کے لئے عطا ہوئے ہیں۔

دراصل یہ دونوں بزرگوں کی عملی پیشین گوئیاں اپنے بیٹوں کے بارے میں سچے خواب کی تعبیریں بن کر کربلا کے چٹیل میدان میں ظاہر ہو رہی ہیں۔ عاشورہ کا دن ہے۔ آج امام حسین کا جسم تیروں، تلواروں اور نیزوں کی نذر ہوگا۔ اور حضرت عباس کا جسم بھی تیروں، تلواروں اور نیزوں کی مہمان نوازی کرے گا۔ اب دن ڈھلنے کے قریب ہے۔ حضرت عباس بن علی علمدار کربلا۔ اصحاب حسین، اعزہ و اقرباء اور اپنے بھائیوں، بیٹوں وغیرہم کی شہادت سے حد درجہ متاثر ہو کر سیّد الشہداء کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں۔ لیجئے۔ آپ آ گئے۔ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی بارگاہ میں دست بستہ عرض پرواز ہیں۔ "**یا اخی ھل من رخصۃ**" اے میرے سیّد سردار برادرِ نامدار۔ کیا مجھے اجازت ہے۔ کہ میں میدان میں جا کر آپ پر سے قربان ہو جاؤں۔ "**فبکی الحسین بکاء شدیدا**" یہ سن کر حضرت امام حسین صبر کی منزل کمال پر فائز ہونے کے باوجود رو پڑے اور فرمایا۔ اے میرے برادر بجان برابر "**انت صاحب لوائی و اذا مضیت تفکرق عسکری**" تم میرے لشکر کے علمبردار ہو۔ اگر تم ہم سے چلے گئے۔ تو ہمارا سارا لشکر ختم ہو جائے گا۔ حضرت عباس نے دست بستہ عرض کی۔ حضور یہ سب سچ ہے۔ لیکن کیا کروں۔ "**لقد ضاق صدری و سمئت من الحیواۃ**" اب اس دنیا اور زندگانی دنیا سے دل بہت ہی تنگ ہو گیا ہے۔ اب تو صرف یہی جی چاہتا ہے کہ ان دشمنانِ اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے جوانانِ بنی ہاشم اور اصحاب باصفا کے خون کا بدلہ لے کر آپ پر سے قربان ہو جاؤں۔ صاحب ناسخ لکھتے کہ حصولِ اذن میں حضرت عباس نے امام حسین کی بڑی خوشامد کی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اے بھائی اگر اب تم ہم سے جدا ہی ہونا چاہتے ہو تو "**فاطلب لھولاء الاطفال قلیلا من الماء**" ان دل جلے رسول ﷺ اسلام کے بچوں کی خاطر ایک دفعہ پانی کی پھر سعی

کرو۔ حضرت عباس مشک وعلم لے کر سمعاً وطاعۃً کہتے ہوئے دشمنان اسلام کی طرف جا نکلے اوران سے حصول آب کی ہر ممکن سعی کی۔ آپ نے وعظ بھی فرمایا اورانہیں ڈرایا بھی۔ مگر (ع) ''نزد میخ آہنی درسنگ'' پتھر میں جونک نہ لگی۔ اور سنگ دل نہ پسیجے۔ جب آپ وعظ وموعظہ فرما کر مایوس واپس آئے۔ تو حضرت امام حسین نے فرمایا۔ کہ بھیا۔ اب اتمام حجت کے لئے میرا آخری پیغام اس لشکر بے ہنگام تک پہنچادو (دمعہ ساکبہ ص ۳۴۷۔ بحار الانوار ج ۱ص ۲۲۳۔ ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۹۰ ابصار العین ص ۴۶)

حضرت عباس کے ذریعہ سے امام حسین کا آخری پیغام:

امام حسین کے حسب الحکم حضرت عباس علیہ السلام پھر میدان قتال کی طرف روانہ ہوئے۔ اوروہاں پہنچ کر بروایت زہیر ''**فنادی باعلی صوتہ کانہ صوت امیر المومنین**'' آپ نے حضرت علی کی آواز سے دشمنوں کو پکار کر کہا۔ کہ فرزند رسول الثقلین حضرت امام حسین علیہ السلام نے میرے ذریعہ سے اتمام حجت کے لئے یہ آخری پیغام بھیجا ہے۔ اسے غور سے سنواوراس پر عمل کرنے کی کوشش کرو۔ تمہیں اللہ تعالیٰ اوررسول اللہ ﷺ کو منہ دکھانا ہے۔ دیکھووہ فرماتے ہیں۔ ''**دعونی اخرج الی طرف الروم او الھندوا خلی لکم الحجاز والعراق**'' مجھے چھوڑ دو میں تمہارے حدود مملکت سے نکل کر روم یا ہندوستان کی طرف چلا جاؤں اورتمہارے پھیلنے کے لئے حجاز اور عراق کو ہمیشہ کے لئے خالی کردوں گا۔ آقائے دربندی لکھتے ہیں کہ حضرت عباس نے یہ بھی فرمایا۔ کہ ''عہد مے نمایم کہ درروز قیامت مخاصمہ نکنم نزد خدائے تعالیٰ'' میں اس کا وعدہ کرتا ہوں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تم سے تعارض نہ کروں گا۔ (جواہر الایقان ص ۲۰۲ ونہج الاحزان ص ۱۲۳ وفخرن البکاء مجلس ۸ تحفہ حسینیہ ص ۱۷۸ معراج الشہادت ص ۱۱)

روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب حضرت عباس علمدار میدان جنگ میں پہنچے۔ تو انہوں نے گھوڑے کو روک لیا۔ اور دشمنوں سے مخاطبہ کرکے کہا۔ کہ اے قوم۔ فرزندِ رسول اللہ ﷺ فرماتا ہے۔ کہ میرے بھائیوں اورہواخواہوں کو تم نے قتل کرڈالا۔ اب کم ازکم تم اتنا کرو۔ کہ ہم کو تھوڑا پانی دےدو۔ تاکہ بچے اورعورتیں شدت تشنگی سے ہلاک نہ ہوں۔ اوراگر پانی بھی نہ دو۔ تو راستہ دےدو۔ کہ اپنے پسماندگان کو لے کر بلادروم یا ہند کی طرف چلا جاؤں۔ حضرت عباس کا یہ پردرد کلام سن کر بعض تو خاموش رہے۔ اوراکثر زارزار رونے لگے۔ لیکن شمر ابن ذی الجوشن اورشیث ابن ربعی نے سامنے آکر کہا۔ کہ اے علی کے بیٹے جاکر اپنے بھائی سے کہو۔ کہ اگر

تمام روئے زمین پانی ہوکر ہمارے تصرف میں آ جائے تب بھی ہم اس میں سے ایک قطرہ تم کو اس وقت تک نہ دیں گے جب تک تم یزید کی بیعت نہ کرو گے۔ حضرت عباس دشمنوں پر نفرین کرتے ہوئے واپس آئے۔ اور جو کچھ شمر وغیرہ نے کہا تھا۔ اس کو انہوں نے امام حسین کی خدمت میں عرض کیا۔ امام حسین نے فرط غم سے اپنا سر جھکا لیا (تاریخ احمدی ص ۲۸۸)

علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ اسی قسم کے اہم واقعات سے متاثر ہو کر امام حسین نے فرمایا تھا "**اللهم سلط عليهم غلام ثقيف يسقيهم كاسا مصبرة**" خدایا۔ ان پر بنی ثقیف کے ایک شخص (مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی) کو مسلط کر کہ وہ ہمارا بدلہ لیتے ہوئے انہیں تلخ جام پلائے۔ (الدمع الهتون ترجمہ جلاء العیون ج ۲ ص ۴۶۹ باب ۵ فصل ۱۴ طبع ایران و دمعہ ساکبہ ص ۳۲۸ بحوالہ بحار الانوار)

علامہ کنتوری لکھتے ہیں کہ حضرت کی دعا خالی نہ گئی۔ اور مختار نے تھوڑے ہی عرصہ میں شہدائے کربلا کا اپنی بساط بھر بدلہ لیا۔ اور آپ کے ساتھ ان لوگوں نے بھی فریضہ حمایت ادا کر لیا۔ جو علالت کی وجہ سے حاضر کربلا نہ ہو سکے تھے۔ جیسے محمد حنیفہ۔ انہوں نے واقعہ شہادت کے بعد مدینہ منورہ کو خیر باد کہہ کر جنگل بسا لیا تھا۔ جب مختار نے خروج کیا۔ تو یہ ان کے ساتھ نمودار ہوئے۔ (مائتین ص ۸۰۳)

حضرت عباس اور امام حسین کا ایک ساتھ میدان میں جانا:

الغرض حضرت عباس علیہ السلام نے امام حسین کے پیغام کا جواب سنایا اور آپ انتہائی رنج کی وجہ سے سر جھکا کر خاموش کھڑے ہوئے تھے اور حضرت عباس آپ کے سامنے تھے۔ کہ ناگاہ خیمہ سے العطش کی صدا بلند ہوئی۔ یہ ایسی آواز تھی۔ جس نے امام حسین اور حضرت عباس پر اتنا گہرا اثر کیا۔ کہ دونوں کے دونوں نہر فرات کی طرف دوڑ پڑے۔ مؤرخین لکھتے ہیں "**فركب المسناة يريد الفرات و بين يديه اخوه العباس**" امام حسین علیہ السلام مسنات یعنی اس ناقہ رسول ﷺ پر سوار ہو کر چلے جو آپ کے لئے آپ کے پاس موجود تھا (شرح ارشاد مفید ص ۳۸۵ و ناسخ ج ۲ ص ۲۶۸) اور آپ کی روانگی اس طرح ہوئی کہ آپ کا جان نثار برادر آپ کے آگے آگے تھا۔ غرضکہ امام حسین نہایت تیزی سے نہر فرات کی طرف چلے۔ "**فاعترضه خيل ابن سعد و فيهم رجل من بنى دارم**" یہ دیکھ کر ابن سعد کا لشکر آپ کو روکنے کے لئے بڑھا۔ اس لشکر میں ایک شخص بنی دارم کا تھا۔ جس نے پکار کر کہا "لوگو! کیا دیکھتے ہو۔ پانی اور حسین کے درمیان حائل ہو جاؤ۔" **ولا تمكنوه من**

الماء" اورانہیں پانی نہ لینے دو۔ امام حسین نے فرمایا "اللھم اظمأہ" خدایا اسے پیاس کا مزہ چکھا۔ یہ سن کر اس نے ایک تیر آپ کی طرف رہا کیا۔ جو آپ کے گلوئے مبارک پر لگا۔ آپ نے اسے نکال کر پھینک دیا۔ اور گلے کے نیچے چلو لگایا۔ جب وہ خون سے بھر گیا۔ تو خون کو بھی زمین پر پھینک دیا۔ اس کے بعد فرمایا۔ پالنے والے تو دیکھتا جا۔ میرے ساتھ کیا کیا ہو رہا ہے اس کے بعد آپ واپس آئے۔ اور اب آپ کی پیاس بہت بڑھ چکی تھی

(اعلام الوری ص ۱۴۶ طبع ایران و لہوف ص ۳۴۵ طبع ایران۔ تاریخ ابو الفدا ج ا ص ۱۹۱ طبع مصر)

علامہ محمد باقر قائنی خراسانی بحوالہ روضۃ الصفا لکھتے ہیں۔ کہ حضرت امام حسین جس طرف حملہ کرتے تھے۔ عباس آپ کے آگے آگے حملہ آور ہوتے تھے۔

(کبریت احمر ص ۹۳ طبع ایران ۱۳۴۳ھ)

حضرت عباس کی مار وابن صدیف تغلبی سے جنگ

تیر لگنے کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام خیمہ کو واپس تشریف لے گئے۔ اور حضرت عباس جو پانی لانے ہی کے قصد سے روانہ ہوئے تھے۔ آگے بڑھتے چلے گئے۔ دشمن اگرچہ آپ کو گھیرے ہوئے تھے۔ لیکن آپ کی پیش قدمی نہ رکی۔ آپ کشتوں کے پشتے لگاتے ہوئے کافی دور نکل گئے۔ اور آگے بڑھ کر یہ رجز پڑھا۔

نحن الفواضل نسل الھا شمیات   نسفك دمائكم لحدالمشرقيات

ہم نسل ہاشمی کے وہ جلیل القدر لوگ ہیں۔ جو چمکدار اور تیز تلواروں سے تمہارے خون بہانے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

یا ال اللئام وابناء الراعیات   یاجدنا لوترے هذی الرزیات

اے کمینو اور رذیلو اور بکریاں چرانے والیوں کی اولاد۔ اللہ تعالیٰ تمہیں غارت کرے۔ اے جد نامدار۔ کاش آپ ہم پر نازل ہونے والے مصائب کو ملاحظہ فرماتے۔

یا خیر عصبة قد جادت بانفسها   حتی نموت فی ارض الغاضریات

اے بہترین گروہ جو مقام غاضریہ ہیں اپنی جان عزیز پر کھیل گئے۔

الموت تحت ذباب السیف مکرمة   اذا کان من بعده ایقان خیاق

تلواروں کے سایہ میں موت کا آنا بڑی کرامت ہے خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ جنت میں جانے کا یقین کامل ہو۔

لا سافن علی الدنیا ولذتها　　　فاق جدی یغفر کل زلات

اے مرنے والو دنیا اور لذت دنیا پر تاسف نہ کرنا کیوں گناہوں کا بخشا جانا یہ بڑی بات ہے اور ہمارے جد شفیع محشر ہیں۔

ان اشعار کے پڑھنے میں لشکر مخالف آپ پر ٹوٹ پڑا۔ آپ نے شجاعت علویہ کے جوہر دکھائے۔ بڑے بڑے بہادر فنا کے گھاٹ اتر گئے۔ ماردابن صدیف تغلبی نے جو بہادری کا یہ رنگ دیکھا۔ تو جھنجھلا کر کہنے لگا۔ کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ اور تم لوگ کیا کر رہے ہو۔ ارے ایک بہادر سارے لشکر کو قتل کیئے ڈالتا ہے۔ اگر تم اس کے اوپر ایک ایک مٹھی خاک ڈالو تو یہ اسی میں دب کر اسی وقت مر جائے۔ مگر افسوس تمہاری کچھ بنائے نہیں بنتی۔ اس کے بعد بآواز دہل چیخ کر بولا۔ ایہا الناس۔ میں کہتا ہوں کہ جس کے گلے میں بیعت یزید کا طوق ہے۔ اور جو اس کے احاطہ بیعت میں موجود ہے۔ فوراً اس لشکر سے الگ ہو جائے۔ کہ میں تن تنہا اس نوجوان کے لئے کافی ہوں۔ جس نے بڑے بڑے ناموران لشکر کو فنا کر ڈالا ہے۔

جب یہ متکبرانہ آواز شمر بن ذی الجوشن کے کانوں تک پہنچی۔ تو اس نے فوراً کہا کہ اچھا تو ہی لڑ۔ ہم لوگ ہٹے جاتے ہیں۔ اور جنگاہ سے اپنا قدم سرکائے لیتے ہیں۔ اور یزید کو سارے واقعہ کی خبر کیے دیتے ہیں۔ اس کے بعد شمر نے اپنے لشکریوں کو حکم دیا۔ کہ وہ لوگ فوراً الگ ہو جائیں۔ یہ حکم پاتے ہی سارے لشکر والے پہلو تہی کر کے بیٹھ رہے۔ اور دور سے تماشہ دیکھنے لگے۔

ماروابن صدیف فیل مست کی طرح جھومتا ہوا۔ حضرت عباس علیہ السلام کی طرف تن تنہا چلا۔ اس کے بدن نجس پر آہنی زرہ اور سر پر فولادی خود تھا۔ اور ایک اسپ اشقر پر سوار تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں ایک نہایت ہی لمبا نیزہ تھا۔ حضرت عباس علیہ السلام نے جب یہ ملاحظہ فرمایا۔ کہ ماردتن تنہا آ رہا ہے۔ آپ فوراً اس کی طرف بڑھے۔ اور اس سے بالکل متصل ہو گئے۔ وہ غرور کا مارا فوراً چلا کر بولا۔ کہ اے نوجوان خیریت اسی میں ہے۔ کہ تو اپنے ہاتھ سے تلوار پھینک دے۔ اور فن سپہگری کے رموز کو ظاہر کر۔ وہ لوگ جو پہلے لڑنے آئے تھے۔ وہ سب نہایت ہی سست اور تیرے اوپر رحم کرنے والے تھے۔ لیکن میں ایسا شخص ہوں۔ کہ خداوند عالم نے میری اصل خلقت سے نرمی اور خدا ترسی کو نکال ڈالا ہے۔ اور اس کے عوض میں شقاوت اور عداوت میرے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ اے نوجوان (عباس) یاد رکھ کہ میں وہ ہوں کہ جس پر حملہ آور ہوا۔ اس کو ذلیل کر چھوڑا۔ جس پر تلوار اٹھائی۔ اس کو فنا کر ڈالا۔ اب تیری جوانی اور ملاحت پر جب نظر کرتا

ہوں۔ طبیعت میں نرمی دوڑ جاتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تجھے تہ تیغ کر ڈالوں۔ لہٰذا میں تجھ سے کہتا ہوں۔ کہ تو رزم گاہ کی زمین کو دم بھر میں چھوڑ دے۔ اور یہاں سے چلا جا۔ اور اپنے اچھے خاصے نفس کو ضائع و برباد نہ کر۔ دیکھ (عقلمنداں را اشارہ کافی است) عقلمندوں کے لیے اشارہ کافی ہے۔ یعنی ابھی کہہ رہا ہوں کہ چلا جا۔ اگر عقل سے کام لیا۔ تو تو بچ جائے گا۔ ورنہ تیرا بچنا بہت ہی دشوار ہے۔ اے نوجوان۔ آج سے قبل میں نے کبھی رحم استعمال نہیں کیا ہے۔

حضرت عباس کے متعلق مارد کے اشعار:

اس کے بعد مارد ابن صدیف نے حسب ذیل اشعار کو (اپنے زعم ناقص میں) حضرت عباس کے لئے نصیحۃً پڑھا۔

نصحتك ان قبلت نصيحتي خوفا عليك من الحسام القاطع

(اے عباس ابن علی) میں تم کو کاٹنے والی تلوار کی ضرب سے ڈرا کر نصیحت کرتا ہوں۔ اگر تم میری نصیحت کو قبول کرو گے (تو اچھے رہو گے)

مارق قلبي في الزمان على فتى الا عليك فكن لقولي سامع

ابتدائے زمانہ سے آج تک تمہارے علاوہ کسی جوان پر میرا قلب نرم نہیں ہوا (دیکھو) میرے اس قول کو کان دھر کے سنو۔

واعظ انقياد او غد عيش الا اذوقك من عذاب واقع

دیکھو میں تم کو اطاعت کی نصیحت کرتا ہوں۔ اگر طوق اطاعت گردن میں ڈال لو گے تو بڑے مزے کی زندگی بسر ہوگی نہیں تو میں تم کو سخت اور ضروری الوقوع غذا کا مزہ چکھا دوں گا۔

حضرت عباس علیہ السلام نے ان اشعار کے سنتے ہی کہنا شروع کر دیا۔ کہ اے دشمن خدا۔ جو کچھ تو نے کہا۔ میں نے گوش ظاہر سے سنا۔ مگر تیری محبت بے کار ہے۔ میں تیری اطاعت کر لوں۔ یہ ناممکن ہے ارے ملعون تو مجھے اپنے سے ڈراتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا کسی اور سے ہرگز ہرگز نہیں ڈر سکتا۔ میں علی علیہ السلام کا فرزند اور حسین کا بھائی اور غلام ہوں۔ ان کے قدموں پر اپنی جاں نثاری کو عین اطاعتِ اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھتا ہوں۔ اور یقیناً ان کی اطاعت عین اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہے۔ پھر میں تجھ سے ڈروں (لاحول ولاقوۃ الا باللہ) اے ملعون تو جانتا ہے کہ میں شجر رسالت کی ایک شاخ ہوں۔ اور جو ایسا ہو۔ ظاہر ہے اس کا توکل اللہ تعالیٰ پر کتنا ہوگا۔ ارے وہ شخص برائیوں سے کیسے متصف ہو سکتا ہے۔ اور اطاعت غیر میں داخل ہو سکتا ہے۔ جو رسولؐ اللہ کا خاص قرابت دار ہو۔ اور جبکہ میرے پدر علی ابن

ابی طالب ہیں۔تو میں کیسے تلوار کی موت سے ڈر سکتا ہوں۔ تجھے معلوم ہے کہ میں کسی کافر اور غادر سے خوف نہیں کھاتا۔اور نہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کچھ کر سکتا ہوں۔اے کافر میں خاندان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک فرزند ہوں۔ اگر تجھ کو یہ خیال ہے۔کہ میں تیری اطاعت کر لوں گا تو یہ بالکل غیر ممکن اور محال ہے۔میں ہرگز ایسا شخص نہیں ہوں کہ موت سے خوف کروں۔اور موت احمر سے ڈروں۔اور میں خوب جانتا ہوں کہ جنت دنیا سے بہت ہی بہتر ہے۔اور تجھ کو یہ بھی معلوم ہے کہ بعض کمسن اکثر مسن سے بہتر ہوتے ہیں۔

علامہ دربندی لکھتے ہیں۔کہ حضرت عباس علیہ السلام نے اس وقت اس کے ردیف و قافیہ میں یہ اشعار پڑھے۔

صبرا علی جورا الزمان القاطع ومنية ما ان لها من دافع

ہم زمانہ مخالف کے ظلم پر صبر کر رہے ہیں۔اور موت کو روک نہیں سکتا۔

لا تجزعن فكل شيء هالك حاشا لمثلي ان يكون بجازع

تو مت گھبرا۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔اور مجھ جیسا بہادر کبھی گھبراتا نہیں

فلئن رماني الدهر منه باسهم وتفرق من بعد شمل جامع

اگر زمانہ نے ہم پر تیر چلائے اور ہماری جماعت کو منتشر کر دیا۔

فكم لنا من وقعة شابت لنا قم الاصاغر من ضراب قاطع

اور زمانہ میں ایسے واقعات بہت ہوئے ہیں کہ نوجوانوں نے تجربہ کاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

جب مارد نے اس کلام بلاغت نظام کو سنا تو مثل عقاب شکستہ بازو ابن حیدر علیہ السلام کی طرف ان کے قتل کو آسان تصور کرتے ہوئے نہایت ہی تیزی سے جھپٹا۔حضرت عباس علیہ السلام نے اس کے آنے سے کوئی ہراس نہ کیا۔اور اس ملعون کو حملہ کی صورت میں اپنی طرف سے نہ روکا۔وہ اپنی دلیری کے اثبات کے لئے اتنا بڑھا کہ حضرت عباس کی لمبی سنان کے بالکل قریب آ گیا۔فن سپہ گری کے ماہر حضرت عباس علیہ السلام نے فوراً اپنے زوردار ہاتھ کو بڑھا کر نیزہ کی انی کو تھام کر اس زور سے جھٹکا دیا۔کہ قریب تھا کہ مارد منہ کے بل گر پڑے۔اس جھٹکے کا یہ نتیجہ ہوا۔کہ مارد نے گھبرا کر نیزہ کو ہاتھ سے چھوڑ دیا۔اور حضرت عباس علیہ السلام نے اس پر قبضہ کر لیا۔

چھن گیا اردِ مردود کا بھالا دیکھو

یہ ایک ایسا واقعہ تھا۔ کہ مارد کو آب آب ہونا پڑا۔ اور تکبر کا نہایت تلخ مزہ چکھنا پڑا۔
حضرت عباس علیہ السلام نے اسی ملعون کے نیزہ کو اس کی طرف بڑھا کر نہایت شدت سے حملہ کیا۔ اور فرمایا کہ اے ملعون میں چاہتا ہوں کہ تجھ کو اس نیزے ہی نیزے سے دم بھر میں بیدم کر دوں اور موت کے جام سے سیراب کر کے ہمیشہ کے لئے میٹھی نیند سلا دوں۔ مارد مارے خوف کے کانپنے لگا۔ حضرت عباس علیہ السلام نے اس کی اضطراب آگین کیفیت کا پتہ چلا کر گھوڑے کی ساق پر اسی کا ایک نیزہ مارا۔ گھوڑا فوراً الف ہو گیا۔ اور وہ ملعون جسم بے روح کی طرح زمین پر آ گرا۔ چونکہ وہ ملعون نہایت ہی موٹا تھا اس لئے وہ حضرت عباس علیہ السلام سے پیدل جنگ آزما نہ ہو سکا۔ سچ تو یہ ہے کہ زمین پر گرتے ہی اس کا سارا بدن خوف کے مارے پھول گیا۔ اور وہ اس لائق نہ رہا۔ کہ آپ سے پیدل مقاتلہ کرے۔

لشکر کے کسی زبردست بہادر کی شکست پر یوں ہی ایک اضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر جب ایسا بہادر جو اپنی آپ نظیر سمجھا جاتا ہو۔ اس کی شکست پر سارا لشکر کیونکر اضطراب پذیر نہ ہو۔ اس کے گرنے کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ صفوفِ لشکر میں ہلچل مچ گئی۔ شمر ملعون نے بے تابانہ لشکر مارد کو پکارا۔ کہ ارے غضب ہو گیا۔ مارد خود سر زمین پر گر پڑا ہے۔ تم لوگ فوراً اس کی کمک میں پہنچو۔ اور ایک دوسرا گھوڑا فوراً اس کی خدمت میں حاضر کرو یہ سنتے ہی فوراً ایک غلام حبشی صارفہ نامی ایک گھوڑے کو لے کر حاضر ہوا۔ جس کا نام طاویہ تھا۔ جو تیز روی میں ہوا سے چار قدم آگے ہی رہتا تھا۔ مارد کی نظر جب غلام حبشی پر پڑی اور اس نے دیکھا کہ صارفہ طاویہ کو لیے ہوئے آ رہا ہے۔ فوراً چیخا۔ کہ اے غلام۔ موت آنے سے پہلے تو طاویہ کو مجھ تک پہنچا دے۔ غلام گھوڑا لے کر تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور چاہا۔ کہ کسی نہ کسی طرح جلد سے جلد طاویہ کو مارد تک پہنچا دے۔ تا کہ وہ اس پر سوار ہو کر مقاتلہ کر سکے۔

طاویہ پر حضرت عباس کی سواری:

حضرت عباس علیہ السلام نے جب صارفہ کو دیکھا کہ وہ طاویہ کو لئے ہوئے نہایت ہی تیزی سے آ رہا ہے۔ تو فوراً اس کی طرف بڑھ کر غلام کی گردن پر ایک پر زور نیزہ لگایا۔ وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ اور اپنے خون میں لوٹنے لگا۔ آپ نے اپنے گھوڑے کو چھوڑ کر فوراً طاویہ پر سواری کی۔ اور تمام صفوفِ لشکر کو چیرتے ہوئے اپنے بھائی حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب مارد نے حضرت عباس علیہ السلام کی اس دلیری کا مطالعہ کیا۔ تو فوراً گھبرا کر تھرائی ہوئی آواز سے لشکر والوں کو پکارتے ہوئے کہا۔ کہ ہائے عباس میرے ہی گھوڑے پر

سوار ہو گئے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ مجھ کو میرے ہی نیزہ سے فنا کریں گے۔ شمر ملعون نے جب یہ آواز سنی۔ فوراً آپ کی طرف بڑھا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مسنان بن انس نخعی اور خولی بن یزید اصحی اور جمیل بن مالک حجازی چلے۔ اور ان لوگوں کے عقب میں سارا لشکر چلا۔ سب نے اپنے گھوڑوں کی باگیں اٹھالیں اور تلواریں برہنہ کر لیں۔ حضرت عباس علیہ السلام نے جب یہ ماجرا دیکھا۔ اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام سے فرمایا۔ کہ اے بھیا۔ ان دشمنانِ اللہ تعالیٰ و رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے ہیں۔ یہ آپ پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ ابھی حضرت عباس کا کلام ختم بھی نہ ہوا تھا۔ کہ لشکر نہایت ہی تیزی سے امام حسین علیہ السلام کے قریب آ گیا۔

حضرت عباس نے یہ ماجرا دیکھتے ہی فوراً مارد کی طرف جانے کی ٹھان لی۔ اور اس کے پاس جا کر آپ نے فرمایا کہ میں تجھے اس چیز کا مزہ کیوں نہ چکھادوں۔ جو تجھے جہنم کی یاد دلا دے گی۔ یہ کہہ کر آپ نے اس کے ہاتھوں پر ایک زبردست وار کیا۔ اس کے دونوں ہاتھ بالکل بیکار ہو گئے۔ آپ نے اس کے دوسرے نیزے پر بھی قبضہ کر لیا۔

حضرت عباس کی غلامی کا اقرار:

جب مارد نے اپنے قتل ہونے کا یقین کر لیا۔ تو فوراً حضرت عباس علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرنے لگا۔ کہ اے عباس علیہ السلام (اللہ تعالیٰ کے لئے) مجھ کو چھوڑ دو۔ میں آج سے آپ کا غلام ہوں۔ حضرت عباس علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ میں تجھ ایسے غلام کو لے کر کیا کروں گا۔ اس کے بعد آپ نے ایک نیزہ اس کے کان پر ایسا لگایا۔ کہ وہ آر پار ہو گیا۔ پھر آپ نے اور لشکر والوں پر شیرانہ حملہ کر کے طاویہ کو کاوا دیتے ہوئے ڈھائی سو سواروں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ اور اس سے قبل پانچ سو بیس دشمنوں کو قتل کر چکے تھے۔ لہٰذا سارا لشکر خوف سے درہم و برہم ہو گیا اور سب جی چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

کیا کہنا۔ حضرت عباس علیہ السلام کو زبردست فتح ہوئی۔ اور کیوں نہ ہوتی۔ اگر ادھر (مارد) شیطانی لباس میں تھا۔ تو ادھر فخر آدم اور بنی آدم حضرت عباس علیہ السلام حفاظت ربانی میں تھے۔ دشمن اگر قویست نگہباں قوی تر است۔ وہ ان کی حفاظت میں لگا ہوا تھا۔ "**حفظا من کل شیطان مارد**" اللہ تعالیٰ کا قول آپ کے معین تھا۔

اسی دوران میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس علیہ السلام سے فرمایا۔ کہ بھائی۔ اب تم ٹھہر جاؤ۔ اب تمہارے عوض میں میں لڑوں۔ حضرت عباس نے فرمایا۔ کہ بھیا۔ حکم اللہ تعالیٰ سے مفر نہیں۔ اور نہ گریز ہو سکتا ہے۔ یہ کہہ کر آپ پھر لڑنے لگے۔ اور سارے لشکر کو

بہت دور کر کے اپنے برادر شفیق حضرت امام حسین علیہ السلام کی تلاش میں مصروف ہو گئے۔

شمر کی زبانی طاویہ کی کہانی:

اتنے میں شمر پکار اٹھا کہ یا بن علی ابن ابی طالب۔ آج تم نے مارد سے طاویہ کو واپس لے لیا۔ اے عباس یہ وہی گھوڑا ہے جو مدائن میں تمہارے بھائی امام حسن علیہ السلام سے چھین لیا گیا تھا۔

یہ سن کر حضرت عباس علیہ السلام اسی گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور شمر کے قول کو نقل کر دیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ ہاں یہ وہی طاویہ ہے۔ جو ملک (رے) کے حاکم کی سواری کا خاص گھوڑا تھا۔ جس کو تمہارے پدر بزرگوار نے تمہارے بڑے بھائی امام حسن علیہ السلام کو دیا تھا۔ اور اس گھوڑے کو بزمانہ قیام مدائن دشمنوں نے لے لیا تھا۔

فلما وصل الی اخیه الحسین ذکر له مقالات الشمر فقال نعم هذه طاوية التی کانت لملك الرے فلما قتله ابوك وهبها لاخيك الحسن ورحل عنها يوم ساباط المدائن فلما دنت الطاوية من الحسين جعلت تملس رأسها بثيابه کانها ما فارقته يوم واحد (نور العین)

حضرت عباس علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ کر شمر کے کلام کو دہرایا تو حضرت نے فرمایا کہ ہاں یہ طاویہ ملک رے کے بادشاہ کا تھا۔ جب تمہارے باپ نے اس کو قتل کیا۔ تو تمہارے بڑے بھائی امام حسن کے حوالے کیا جو قیام مدائن کے زمانہ میں لے لیا گیا تھا۔ جب طاویہ امام حسین علیہ السلام کی خدمت با برکت میں پہنچا۔ تو اپنے سر کو حضرت کے دامن مبارک سے اس طرح ملتا تھا۔ جس طرح ہر وقت کا موجودہ جانور اپنے آقا کے دامن سے ملے۔

یعنی طاویہ اپنے سر کو دامن امام حسین علیہ السلام سے مل کر اپنی دیرینہ محبت کا ثبوت دیتا تھا اور گویا زبان حال سے نہایت خوشی کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ کہ "حق بحقدار رسید" (نور العین فی مشہد الحسین از ص ۳۸ تا ص ۴۱ طبع مصر۔ اسرار الشہادت علامہ دربندی ص ۳۱۹، ص ۳۲۰ طبع ایران۔ شہید اعظم ج ۲ ص ۱۸۱ طبع بنارس ۱۹۱۴ء ماتین ص ۴۶۹، جواہر الایقان ص ۴۰۶ مجمع النورین ص ۱۴۷ مجلسی ص ۲۴ طبع ایران۔

ساباطِ مدائن کا واقعہ:

مقام ساباط۔ یہ مدینہ منورہ میں واقع ہے۔ یہیں حضرت امام حسن سے طاویہ چھینا گیا یا لوٹا گیا تھا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ۴۰ھ میں حضرت علی کے انتقال کے بعد آپ خلیفہ وقت ہوئے۔ عراق، ایران، خراسان، یمن وغیرہ نے آپ کی خلافت تسلیم کر لی۔ چالیس ہزار آدمیوں نے آپ کی ہر مہم میں ساتھ دینے کی بیعت کی۔ معاویہ جو حضرت علی سے جنگ کرتا رہا اور جس نے بقول خواجہ حسن نظامی دہلوی حضرت علی کو ابن ملجم کے ہاتھوں شہید کرایا۔ اس سے یہ نہ دیکھا گیا۔ کہ حضرت امام حسن خلیفہ رہیں۔ چنانچہ وہ چھ ہزار پر مشتمل فوج لے کر مقام مسکن میں اترا۔ جو بغداد سے۔ ایک فرسخ تکریب کی جانب اوانا کے قریب واقع ہے۔ امام حسن دفاع کے لئے تیار ہوئے اور اپنی فوج لے کر کوفہ سے ساباط مدائن میں آگئے۔ اور معاویہ نے اس موقع پر ایک فریب کیا۔ کہ امام حسین کے لشکر میں یہ مشہور کرا دیا۔ کہ سپہ سالار قیس ابن سعد نے معاویہ سے صلح کر لی۔ اور قیس کے لشکر میں اس بات کی شہرت دے دی کہ امام حسن نے صلح کر لی۔ معاویہ کا جادو چل گیا۔ امام حسن کی فوج میں بغاوت ہوگئی۔ فوجی آپ کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے۔ آپ کا کل مال و اسباب لوٹ لیا۔ آپ کے نیچے سے مصلیٰ تک گھسیٹ لیا۔ دوش پر سے رداء بھی اتار لی۔ بعض گمراہوں نے معاویہ سے سازش کر لی۔ اور رشوتیں لے کر قصد کیا۔ کہ امام حسن کو معاویہ کے سپرد کر دیں۔ آپ وہاں سے مدائن کے گورنر سعد کی طرف چلے۔ راستے میں ایک خارجی نے زانوئے اقدس پر ایک خنجر مار دیا۔ جو بقول شیخ مفیدؒ دو برس میں اچھا ہوا۔ امام علیہ السلام نے ۶ یا سات ماہ خلافت ظاہریہ کرنے کے بعد مجبوراً معاویہ سے صلح کر لی (عمدۃ الطالب ص ۴۶ طبع لکھنؤ و تاریخ ائمہ ص ۳۳۳) غرضکہ لوٹ مار میں حضرت کا گھوڑا طاوہ بھی نکل گیا تھا۔ جس کو پھر حضرت عباس علیہ السلام نے مارد سے یوم عاشورا چھین لیا ہے۔

حضرت عباس کی رخصت آخری

مشک و علم لئے جب عباس جا رہے تھے
آنکھیں بچھا رہی تھی خود فتح و کامرانی

مارد ابن صدیف جیسے بہادر کو پچھاڑنے اور اس کی سواری کے خاص جانور طاویہ پر قبضہ کی داستان حضرت عباس حضرت امام حسین علیہ السلام سے بیان کر رہے تھے۔ "فسمع الاطفال ینادون العطش العطش" ناگاہ خیمہ میں العطش العطش کی جگر سوز آواز بلند ہوئی۔

(دمعہ ساکبہ ص ۳۳۷) اور ۲۰ یا ۲۶ چھوٹے بچے خیموں سے نکل کر حضرت امام حسین اور حضرت عباس کے گرد جمع ہو گئے۔ اور کہنے لگے چچا جان۔ پیاس مارے ڈالتی ہے (مجالس علویہ ص ۵۴۲ و مظلومہ کربلا ص ۶۹) یہ اضطرابی حال دیکھ کر حضرت امام حسین اور حضرت عباس سخت دل تنگ' پریشان اور مضطرب ہو گئے۔ حضرت عباس نے عرض کی۔ مولا۔ اب تو لڑنے کی اجازت دے دیجئے۔ تاکہ جی کھول کر ان دشمنانِ اسلام کو بندشِ آب کا نتیجہ دکھادوں۔ حضرت نے فرمایا۔ میرے قوت بازو۔ اجازت کیا مانگتے ہو۔ دیکھو ان بچوں کا پیاس سے کیا حال ہو رہا ہے۔ اے بھائی۔ یہ گلزار رسالت کے نونہال پانی کے بغیر مرجھائے جا رہے ہیں۔ "امض الی الفرات واتنی شیئا من الماء" فرات کی طرف جاؤ۔ اور کسی صورت سے پانی لے آؤ۔ (مجالس المتقین ص ۲۷ جلاء العیون ص ۲۰۹) حضرت عباس پھر میدان کی طرف واپس جانا ہی چاہتے تھے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ "ادخل الی الحریم وودعهم وداع من لا یعود فدخل" بھیا خیمہ میں جا کر اس طرح سب سے رخصت ہو لو کہ جیسے ملاقات نہ ہو گی۔ حضرت عباس خیمہ میں داخل ہوئے۔ سب کا حال پیاس سے بے حال پایا۔ "فقال لهم فهلا" آپ نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں۔ ذرا اور ٹھیرو۔ تمہارے لئے پانی لانے جاتا ہوں۔ آپ ابھی بچوں کو سمجھا ہی رہے تھے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے خیمہ کے باہر سے آواز دی۔ اے عباس۔ "ادرکنی" دوڑو۔ یہ سننا تھا۔ کہ حضرت عباس خیمہ سے باہر نکل آئے۔ اور ان دشمنوں کو وہاں سے دور کیا۔ جو امام حسین پر حملہ کر رہے تھے۔ (نور العین ص ۴۱ اسرار الشہادت ص ۳۲۱ ماتئین ص ۴۶۹) دشمنوں کے دفاع کے بعد حضرت عباس مشک و علم لے کر جنگاہ کی طرف روانہ ہو گئے (بحار الانوار ج ۱۰ ص الدمع الھتون ج ۲ ص ۴۸۱) کتاب الصدف شیروانی ج ۲ ص ۱۵۳ طبع ایران ۱۳۱۴ھ) حضرت امام حسین جو علم امامت سے جانتے تھے کہ عباس اب کی دفعہ واپس نہ آئیں گے۔ انہوں نے چاہا کہ اپنے بھائی کو رخصت کر دیں۔ لیکن یہ خیال فرمایا کہ اگر میں ان سے اسی طرح ملا جس طرح تمام شہید ہونے والوں سے مل چکا ہوں۔ تو اہل حرم یہ سمجھ کر کہ عباس اس دفعہ شہید ہو جائیں گے۔ ابھی سے کہرام برپا کر دیں گے۔ آپ نے حضرت عباس کے کچھ دور نکل جانے کے بعد خیمہ سے دور جا کر وداعی ملاقات فرمائی۔ علامہ یزدی تحریر فرماتے ہیں۔

پس حضرت عباس روانہ شد بایں امید کہ	حضرت عباس محض اس امید پر کہ مثل سابق ابھی
مراجعت میکند۔ بایں سبب بابرادر خود مثل	واپسی ہو گی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام سے
سائر شہداء وداع نہ کرد۔ و حضرت بعلم امامت	بغیر رخصت ہوئے روانہ فرات ہو گئے۔ لیکن

مے دانستند کہ عباس شہید مے شود۔ ہمیں۔
کہ چند قدم راہ رفت دید۔ بعقب سرش
صدائے گریہ مے آید و کے اوراصدا مے زند۔
چوں نگاہ کرد۔ کہ امام مظلوم گریہ کناں مے
آید۔ وآہستہ آہستہ صدا مے زند اے برادر
عباس صبر کن تا ترا یک دفعہ دیگر سیر بہ بینم
حضرت عباس چوں ایں راشنید۔ گریست
وعرض کرد۔ اے برادر۔ کمر من شکستہ مے
شود۔ حضرت گریست۔ وآں دو برادر
دستہارا بگردن یکدیگر درآوردند وایں قدر
گریستند کہ نزدیک بود۔ کہ مدہوش شوند۔
پس بعداز وداع حضرت عباس روانہ
فرات شد (انوار الشہادت ص ۵۵ طبع
لاہور ۱۲۷۸ھ)

علامہ قزدنی بطور تتمہ لکھتے ہیں کہ
واشک از دیدگاں مثل مروارید بریخت وبہ
نسبتے کہ عناں تحمل از دست ملائکہ آسمانہا بدر
رفت وزلزلہ اور عالم ملکوت افتاد وناظرانِ
صوامع لاہوت وگاہوارہ جنبانِ حسنین یعنی
جبرائیل امین وسائر قدسیان عالم ملکوت
رازیروزبر کرد۔ وجنیان راخون درجگر نمود و
خشیانِ صحرا ومرغانِ ہوا راکباب ساخت
(ریاض الشہادت ج ۲ ص ۲۰۰ طبع ایران
۱۲۷۴ھ)

حضرت امام حسین بعلم امامت جانتے تھے کہ
عباس اس مرتبہ شہید ہو کے رہیں گے۔ اس لئے
ان کی روانگی کے بعد حضرت امام حسینؑ بھی روانہ
ہو گئے۔ حضرت عباس نے محسوس کیا کہ پشت کی
جانب سے رونے کی آواز آتی ہے اور کوئی پکارتا
ہے۔ جونہی حضرت عباس نے نظر کی۔
دیکھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام با آہِ
سوزاں وچشم گریاں آہستہ آہستہ یہ کہتے ہوئے
کہ "عباس ذرا ٹھیرو۔ ہم تمہیں ایک نظر اور جی
بھر کر دیکھ لیں" چلے آتے ہیں۔ حضرت عباس
یہ سن کر بے اختیار رونے لگے اور عرض کی۔ بھیا
میری کمر ٹوٹی جارہی ہے۔ اس وقت امام حسین
نے بے پناہ گریہ کیا اور دونوں بھائی بغلگیر ہو کر
اس قدر روئے کہ بے ہوشی کے آثار نمایاں ہو
گئے۔ پھر حضرت عباس رخصت ہو کر طلب
آب کے ارادے سے روانہ ہو گئے۔

(دونوں بھائی بغلگیر ہونے کے بعد) آنکھوں
سے آنسوؤں کے موتی بہانے لگے۔ ان کے
رونے کی کیفیت یہ تھی کہ ملائکہ کے ہاتھوں سے
ضبط وتحمل کی باگ چھوٹ گئی۔ عالم ملکوت کے
ذرہ ذرہ میں زلزلہ آنے لگا۔ صوامع لاہوت
کے باشندے جو اس واقعہ کو دیکھ رہے تھے۔ اور
گہوارہ جنبانِ حسنین جناب جبرائیلؑ بلکہ تمام
قدسیان عالم ملکوت کو زیروزبر کر دیا اور جنوں
کے جگر خون کر دیئے۔ اور صحرائی جانور اور فضائی
طیور کو جلا کر خاک کر ڈالا۔

امام حسین اور حضرت عباس کی ملاقات کا اثر اہل بیت پر:

چوں اہل حرم این ہر دو برادر را چناں دیدند ہمچناں نالہ وفغاں "واعباساہ واحسیناہ" کشیدند کہ عرش بہ لرزہ درآمد۔ پس جناب عباس برادر را وداع کردہ سوار شدہ عزم کار زار نمود۔ (مفتاح الجنۃ ص ۱۵۳ طبع بمبئی)

کہ جب اہل حرمِ امام حسین علیہ السلام نے دونوں بھائیوں کو اس طرح ملتے ہوئے دیکھ لیا تو "اے میرے عباس اور اے میرے حسین کہہ کر ایسے نعرے لگائے کہ فلک کج رفتار کانپ اٹھا۔ اس کے بعد حضرت عباس نے بھائی کو رخصت کیا۔ اور روانہ رزمگاہ ہو گئے۔

پانی کے لئے حضرت عباس کی دعا

حضرت امام حسین سے رخصت ہونے کے بعد حضرت عباس آگے بڑھے۔ دشمنوں کی یلغار دیکھی۔ "رمق بطرفہ الی السماء" آسمان کی طرف دیکھا اور عرض کی۔ "الٰھی وسیدی ارید اعتد بعدتی واملأ لھؤلاء الاطفال قربۃ من الماء" میرے پالنے والے میں تیرے نبی کے بچوں کی خاطر تھوڑا پانی لینے کے لئے آیا ہوں۔ خدایا! خدایا! تو ایسا انتظام کر دے کہ میں صرف ایک مشکیزہ خیمہ میں پہنچا دوں۔ (انوار الشہادت ص ۵۴ و مجالس المتقین ص ۴۷) دعا کے بعد آپ نے فرات کی جانب اپنی رفتار اور تیز کر دی۔ دشمنوں نے جب دیکھا کہ عباس بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ تو روکنے کی سعی میں مشغول ہو گئے۔

حضرت عباس کا آخری موعظہ:

دشمن تیزی سے حضرت عباس کے قریب آ گئے۔ آپ نے فرمایا۔

ء انتم کفرۃ ام مسلمون ھل یجوز فی دینکم ان تمنعوا الحسین واطفالہ من شرب الماء والکلاب والخنازیر یشربون منہ والحسین واطفالہ یموتون عطشا اما تذکرون عطش القیامۃ

(انوار الشہادت ص ۵۵)

ارے۔ آدمیوں کی صورت رکھنے والو۔ تم کافر ہو یا مسلمان۔ کیا تمہارے دین میں یہ جائز ہے۔ کہ فرزند رسول ﷺ اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچوں پر پانی بند کر دو۔ حالانکہ اس نہر سے جس پر تمہارا پہرہ ہے۔ کتے اور سور پانی پی رہے ہیں۔ اور امام حسین اور ان کے بچے پیاس سے جاں بلب ہیں۔ ارے کیا تم قیامت کی پیاس کو بھول گئے ہو۔

آپ کے یہ نصیحت آمیز جملے تیر و نشتر بن کر چبھے۔ دشمنوں نے ان سے نصیحت حاصل

کرنے کی بجائے آپ پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ پانچ سو تیر اندازوں نے ہوائے تیر سے حضرت عباس کے چراغ حیات کو گل کر دینا چاہا۔ مگر اللہ رے سخت جانی عباس۔ کہ انہوں نے پروا بھی نہ کی۔ "فحمل علیهم وتفرقوا عنه" اور ایسا شیرانہ حملہ کیا۔ کہ سارے روباہ مثل گیاہ و کاہ منتشر ہو کر رہ گئے۔ علامہ یزدی لکھتے ہیں۔ ۸۰ پانی کا گھاٹ روکنے والے دشمن فنا کے گھاٹ اتر گئے۔ (انوار الشہادت ص ۵۶) علامہ بسطامی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ چار سو خونخوار موت کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہو کر داخلِ دار بوار ہو گئے (تحفہ حسینیہ ج ا ص ۱۷۹)

حضرت عباس کو اذنِ جہاد کیوں نہ دیا گیا

گر کہیں دیدیتے شاہ کربلائی اذن جنگ پھر زمانہ دیکھتا شانِ دغا عباس کی

تاریخ بتا رہی ہے۔ کہ حضرت عباس جنگاہ میں بار بار آئے ہیں۔ کبھی بنی ہاشم کے کسی فرد کی کمک میں کبھی اصحاب کی مدد میں۔ کبھی پانی کے حصول کی سعی میں۔ اور تقریباً ہر مرتبہ لڑے بھی ہیں۔ قتل بھی کیا ہے اور اب بھی امام حسین سے رخصت ہو کر نہر فرات کو روانہ ہیں۔ سینکڑوں کو فنا کے گھاٹ اتار چکے ہیں۔ اور اپنی شہادت سے پہلے ہزاروں کو فنا کریں گے۔ لیکن جب امام حسین کے سامنے اذنِ جہاد کا سوال آتا ہے۔ "لم یرض به ولم یاذنه" آپ نے اس پر رضا نہیں ظاہر کی۔ اور اذن جہاد نہیں دیا۔ کبھی پانی کی طرف آپ کا رخ موڑا۔ اور کبھی حمایت اصحاب کی طرف متوجہ کر دیا (شرح مطالع الانوار ص ۱۰۲ توضیح عزا ص ۲۲۵۔ فضائل الشہداء باب ۲ ف ۹ ص ۱۰۹) آخر اس کی وجہ کیا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ امام حسین جنگ کے لئے آئے نہ تھے۔ اور اپنے نانا کے برائے نام بھی نام لیواؤں کو قتل نہ کرنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرشتوں، جنوں اور حضرت عباس کو اذن جہاد اور اجازت جنگ نہیں دی۔

نہ اذنِ جنگ پایا باوفا نے مچل کر رہ گئے دل کے ارادے

رخصت آخری کے بعد

حضرت عباس حضرت امام حسین سے رخصت ہو کر نہر فرات کی طرف برابر بڑھ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اس ٹیلے یا پہاڑی کے نیچے پہنچے۔ جس پر چار ہزار مخالفین نہر فرات ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ آپ اس پہاڑی کے نیچے اس حال میں پہنچے کہ آپ کو بے شمار دشمن چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ اب آپ کے سامنے ایک ایسی پہاڑی نہر فرات تک پہنچنے میں حائل ہے۔ جس پر چار ہزار خونخوار دشمن آلاتِ حرب سے مسلح موجود ہیں۔ حضرت عباس نے وہاں

پہنچ کر یہ رجز پڑھا:

اقاتل القوم بقلب مهتد اذب عن سبط النبی احمد

اضربکم بالصارم المهتد حتی تحید واعن قتال سیدی

انی انا العباس ذوالتود نجل علی المرتضی المويد

ترجمہ: میں ایک ہدایت یافتہ دل کے ساتھ ان لوگوں سے لڑتا ہوں۔ اور نبی احمد کے فرزند سے دشمنوں کو ہٹا رہا ہوں۔ (اجازت ملنے کے بعد) میں تم کو تیغ براں سے اس وقت تک مارتا ہوں گا جب تک کہ تم میرے سردار کے ساتھ لڑائی سے باز نہ آؤ گے۔ میں محبت کرنے والا عباس اور اس علی مرتضےٰ کا فرزند ہوں جس نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے زور پایا تھا۔

(ترجمہ مقتل ابی مخنف ص ۲۷ تحفہ حسینیہ ج ا ص ۱۷۸)

حضرت عباس فرات کی پہاڑی پر

رجز کے بعد آپ نے اپنے بھوکے پیاسے گھوڑے کو ایڑ دی۔ گھوڑا ہوا ہوا۔ بلندی کی طرف علی کا شیر جا رہا ہے۔ اور چار ہزار وار اوپر سے ہو رہے ہیں۔ ابومخنف لکھتے ہیں۔ کہ رجز پڑھنے کے بعد آپ نے اس گروہ نابکار پر دھاوا بول دیا۔ اور ان کو دائیں بائیں پراگندہ کر کے بہت سے آمیوں کو قتل کیا اور بڑے بڑے سورماؤں کو مار گرایا۔ اور نہر فرات کا کنارہ لے لیا۔ (مقتل ابی مخنف ص ۲۷) مورخ ابن قتیبہ لکھتا ہے کہ آپ بے جگری سے جنگ کرتے ہوئے پہاڑی پر چڑھ گئے۔ "ثم حمل علیهم" پھر ان پر حملہ کیا اور انہیں تباہ کر چھوڑا۔

پہاڑی کے ثبوت کے متعلق عرض یہ ہے کہ (۱) امام حسین نے شب عاشور جو ہلال سے گفتگو کی ہے۔ اس میں اس کا اشارہ ہے۔ (۲) واقعہ کربلا میں "رکب المسناه" اکثر مقام پر ہے۔ جس کے متعلق محشی ارشاد مفید "السد المتخذ دون الماء و رکبها ای علاها" لکھا ہے (حاشیہ ارشاد مفید ص ۱۲۲) طبع ایران ۱۲۷۷ھ) بعض علماء نے مسنات سے رسول اکرمؐ کی سواری کا ناقہ مراد لیا ہے (ناسخ) (۳) شہادت علی اصغر کے متعلق بھی علماء پڑھتے ہیں۔ کہ حسین انہیں ٹیلے پر لے گئے۔ (۴) علامہ ابن قتیبہ نے صاف صاف لکھا ہے۔ "بین الماء ربوة" پانی اور پیاسوں کے درمیان ایک ٹیلہ یا پہاڑی حائل تھی (الامام ص ۵ و کبریت احمر ص ۱۴۳) علامہ حسین واعظ کا بیان ہے۔ کہ پہاڑی میں دو ہزار سوار اور دو ہزار پیادے تھے (روضۃ الشہدا ص ۳۶۲) کو مار کر پہاڑی پر قبضہ کیا اور نہر فرات کی طرف چلے۔

تھا یہ اندیشہ کہ آ جائے نہ غازی کو جلال ۔۔۔ فوج نے عباس کو گھبرا کے دریا دے دیا

آپ نے پہاڑی سے اتر کر قوم نابکار کو پھر مخاطب کر کے کہا۔ اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرم کرو۔ جس نہر سے کتے اور سور تک پیتے ہیں۔ تم اس کے پانی سے فرزند رسول کو محروم کیے ہوئے ہو۔ کیا تم قیامت کو بھول گئے ہو۔ یہ سننا تھا۔ کہ پانچ سو تیر اندازوں نے تیر بارانی شروع کر دی۔ مگر علی کے شیر نے تیروں کا مقابلہ نیزے سے کیا۔ اور سب فرار ہو گئے۔

عباس لئے مشکیزہ جب آئے قریب ساحل ۔۔۔ پیاسے کی قدم بوسی کو ہر موج تڑپ کر آئی

حضرت عباس پہلی دفعہ نہر فرات میں:

دشمنوں کو بھگانے کے بعد حضرت عباس نے اپنا گھوڑا نہر فرات میں ڈال دیا۔ اور کہا۔ اے اسپ وفادار۔ تو پانی پی لے۔ ابھی جانور نے پانی میں منہ بھی نہ ڈالا تھا۔ کہ دشمنوں نے پھر حملہ کر دیا۔ حضرت عباس نہر سے برآمد ہوئے۔ اور ان دشمنوں کو فنا کے گھاٹ اتار کر نہر فرات میں پھر اترے۔ (روضۃ الشہدا ص ۳۶۲)

حضرت عباس دوسری دفعہ نہر فرات میں:

آپ فوراً دیگر "بارہ اسپ درآب راند" دوبارہ نہر فرات میں گھوڑے کو ڈال دیا۔ اور اس سے فرمایا پانی پی لے۔ ابھی وہ منہ نہ مارنے پایا تھا۔ کہ ایک ہزار سواروں نے پھر حملہ کر دیا۔ آپ نہر سے پھر برآمد ہوئے اور ان پر زبردست حملہ کر کے انہیں پھر مار بھگایا۔ (روضۃ الشہدا ص ۳۶۲)

حضرت عباس تیسری دفعہ نہر فرات میں:

علامہ سید مرتضیٰ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عباس ابھی پانی کے باہر ہی تھے کہ دس ہزار کا لشکر آپ پر ٹوٹ پڑا۔ اور اپنی پوری طاقت سے اس بات کی کوشش کرنے لگا۔ کہ عباس نہر فرات کا کنارہ چھوڑ دیں۔ لیکن شیر بیشہ شجاعت سے دریا کا کنارہ کون لے سکتا تھا۔

اب کون ہٹا سکتا ہے دریا کی حدوں سے ۔۔۔ عباس تو پرچم کی طرح چھائے ہوئے ہیں

بالآخر زبردست مقابلہ ہوا۔ اور اس پیاسے نے دشمن کے امڈے ہوئے لشکر کو نیزے کی انی سے ٹھنڈا کر دیا۔ "فصاحت علیہ الابطال من کل جانب" ہر طرف سے چیخ پکار مچ گئی۔ آپ نے کہا "انا عباس بن علی" میں عباس بن علی ابن ابی طالب ہوں (تذکرہ المعصومین ص ۱۳۲ طبع دہلی ۱۳۰۷ھ) آپ کا مقصد یہ تھا۔ کہ بس خیر اسی میں ہے۔ کہ خاموش ہو کر ہٹ جاؤ اور مجھے اطفال حسین کو پانی پہنچانے دو۔ مجھے مؤرخین کے بیان سے پتہ چلتا ہے۔ کہ

دشمنوں کا یہ حملہ بہت ہی عظیم و شدید تھا۔ اور وہ اس ارادے سے آئے تھے۔ کہ جس صورت سے ہو سکے۔ نہر پر قبضہ کرلیا جائے۔ اور اندازے سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی پر قبضہ قریب قریب ہو ہی گیا تھا۔ لیکن اللہ رے علی کے شیر "فکشفھم عن الماء" ان دشمنوں کو شکست دے کر لب فرات سے ہٹا دیا۔ (الامامۃ والسیاسۃ ج ۲ ص ۵۔ ریاض السالکین ص ۱۵۹ شرح بخاری وافی فرار یوم احد) اور آپ "پس فرود آمد" نہر فرات میں اترے۔

(روضۃ الشہدا ص ۳۶۲ کبریت احمر ص ۲۶ طبع ایران ۱۳۴۳ھ)

تین دن کا پیاسا نہر فرات میں لب تشنہ بآب اندر

حضرت عباس کی قدر اس وقت اور بڑھ جاتی ہے۔ جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ جس وقت داخل نہر فرات ہوئے۔ اس وقت ساتویں محرم سے بالکل پیاسے تھے۔ یعنی پانی کا ایک قطرہ بھی تا بحلق نہ پہنچا تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ "ہر وقت کہ تشنگی بر اطفال ابی عبداللہ غلبہ مے کرد۔ نزد عمو مے آمدند واظہار عطش مے کردند۔ آنجناب ہر نحوے کہ بود۔ اطفال را ساکت مے کرد یا آب یا بوعدہ آب" جب حضرت امام حسینؑ کے بچوں پر پیاس کا غلبہ ہوتا تھا۔ اپنے چچا عباس کے پاس آتے۔ اور پانی مانگتے تھے۔ آپ انہیں پانی پلاتے یا تسلی دیتے تھے۔ "از روز ہفتم کہ آب را بر روئے حضرت بستند" ساتویں محرم سے پانی بند ہونے کے بعد آٹھویں محرم کی صبح تک جس قدر پانی دستیاب ہوتا تھا۔ وہ تمام لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ حضرت عباس اور حضرت زینب اپنے حصہ کا پانی خود نوش نہ فرماتے تھے۔ "صبر بر عطش مے کروند از برائے اطفال کو چک ذخیرہ مے کردند" یعنی پیاس کو برداشت کر کے پانی چھوٹے بچوں کے لئے محفوظ رکھتے تھے۔ جب چھوٹے چھوٹے بچے پانی مانگتے تھے۔ تو عباس "قمر بنی ہاشم آبے کہ قسمت خودش بود با طفال تشنہ برادرے داد" اپنے حصہ کا پانی اپنے بھائی کے چھوٹے بچوں کو دے دیا کرتے تھے۔

(حدائق الانس ص ۵۷ واقعات مقبل قلمی ص ۱۸ ۱۳۳۲ء۔ محرق القلوب مجلس ۱۲ قلمی)

نہر فرات میں عباس کی حالت

ساتویں محرم سے بندش آب اور پھر آپ کے لبوں تک مطلقاً پانی کا نہ پہنچنا خود ظاہر کر رہا ہے کہ اب جبکہ آپ نہر فرات میں کھڑے ہیں۔ آپ کی حالت کیا ہوگی۔ آنکھوں کے نیچے اندھیرے کا آنا' زبان کا خشک ہونا' دل کا نڈھال ہونا لازمی امر ہے۔ خضر چشمہ وفا نے اپنے کف نوال کو پانی سے بھر کر لب تشنہ تک چلو کو پہنچایا ہی تھا۔ "فذکر عطش الحسین واطفالہ و

عیـالـه" کہ امام حسینؑ اوران کے بچوں کی پیاس کا نقشہ نظروں میں پھر گیا۔ چشم پر آب ہوگئی۔ کف آب دریا کے منہ پر ماردیا (ع) اے آب خاک شو کہ ترا آبرو نہ ماند۔ **"فرمی الماء من یده و قال والله لا وقت الماء ولا اشربه واخی الحسین وعیاله واطفاله عطاش لا لان ذالك ابـدا"** اور کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی قسم یہ نہیں ہوسکتا کہ میں پیا تو درکنار چکھ بھی لوں۔ کیونکہ حسینؑ کے بچے پیاسے ہیں۔ پھر آپ نے اپنے نفس کی طرف مخاطب ہوکر کہا۔

یانفس هونی والحسین معطش — وبنوه والحرم المطهرا جمع

والله لا اشرب من الماء قطرة — واخی الحسین بالعراق مضیع

اے میرے پیاسے نفس۔ یہ بڑی بُری بات ہے کہ حسینؑ اوران کے بچے پیاسے ہوں اور تو پانی پی لے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم۔ ایسی حالت میں جبکہ فرزند رسول امام حسینؑ اپنے بچوں سمیت عراق کی سرزمین میں سرگرداں۔ حیران وپریشان اور پیاسے ہیں۔ میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں پی سکتا۔ ابی مخف لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عباسؑ نے اس وقت یہ فرمایا۔

یـانـفس من بعد الحسین هونی — فبـعـده لا کـنـت ان تکونی

هـذا الحسین شارب المتونی — وتشربین الـمـاء البارد معین

هیهـات مـاهـذ افعال دینی — ولا فـعـال صادق الیـقـین

اے نفس حسینؑ کے بعد تیرے لئے ذلت ہے۔ اگر تو رہنا چاہتا ہے تو حسینؑ کے بعد نہ رہنا۔ ارے یہ حسینؑ تو موت کے گھونٹ پئیں۔ اور تو ٹھنڈا صاف پانی پیئے۔ تو یہ تو میرے مذہب کا شیوہ نہیں اور نہ سچا یقین رکھنے والوں کے یہ کام ہوتے ہیں۔

علامہ بسطامی لکھتے ہیں۔ کہ اس وقت آپ نے جو کچھ فرمایا۔ اس کا مقصد یہ تھا۔

بگریہ گفت کہ عباس خاک بر سر تو — ستادہ است بمیداں کنیں برادرِ تو

محذارتِ رسول کبار بے تاب اند — دریں قضیہ ہمہ تشنہ لب و بے آب اند

تو آب میخوری اے بےادب حیائے تو کو — بوعدۂ پدرِ مہرباں وفائے تو کو

مؤرخ معاصر لکھتے ہیں کہ حضرت عباسؑ نے چلو میں پانی لے کر دشمنوں کو دکھا دیا کہ دیکھو تمہارے اتنے سخت پہرے کے باوجود پانی ہماری مٹھی میں ہے۔ گویا علیؑ کا شیر نہر کی ترائی پر اپنا

ے کہا جاتا ہے کہ شاہ عباس صفوی کو ایک شب میں بہت زیادہ پیاس محسوس ہوئی۔ اس نے پانی پلانے والے خادم کو آواز دی۔ وہ اتفاقاً جاگ نہ سکا۔ کچھ دیر تشنگی کو ضبط کیا۔ جب پیاس حد تحمل سے بڑھ گئی۔ تو خود اٹھا۔ آبدار خانہ میں گیا۔ اور اپنے ہاتھوں سے آب سرد کا جام بھرا۔ جام کو ہونٹوں سے لگایا۔ کربلا والوں کی پیاس یاد آ گئی۔ نفس کو مخاطب کرکے کہنے لگا۔ کہ اے عباس۔ تو علمدار کربلا عباس ابن علی کے ہمنام ہے تجھ سے اتنا تحمل نہ ہوسکا۔ یہ کہہ کر کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ اور یہ کہتے ہوئے اے آب خاک شو کہ ترا آبرو نہ ماند۔ پانی کا جام زمین پر پھینک دیا۔ اور "تشنہ لب حسینؑ" کہہ کر تادیر رویا۔

قبضہ اور پانی پر اپنا قابو ثابت کر رہا ہے۔ اور کمال وفاداری کی وجہ سے اس کی بھی وضاحت کرتا ہے۔ کہ چونکہ امام حسینؑ پیاسے ہیں۔ لہٰذا پانی نہ پیوں گا۔

فوجیں بھی ہٹیں دریا بھی ملا قبضہ بھی ہوا تربت بھی بنی
عباسؑ یہ تیری منزل تھی پانی نہ پیا اور بات رہی

(تحفہ حسینیہ ج۱ ص۱۸۰ ترجمہ مقتل ابی مخنف ص۶۷۔ دمعہ ساکبہ ص۳۳۴ ناسخ التواریخ ج۶ ص۲۹۰۔ اخبار ماتم ص۵۱۴ تاریخ ص۲۹۵ محرق القلوب ملا مہدی قلمی مجلس ۱۲)

حضرت عباسؑ نے مشک سکینہ پانی سے بھری

مؤرخین لکھتے ہیں۔ "فرمی الماء وملأ القربة و حملها اعلی کتفه الا یمن و توجه نحو الخیمة" پھر آپ نے پانی چلو سے پھینکنے کے بعد سکینہ کی وہ مشک جو سوکھی ہوئی لائے تھے۔ اسے پانی میں ڈالا۔ جب وہ سوکھی ہوئی مشک تر ہوگئی۔ تو "مشک را پر از آب نمود و بردوش راست خود کشید" اسے پانی سے بھر کر اپنے داہنے کندھے پر لٹکایا۔ بعض کتابوں میں ہے۔ کہ جب آپ نے مشکیزہ بھرا تھا۔ تو آپ کے ہاتھ پانی سے تر ہو گئے تھے۔ آپ نے کمالِ وفاداری کے پیش نظر یہ خیال کرتے ہوئے کہ امام حسینؑ کے ہاتھ تر نہیں ہیں۔ اپنا ہاتھ بھی دامن قبا سے خشک کر ڈالا تھا۔ (اخبار ماتم ص۵۱۹ طبع رامپور ۱۲۸۵ھ دمعہ ساکبہ ص۳۲۷ بجار الانوار ج۱۰ ص لہوف ص مقتل ابی مخنف ص۶۷ مجالس مفجعہ ص۲۲۵ ناسخ التواریخ ۶ ص تاریخ ائمہ ص۲۹۵)

حضرت عباسؑ کی خیمہ کی طرف روانگی

مشکیزہ بھرنے کے بعد آپ جس طرح پیاسے داخل نہر ہوئے تھے۔ اسی طرح پیاسے برآمد ہوگئے۔

پاس اکرامِ وفا را آں جناب تشنہ لب برگشت از دریائے آب

آپ کا نہر فرات سے برآمد ہونا تھا۔ کہ بھاگی ہوئی فوج واپس آ گئی۔ اور راستہ میں حائل ہو کر آپ پر حملہ آور ہوئی۔ (ابصار العین ص۴۷۔ دمعہ ساکبہ ص۳۳۷۔ زبدۃ الاسرار ص۱۴۷ طبع طہران ۱۳۱۴ھ) اور تیر بارانی شروع کر دی۔ حضرت عباسؑ تیروں کا جواب نیزے سے دیتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ آپ کی تمام تر سعی یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح پانی خیام اہل بیت تک پہنچ جائے۔ جب آپ نے حملوں کو تیز تر پایا۔ تو بارگاہِ احدیت کی طرف رجحان کامل کر کے دعا کی "الھی وصلنی الیھم" خدایا مجھے اہل بیت حسینؑ تک پہنچا دے۔ تاکہ میں پیاسے بچوں کی

پیاس بجھا سکوں (انوار الشہادت ص ۵۶ طبع لاہور) کیا عجب کہ عباس کی دعا سے عرش فرش کے ملائکہ نے بارگاہ قدس میں عرض کی ہو۔

پانی عباس لاتے ہیں یا رب پیاسے بچوں پہ تو نظر رکھنا

اس کے بعد حضرت عباس علیہ السلام نے یہ رجز پڑھنی شروع کی۔

لا ارھب الموت اذالموت رقا حتی اواری فی المصالیت لقا

نفسی لنفس المصطفٰے الطھر وقا انی انا العباس اعذو بالسقا

ولا اخاف الشر یوم الملتقا

ترجمہ: موت جس وقت بلند ہو کر سروں پر آ جائے۔ تو میں اس سے مطلقاً نہیں ڈرتا۔ اور میں اتنا دلیر ہوں کہ جب تک جنگ کرتے کرتے تہ خاک نہ پہنچ جاؤں۔ لڑتا ہی رہتا ہوں۔ میرا نفس فرزند رسولؐ کے نفس کے لئے ڈھال ہے۔ میرا نام عباس ہے۔ اور میں سقائی اہل حرم میں نام پیدا کر چکا ہوں۔ (ومعہ ساکبہ ص ۳۳۷)

ابو مخنف کا بیان ہے کہ رجز کے الفاظ یہ تھے

لا ارھب الموت اذ الموت رقا حتی اواری میتا عند اللقا

انی صبور شاکر للملتقی ولا اخاف طارقا ان طرقا

بل اضرب الھام وافری المفرتا انی انا العباس صعب باللقا

ترجمہ: جس وقت موت بلند ہو کر سروں پر آ جائے۔ تو میں موت سے نہیں دبتا۔ جب تک کہ بوقت جنگ مردہ بن کر تہ خاک نہ پہنچ جاؤں۔ میں جنگ کے وقت بہت کچھ صبر اور شکر کرنے والا ہوں۔ اور کوئی مصیبت آ جائے۔ میں اس سے نہیں گھبراتا۔ بلکہ سروں پر وار لگاتا اور مانگ کی جگہ چاک چاک کرتا ہوں۔ میں ہی وہ عباس ہوں جو بوقت جنگ بہت سخت ہے۔ میری جان پاک و پاکیزہ فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سپرد ہے (ترجمہ مقتل ابی مخنف ص ۷۳)

حضرت عباس کا پہاڑی سے اتر کر خیمہ کی طرف بڑھنا

ابو مخنف لکھتے ہیں کہ رجز پڑھ کر آپ گھاٹ سے نمودار ہوئے۔ تو آپ پر ہر سمت سے تیر برسنے لگے۔ لیکن آپ مشکیزہ کاندھے پر رکھے ہوئے برابر جنگ فرما رہے تھے۔ یہاں تک کہ زرہ ساہی کی طرح بن گئی۔ (ترجمہ مقتل ابی مخنف ص ۷۴) مؤرخ معاصر لکھتے ہیں "جناب عباس پہاڑی سے نیچے اترے۔ نہر میں سما کر مشک بھگوئی جب وہ کئی دن کی سوکھی مشک بہت دیر میں تر ہوئی۔ تو پانی بھر کر خود اسی طرح پیاسے نہر سے نکل آئے اور خیمہ گاہ کی طرف چلے۔ آپ

نے نہر سے ایک چلو اٹھا کر دشمنوں کو دکھایا۔ کہ دیکھو پانی قبضہ میں ہے۔ مگر پیا نہیں۔ اور وہ پانی پھینک کر گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ اتنی دیر میں بھاگی ہوئی فوج پھر نہر کنارے جمع ہو گئی تھی۔ آپ نے پھر سب کو مار بھگایا۔ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ مشک لئے ہوئے نیچے اترے۔ اور خیمہ گاہ کی راہ لی۔ الخ (تاریخ ائمہ ص ۲۹۵)

پہاڑی سے اترنے کے بعد اور انتہائی تیزی اور پھرتی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ کہ دشمنوں نے چاروں طرف سے اچھی طرح سے گھیر لیا۔ اور اپنی پوری طاقت سے حملہ کرنے لگے۔ مگر اللہ اکبر۔ علی کے شیر نے ان روباہوں کو بھیڑ اور بکریوں کی طرح منتشر کر دیا۔ مورخین لکھتے ہیں۔ "ففرقهم" حضرت عباس نے کمال بے جگری سے حملہ کر کے دشمنوں کو تتر بتر کر دیا۔ (دمعہ ساکبہ ص ۳۳۷) میں کہتا ہوں کہ جب حضرت عباس علیہ السلام خیمہ سے باہر برآمد ہوئے۔ تو یہ خیال کرتے ہوئے کہ کسی نہ کسی طرح اہل حرم تک پانی پہنچ جائے۔ آپ خیمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ادھر آپ کو اس بات کی کد کہ پانی خیمہ تک پہنچ جائے۔ تا کہ سوختہ دل بچوں کی پیاس بجھے ادھر قوم اشقیا کو یہ ضد کہ پانی کا ایک قطرہ بھی حدود خیمہ تک نہ پہنچنے پائے۔ عجیب کشمکش کا عالم تھا۔ آخر شیر دل بہادر نے گھوڑے کو مہمیز کیا۔ اور خیمہ کی راہ لی۔ ابھی چند گام بھی نہ چلے تھے۔ کہ قوم اشقیا نے پیاسے پر تیروں کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔ "فحاربهم محاربة عظيمة" پھر کیا تھا۔ علی کا شیر بپھر گیا۔ اور مشکیزہ کو دل سے لگا کر وہ گھمسان کی جنگ کی۔ کہ طبقات ارض کے دل ہلنے لگے۔ چنانچہ آپ نے دم کے دم میں سینکڑوں دشمنوں کو ساحل زندگی سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ سارا میدان صاف نظر آنے لگا۔ جب اشقیا نے یہ جرأت و ہمت دیکھی۔ سب جمع ہو کر یکبارگی حسین کے قوت بازو پر ٹوٹ پڑے اور حملہ کرنا شروع کر دیا۔ تیروں کی وہ کثرت تھی کہ میدان سیاہ نظر آ رہا تھا۔

ہجوم آوردہ از ہر سو سوار اں　　نمو دندش نشانِ تیر باراں
سیہ شد آنچناں دشتِ پر از تیر　　کہ مرغ نالہ عاجز شد زشبگیر

حضرت عباس کے بدن پر تیروں کی کثرت:

بروایت منتخب آپ پر تیروں کی اتنی بارش ہوئی۔ کہ آپ کا سارا بدن ساہی کے مانند ہو گیا۔ "فاخذه النبال من كل مكان حتى صار جلده كالقنفذ من كثرة النبال" آپ پر چاروں طرف سے تیروں کی اتنی بارش ہوئی کہ آپ کا بدن تیروں کی کثرت کے سبب ساہی کی طرح ہو گیا تھا۔ یعنی آپ کے بدن پر اس قدر تیر چبھے ہوئے تھے کہ جیسے ساہی کے بدن

پر کانٹے۔ اب ذرا انصاف پرور اپنے دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں۔ کہ ایسے سخت اور عظیم وقت میں کوئی کسی کو یاد کر سکتا ہے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ ایسے وقت میں اپنے نفس کی حفاظت کے علاوہ کسی بشر کے ذہن میں کسی دوسرے کا خیال تک نہیں آ سکتا۔ مگر صد آفرین ایسے وفادار کی جانبازی پر جس کے بدن مطہر پر اس طرح تیر چھبے ہوئے تھے۔ جیسے ساہی کے بدن پر کانٹے۔ اس کے باوجود پھر وہ اپنے دل میں حسینؑ اور اطفال حسینؑ کا خیال کیے ہوئے صرف اس بات کی پے در پے کوشش کرتا ہو۔ کہ چاہے قصرِ تن جوہر روح سے خالی ہو جائے۔ اور عباسؑ فنا کے گھاٹ اتر جائے۔ مگر کسی نہ کسی صورت سے خیام اہل حرم تک پانی پہنچ جائے۔ یہی سبب تھا۔ کہ آپ گھبرا گھبرا کر "یو کض" گھوڑے کو ایڑ لگا رہے تھے۔ اور مرکزِ نظر خیمہ کو قرار دے کر داہنے بائیں دیکھتے تھے

نظر بر یمین و یسارِ سپاہ دلش گرم نظارہ خیمہ گاہ

سمجھ میں نہیں آتا کہ اس وقت جبکہ آتش حرب بھڑک رہی تھی۔ جسم تیروں سے چھلنی ہو چکا تھا اور بہادر سپاہی جنگ میں مشغول تھا۔ آپ داہنے بائیں کیا دیکھتے تھے۔ کیا کسی مددگار کو تلاش فرما رہے تھے؟ نہیں نہیں۔ عباسؑ جیسے جری سے یہ امر کوسوں دور ہے۔ کہ وہ کسی معین و مددگار کو تلاش کریں۔ اور اس کے سہارے سے اپنی جان بچانے کی سعی فرمائیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علیؑ کا شیر دشمنوں کے حصار میں گھر کر دائیں بائیں اس لئے نظر دوڑا رہا تھا۔ کہ اگر کسی طرف سے ذرا سا رستہ مل جائے تو وہ اس حصار عظیم سے نکل کر حسینؑ کے تشنہ بلب بچوں تک پانی پہنچا دیں ۔

لوگ ایسے ہی جانبازوں کو روتے ہیں جہاں میں شیروں کے پسر شیر ہی ہوتے ہیں جہاں میں

(انوار الشہادت ص۵۶) طبع لاہور تحفہ حسینیہ ج۱ ص۱۷۸۔ ذکر العباس طبع اوّل ص۱۳۴ مہیج الاحزان ص۱۶۴ المواعظ والبکا ص۲۹۸)

آپ کا گھوڑے سے مخاطبہ:

اب وہ وقت آ گیا ہے کہ دشمنوں کی کثرت اور تیروں کی بارش نے حضرت عباسؑ کے سامنے موت کا نقشہ پیش کر دیا ہے۔ اور یہ دھڑکن دل میں پیدا کر دی ہے کہ شاید میں خیمہ اہل حرم تک پانی نہ پہنچا سکوں گا۔ اب آپ توسن باوفا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ اے اسپ وفادار۔ کسی صورت سے مجھے لے کر اس حصار عظیم سے نکل چل۔ تا کہ میں خیمہ اہل حرم میں پانی پہنچا دوں۔ اور حسینؑ کے چھوٹے چھوٹے بچے سیراب ہو جائیں (واقعات مقبل قلمی ۱۳۲۲ھ)

حضرت عباس کا داہنا ہاتھ کٹ گیا

ناسخ التواریخ میں ہے کہ تیراندازوں نے آپ کو چاروں طرف سے اچھی طرح گھیر لیا۔اور کمانداروں کے علاوہ ابن سعد کے لشکر نے حلقہ میں لے لیا۔آپ نے شیر بیشۂ شجاعت کی حیثیت سے ان پر انتہائی دلیرانہ حملے کیے علامہ اسفرائنی لکھتے ہیں۔کہ ان حملوں میں آپ نے ۴۵۰ دشمنوں کو قتل کیا۔ناگاہ ایک کمینے نے جس کا نام زید ابن وقاء تھا۔حکیم ابن طفیل کی مدد سے کھجور کی بنائی ہوئی کمینگاہ سے نکل کر آپ کے دست مبارک پر ایسا حملہ کیا۔کہ آپ کا داہنا ہاتھ کٹ کر زمین پر گر گیا۔حضرت عباس نے جو شیر اور چیتے کا دل اور نہنگ کا جگر رکھتے تھے۔نہایت عجلت کے ساتھ مشکیزہ کو بائیں ہاتھ میں لے لیا۔اور دشمنوں پر اسی حالت میں حملہ کیا۔مؤرخین کا بیان ہے۔ کہ اس وقت آپ نے یہ رجز پڑھی۔

واللہ ان قطعتم یمینی — انی احامی ابدا عن دینی
وعن امام صادق الیقین — نجل النبی الطاھر الامین
نبی صدق جاء نا بالدین — مصدقا بالواحد الامین

اللہ تعالیٰ کی قسم اے دشمنان دین۔اگر تم نے میرا داہنا ہاتھ قلم کر دیا ہے۔تو کچھ پروا نہیں۔میں اسی حال میں اپنے سچے دین اور فرزند رسول الثقلین امام حسین کی مدد کرتا رہوں گا۔جو نہایت صادق الیقین امام ہیں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو بالکل سچے نبی تھے۔اور ہمارے پاس دین لے کر آئے۔جو یکتا اور (امین) خلق کی تصدیق کرنے والے تھے۔

رجز پڑھنے کے بعد آپ نے ایک عظیم حملہ کیا۔اور بروایت امام اسفرائنی پچاس دشمنوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔(ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۹۱ دمعہ ساکبہ ص ۳۲۷۔نور العین ص ۵۸ طبع بمبئی ۱۲۹۲ھ و ماتئین ص ۴۵۸)

حضرت عباس کا بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا

داہنے ہاتھ کے کٹنے کے بعد مشک و علم آپ نے بائیں ہاتھ میں لے لیا۔اور اسی حال میں کثیر دشمنوں کو قتل کر ڈالا۔مؤرخین کا بیان ہے۔کہ داہنے ہاتھ کے کٹنے سے کافی خون بہہ گیا تھا۔جس کا نتیجہ یہ ہوا۔کہ آپ پر ضعف شدید طاری ہو گیا۔اتنے میں بروایت علامہ مجلسی حکیم بن طفیل ملعون نے جو درخت خرما میں چھپا ہوا بیٹھا تھا۔ایک ایسی ضرب لگائی "قطع یدہ الیسریٰ من الزند" کہ آپ کا بایاں ہاتھ گٹے سے کٹ گیا۔اور بروایت اسفرائنی آپ پر عبداللہ ابن شہاب کلبی نے

حملہ کرکے آپ کا بایاں ہاتھ قطع کر دیا۔ ہاتھ کٹنے کے بعد آپ قوم جفا کار پر ٹوٹ پڑے۔ بہت سے آدمیوں کو مار ڈالا۔ اور بہتوں کو مار گرایا۔ یہ دیکھ کر ابن اسعد نے آواز دی۔ ارے تمہارا برا ہو۔ مشکیزے پر تیروں کی بوچھاڑ کرو۔ "ارشقو القربة بالنبل فو الله ان شرب الحسين لماء افنا كم عن اخركم اما هو الفارس بن الفارس و البطل المداعس" اور مشکیزے کے ٹکڑے اڑا دو۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اگر حسین نے پانی پی لیا۔ تو تم سب کو فنا کر چھوڑیں گے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ شہسوار روزگار حضرت علی کے بیٹے اور زبردست بہادر ہیں۔

(ترجمہ مقتل ابی مخنف ص ۷۴ و کبریت احمر ص ۲۹ و بحار الانوار و ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۹۱)

مؤرخین لکھتے ہیں۔ کہ ابن سعد کے اس کہنے پر حضرت عباس پر زبردست حملہ ہوا۔ آپ نے بھی پورا زور دیا۔ اور یہ رجز پڑھی۔

يا نفس لا تخش من الكفار	وابشرى برحمة الجبار
مع النبى سيد الابرار	مع جملة السادات والاطهار
قد قطعوا ببغيهم يسارى	فاصلهم يا رب حر النار

ترجمہ: اے نفس۔ کافروں سے مت جھجک اور خدائے جبار کی رحمت سے خوش ہو۔ جو تمام نیکوں کے سردار نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اور تمام پاک اور پاکیزہ نفوس اور سادات کے ساتھ ملے گی۔ انہوں نے اپنی بغاوت سے میرا بایاں ہاتھ قطع کیا۔ خدایا۔ ان کو آگ کی تپش سے جلانا۔

(تحفہ حسینیہ ج ا ص ۱۸۹۔ مقتل ابی مخنف ص ۷۵)

دونوں ہاتھوں کے کٹ جانے کے بعد

حضرت عباس کے دونوں ہاتھ کٹ چکے ہیں۔ اب سقائے سکینہ کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ کہ مشک سکینہ کو دانتوں سے تھام کر وفاداری کی آخری منزل پر فائز ہونے کا ثبوت دیں۔ "فحمل عليه السلام القربة باسنانه وجعل يركض ليوصل الماء الى عطاش اهل البيت" آپ نے مشکیزہ کو اپنے دانتوں سے سنبھال لیا۔ اور گھوڑے کو بار بار ایڑ دینے لگے۔ تاکہ کسی صورت سے حسین کے پیاسے اہل بیت تک پانی پہنچ جائے۔

(دمعہ ساکبہ ص ۳۲۳ و مقتل ابی مخنف ص ۷۵)

آپ کا کیا کہنا۔ مشکیزے کو دانتوں سے سنبھالا اور علم اسلام کو کٹے ہوئے ہاتھوں کی مدد سے محفوظ کر لیا۔ "ضمه الى صدره" آپ نے علم اسلام کو اسی طرح سینے سے لگایا۔ جس طرح

جنگ موتہ میں جناب جعفر طیار نے سینے سے لگا لیا تھا۔ آپ کا چونکہ تمامتر معاملہ جعفر طیار جیسا ہے۔ اس لئے انہیں کی طرح جنت میں پرواز کے لئے پر بھی نصیب ہوئے۔

(طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۷۷ طبع لندن ۱۳۲۲ھ و کنز العمال ج ۶ ص ۳۶۲ و معالم الزلفی ص ۱۲۶ و نزہتہ الانوار ص ۳۶۴ تظلم الزہراء ص ۱۲۰)

امام اسفرائنی لکھتے ہیں۔ کہ دونوں ہاتھوں کے کٹ جانے کے بعد حضرت عباس نے قوم جفا کار کو مخاطب کر کے کہا کہ **"ھکذا الاقی جدی المصطفیٰ وابی علی المرتضیٰ"** میں اسی طرح جد نامدار محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور والد بزرگوار حضرت علیؑ سے ملاقات کروں گا۔ (نور العین ص ۴۲) امام اسفرائنی کتاب مذکور کے ص ۶۰ پر بھی یہ تحریر کرتے ہیں۔ کہ جب حضرت عباس کے دونوں ہاتھ کٹ چکے۔ تو آپ نے کٹے ہوئے ہاتھوں سے دشمن پر حملہ کیا۔ اور کمال شجاعت کی وجہ سے تین سو پانچ دشمنوں کو واصل جہنم کیا۔ اور جانبازی اور شجاعت کا مکمل ثبوت دے دیا۔ جناب جعفری سرحدی کہتے ہیں۔

ہاتھوں کو کٹا کر دریا پر عباس دلاور کہتے تھے   جو تا قیامت سبز رہے وہ بیج وفا کا بونا ہے

حضرت عباس کی دعا:

علامہ یزدی لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عباس کے جب دونوں ہاتھ کٹ گئے تو آپ نے اپنے چہرہ کو آسمان کی طرف کر کے دعا کی **"اللھم ان اطفال الحسین عطشان"** خدایا۔ حسین کے بچے پیاسے ہیں۔ میرے پالنے والے۔ اتنا انتظام کر دے۔ کہ میں پیاسے بچوں تک پانی پہنچا دوں۔

حضرت عباس کی کوشش کہ میں پہنچا دوں آب   تیر کو یہ ضد کہ مشکیزہ میں پانی رہ نہ جائے

(انوار الشہادت ص ۷۵ طبع لاہور)

مشکِ سکینہ پر تیرِ ستم

حضرت عباس مشکِ سکینہ کو اپنے دل سے لگائے ہوئے لئے جا رہے تھے۔ اور آپ کی پوری سعی یہ تھی کہ کسی نہ کسی صورت سے خیمۂ اہل حرم تک پانی پہنچ جائے۔ ناگاہ **"فجاءہ سھم فاصاب القربۃ واریق ماءھا"** ایک تیرِ ستم آیا اور مشکِ سکینہ میں لگ گیا۔ تیر کا لگنا تھا۔ کہ پانی عباس کے خون کے ساتھ بہنے لگا۔

مشک پر ناوک لگا عباس کی ہمت گھٹی   مل گئیں مایوسیاں بگڑی ہوئی تقدیر میں

علامہ شیخ جعفر شوشغری تحریر فرماتے ہیں۔ "فعند ذالك وقف العباس" تیر کے لگتے ہی حضرت عباس کی ہمت پست ہوگئی۔ اور آپ نے خیمہ کی طرف رہروی روک دی۔ (المواعظ والبکا ص ۱۱۲ طبع بمبئی و دمعہ ساکبہ ص ۳۳۷) علامہ قزوینی لکھتے ہیں کہ پانی کے بہتے ہی حضرت عباس نے قربوس زین پر سر رکھا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کی۔ "اب مجھے خیمہ میں جانا نصیب نہ ہو۔ بچہ طریق جواب تشنہ کامانِ عورات واطفال راد ہم" ہائے پیاسی عورتوں اور تشنہ لب بچوں کو کیا جواب دوں گا۔

چوں آب ریخت جبہہ بہ قربوسِ زین نہاد ازانفعالِ تشنہ لباں تن بمرگ داد

(انوار الشہادت ص ۵۷ و تحفہ حسینیہ ج ۱ ص ۱۸۰)

سینۂ عباس پر سوفارِ غم

حضرت عباس مشک سکینہ کے غم میں تھے ہی۔ کہ ناگاہ "ثم جاء سهم اخر فاصاب صدره" ایک دوسرا تیرِ غم کا آیا۔ اور سینہ اقدس میں پیوست ہوگیا۔ تیر کا لگنا تھا۔ کہ آپ گھوڑے پر ڈگمگانے لگے۔ (دمعہ ساکبہ ص ۳۳۷)

حضرت عباس کے سرِ اطہر پر گرزِ آہنی

ابھی آپ زمین پر نہ تشریف لانے پائے تھے کہ "فضربه ملعون بعمود من حديد على ام راسه ففلق هامته فوقع على الارض" ناگاہ ایک ملعون نے آپ کے سر اقدس پر گرز گراں بار کا ایسا وار کیا۔ کہ آپ کا سر شگافتہ ہوگیا۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں۔ کہ جب آپ گھوڑے پر ڈگمگا رہے تھے۔ تو ایک ملعون آپ کے قریب آیا۔ اور کہنے لگا عباس۔ تم تو بڑے بہادر تھے۔ اب میں جانوں اگر اپنی شجاعت کا جوہر دکھاؤ۔ حضرت عباس نے فرمایا۔ "اے ظالم! وقتیکہ دست داشتم' چرا نیامدی کہ شجاعتم را بہ بینی" اے ظالم۔ اس وقت کہاں تھا جب میرے ہاتھ موجود تھے۔ ذرا تھوڑی دیر قبل آتا تو میں جوہر شجاعت تجھے دکھلاتا۔ یہ سن کر اس ملعون نے "بلا خوف اللہ تعالیٰ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمودے از آہن بالا بردو برفرق نازنین آں بزرگوار فرود آورد" ایک لوہے کا ستون بلند کیا۔ اور حضرت کے سر اقدس پر اس زور سے لگایا۔ کہ سر مبارک شگافتہ ہوگیا۔ (دمعہ ساکبہ ص ۳۳۷ نور العین ص ۴۲۔ دکشف الانوار ترجمہ بحار ج ۹ باب القصاص ص ۱۷۱ طبع ایران۔ مقتل ابی مخنف ص ۵۷۔ ابصار العین ص ۴۷)

صاحب ناسخ التواریخ فرماتے ہیں:

حکیم ابن طفیل عمودے از آہن بر فرق شریفش فرود آورد۔ایں وقت عباس از اسپ افتاد (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۹۰ و انوار الشہادت ص ۵۷۔ اشارۃ الاخراں ص ۳۵۔ ومصائب المعصومین ص ۱۵۱ ترجمہ الحسین جلالی مصری ج ۲ ص ۱۲۱ طبع پٹنہ)

میدان کارزار میں حکیم ابن طفیل ملعون نے آپ کے سر مبارک پر ایک زبردست گرز آہنی کا وار کیا جس کے صدمے سے آپ گھوڑے سے گر پڑے۔

آپ کا دماغ کندھوں پر

ارباب مقاتل کا بیان ہے کہ جب حضرت عباس کے سر مبارک پر گرز گراں بار لگا۔تو آپ کا دماغ مبارک کندھوں پر آ گیا تھا۔آقائے دربندی لکھتے ہیں۔"فضربه حکیم ابن الطفیل من وراء نخلة بعمود من حدید علی راسه الشریف فسقط مخ راسه علی کتفیه فهوی عن متن الجواد و هو ینادی واخاه واحسیناه وا ابتاه و اعلیاه" کہ آپ کے سر مبارک پر حکیم ابن طفیل ملعون نے کھجور کے ایک درخت کی آڑ سے لوہے کا ایسا گرز گراں بار لگایا۔کہ آپ کا سر مبارک شگافتہ ہو گیا۔اور آپ کا دماغ دونوں کندھوں پر آ گرا۔ضرب لگتے ہی آپ یہ فریاد کرتے ہوئے۔اے بھائی حسین اور اے ابا جان خبر لیجئے' گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے۔(اسرار الشہادت ص ۳۲۷ جواہر الایقان ص ۲۱۳)

حضرت عباس کا امام حسین کو پکارنا

زمین پر تشریف لاتے ہی حضرت عباس علیہ السلام نے آخری سلام امام حسین کی خدمت میں اس طرح پہنچایا۔"یا ابا عبد الله علیك منی السلام" اے ابوعبداللہ آپ پر میرا آخری اسلام ہو۔ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ آواز دی۔"یا اخاه ادرك اخاك" اے بھیا حسین مدد کو پہنچو۔

عباس پکارے کہ خبر لیجئے آ کر — مولا یہ غلام آپ کا گھوڑے سے گرا ہے

حضرت امام حسین کے کانوں میں حضرت عباس کی آواز کو پہنچنا تھا۔کہ "فصاح الحسین" کہ آپ رو پڑے۔(انوار الشہادت ص ۸ و تحفہ حسینیہ ج ا ص ۱۸۰ مقتل ابی مخنف ص ۷۵)

علامہ واعظ کاشفی لکھتے ہیں۔" آ ہے از امام حسین برآمد کہ زمین کربلا از حقیقت آں

بلرزہ درآمد" حضرت عباس کی آواز سن کر امام حسین نے ایسی آہ کھینچی۔ کہ زمین کربلا تھرتھرا اٹھی۔
(روضۃ الشہداء ص ۳۶۴)

گھوڑے سے گرنے کے بعد
حضرت عباس کے جسم میں تیروں کی پیوستگی

علامہ شیخ جعفر شوشتری تحریر فرماتے ہیں۔ میں اس سقائے تشنہ کی مصیبت کو اس وقت بیان کرتا ہوں جبکہ آپ کی جنگ اور کوششوں کے باوجود مشک پارہ پارہ ہوگئی۔ اس وقت آپ اس جگہ پہنچے جہاں اب قبر مطہر ہے۔ "فعند ذالك وقف العباس" اس جگہ عباس ٹھہر گئے۔ پھر آپ نے حرکت نہیں کی یہاں آپ کو ٹھہرنا پڑا۔ اگر نہ ٹھہریں تو کیا کریں۔ کہاں جائیں۔ بھاگنا بھی نہیں چاہتے۔ ہاتھ بھی نہیں ہیں۔ کہ مدافعت کریں۔ خیمہ گاہ کی طرف بھی نہیں آئے۔ اس حالت میں اہل حرم کے نالہ و فریاد کی آواز سنی۔ اس حالت میں جبکہ کھڑے ہوئے تھے۔ تیر بارانی بھی ہوئی۔ اخبار میں وارد ہوا ہے۔ "فصار جلده كالقنفذ" آپ کا جسم مثل خارپشت ہوگیا تھا۔ گھوڑا اس حالت میں جولانی سے نہ رکا۔ ناگاہ ایک تیر آیا۔ اور آپ کے سینے مبارک پر لگا۔ اور حضرت عباس زمین پر گر پڑے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ بیان کروں۔ کہ حضور کی مصیبت اسی قدر نہ تھی۔ جو تم سن چکے ہو۔ اصل مصیبت اس وقت تھی جب آپ گھوڑے سے گرے۔ تصور کیجئے۔ کہ آں جناب اس بلندی قامت کے باوجود ایسی حالت میں کہ جب گھوڑا جولان تھا۔ جب زمین پر گرے ہوں گے۔ تو کیا قیامت ہوئی ہوگی۔ وہ تمام تیر حضور کے جگر میں۔ رگ رگ میں۔ آنتوں میں اور جسم کے اندرونی حصوں میں در آئے ہوں گے۔ (الارشاد الغرا ترجمہ المواعظ والبکا ص ۲۲۴ مجلس طبع لاہور)

حضرت عباس کی صدائے فریاد سے امام حسین کی کمر ٹوٹ گئی

حضرت عباس نے گھوڑے سے گرتے ہوئے امام حسین کو آواز دی۔ بھیا اپنے غلام کی خبر لیجئے۔ اس آواز کا امام حسین کے کانوں تک پہنچنا تھا۔ کہ آپ نے کمر تھام لی۔ اور فرمایا۔ "الآن انکسر ظهری و قلت حیلتی" ہائے میری کمر ٹوٹ گئی اور راہِ چارہ مسدود ہوگئی

جہاں بدیدۂ مظلوم کربلا شب شد سپہر گفت اسیری نصیب زینب شد

(دمعہ ساکبہ ص ۳۳۷۔ اسرار الشہادت۔ بحار الانوار، ارشاد مفید، اعلام الوریٰ، ناسخ التواریخ، مقتل ابی مخنف، مقتل عوالم، لہوف، انوار شہادت، جواہر الایقان)

حضرت عباس کی آواز پر امام حسین کی روانگی اور راستے میں ہاتھوں کا ملنا

حضرت عباس کی صدائے فریاد امام حسین کے کانوں میں پہنچی۔ آپ فوراً روانہ ہو گئے۔ علامہ یزدی بحوالہ محرق الفواد و مقتل ابن عربی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسین تیزی کے ساتھ اپنے فرسِ تشنہ پر سوار حضرت عباس کے گھوڑے سے گرنے کی جگہ تشریف لئے جا رہے تھے۔ کہ راستے نے فرسِ تیز گام نے قدم روکے۔ حضرت نے ہر چند کوشش کی۔ کہ قدم فرس آگے بڑھے۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ اے اسپ وفادار۔ اب زندگی کے چند لمحات باقی ہیں۔ آخر ایسے نازک وقت جبکہ میرا بھائی زمین پر آیا ہوا ہے۔ میرا ساتھ کیوں چھوڑ رہا ہے۔ اس نے "ناگاہ بقدرت کاملہ الٰہی قفل از زبانِ آں حیوان برداشتہ شد۔ عرض کرد۔" یــــا سیّدی امـا تـنـظر الی الارض" بقدرت کاملہ الٰہی گویا ہو کر کہا۔ مولا۔ ذرا میرے پیروں کی طرف دیکھئے۔ آپ نے کیا دیکھا۔ دیکھا۔ کہ حضرت عباس کا ہاتھ زمین پر پڑا اور خاک وخون میں لتھڑا ہے۔ حضرت فوراً گھوڑے سے اتر پڑے۔ اور اسے اٹھا کر آنکھوں سے لگایا۔ بوسے دیے۔ اور گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھ گئے۔ پھر ایک مقام پر دوسرا ہاتھ نظر آیا۔ آپ نے اسے سینے سے لگایا۔ پھر آگے بڑھ کر مشکیزے کے ٹکڑے دکھائی دیے۔ امام حسین نے ایک آہ سرد کھینچی اور فرمایا۔ "اف لك يا دينا قتلت او لادی عطاشا" اے دنیائے دنی۔ تف ہے تیرے اوپر۔ آہ میرے پیاسے بچے قتل کر دیے گئے۔ (انوار الشہادت ص ۷۰ طبع لاہور ۱۲۸۷ھ)

علامہ شیخ شوشتری نے راستے میں حضرت امام حسین کو حضرت عباس کے ہاتھوں کے ملنے میں اختلاف فرمایا ہے۔ (المواعظ والبکاء ص ۱۱۲ طبع بمبئی ۱۳۳۹ھ)

حضرت عباس تک امام حسین کی رسیدگی

حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت عباس کے ہاتھوں کو لئے ہوئے اس مقام پر پہنچے۔ جہاں حضرت عباس زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ ایک روایت کی بنا پر حضرت امام حسین اس وقت پہنچے۔ جب حضرت عباس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ اور دیگر روایات کی بنا پر آپ میں رمق جان باقی تھی۔ آپ نے وہاں پہنچ کر

افتادہ دیدہ غرق بخوں ماہ پیکرے ‏ ‏ ‏ یارب نہ بیند ہیچو تنے را برادرے

دیکھا کہ آپ خاک وخون میں آغشتہ ہیں۔آپ کے ہاتھ کٹے ہوئے ہیں۔سینے میں تیر پیوست ہے۔سر پر گرز گراں بار نے وہ اثر پیدا کردیا ہے۔کہ ''الامان والحفیظ'' آپ نے یہ کچھ دیکھ کر فریاد کی ''وا اخاہ واعباساہ وامھجۃ قلباہ واقرۃ عیناہ واقلۃ ناصراہ یعز علی فراقک'' اے بھائی اے عباس۔اے دل کے سکون۔اے آنکھوں کی ٹھنڈک۔اے بے ناصرو مددگار۔ارے تیری جدائی میرے لئے سب کی جدائی سے زیادہ شاق ہے۔کثیر روایات کی بنا پر آپ نے فرمایا۔''الان انکسر ظھری وقتل حیلتی''

کسروا بقتلک ظھر سبط محمد   و بکسرہ انکسرت قوی الاسلام

اے عباس دشمنوں نے تم کو قتل کر کے حسین کی کمر توڑ دی۔اور حسین کی کمر ٹوٹنے سے اسلام کی کمر شکستہ ہوئی۔

صاحب تلخیص المصیبت لکھتے ہیں۔کہ حضرت عباس کے کانوں میں حسین کی آواز کا پہنچنا تھا۔کہ آپ نے غش سے آنکھیں کھول دیں۔اور تعظیم کے لئے اٹھنے کی سعی کرنے لگے۔مگر اٹھ نہ سکے۔(روضۃ الشہدا ءص ۳۲۳ تحفہ حسینہ ج اص ۱۷۸ تلخیص المصیبت ص ۲۵۹ طبع لکھنؤ)

حضرت عباس کی آنکھوں میں تیر:

مشہور ہے کہ حضرت عباس کے پاس جس وقت حضرت امام حسینؑ پہنچے۔تو آپ نے ان کے چشم ہائے مبارک میں سات تیر پیوست دیکھے۔جنہیں آپ نے اپنے ہاتھوں سے نکالا۔علامہ سماوی تحریر فرماتے ہیں کہ ''حضرت عباس کے سر مبارک پر قبیلہ بنی تمیم کے ایک شخص نے گرز مارا۔اور جناب گھوڑے سے زمین پر آ گئے۔اور آپ نے بآواز بلند حضرت امام حسینؑ کو پکارا۔اے میرے مولا وآقا۔تشریف لائیے۔آواز کے سنتے ہی حضرت مثل باز کے پہنچے۔دیکھا کہ دونوں ہاتھ نہیں ہیں۔پیشانی پارہ پارہ ہے۔آنکھوں میں تیر لگے ہوئے ہیں۔حضرت جسم مبارک عباس کے قریب بیٹھ گئے۔اور رونے لگے تا آنکہ روح مبارک پرواز کر گئی۔

(نور العین ترجمہ ابصار العین علامہ سماوی ص ۴۸ طبع حیدرآباد)

حضرت عباس کا وصیت فرمانا

آقائے دربندی تحریر فرماتے ہیں۔کہ حضرت عباس کی آواز پر امام حسین شکستہ پر باز کی طرح دشمنوں پر جھپٹے اور بڑے بڑے ستر دشمنوں کو تہ تیغ کر کے حضرت عباس تک پہنچے وہاں پہنچ کر حضرت عباس کی حالت ملاحظہ کی۔اور فرمایا۔اے بھائی۔تم نے کمر توڑ دی۔اس کے بعد آپ

نے ارادہ کیا۔ کہ حضرت عباس کو اٹھا کر خیمہ میں لے جائیں۔ حضرت عباس کو جو یہ محسوس ہوا کہ مجھے اٹھایا جا رہا ہے۔ آنکھیں کھول دیں۔ اور پوچھا۔ بھائی کیا ارادہ ہے۔ فرمایا تمہیں خیمہ میں لے جانا چاہتا ہوں۔ حضرت عباس نے عرض کی۔ "یا اخی بحق جدك رسول الله عليك الا تحملني ودعني في مكاني هذا" آپ کو رسول مقبول کا واسطہ۔ آپ مجھے خیمہ میں نہ لے جائیں۔ امام حسین نے پوچھا بھائی وہ کیوں؟ عرض کی "لانی مستحی من ابنتك سكينة" مجھے سکینہ سے حیا آتی ہے۔ میں اس سے وعدہ کر کے آیا تھا۔ کہ میں تیرے لئے پانی لاؤں گا۔ اور چونکہ میں وعدہ پورا نہ کر سکا۔ اس لئے میں اس کے سامنے نہیں جانا چاہتا۔ (اسرار الشہادت ص ۳۳۷ طبع ایران ۱۲۷۹ھ) بعض کتابوں میں ہے کہ حضرت عباس نے ایک وصیت یہ بھی کی تھی۔ کہ میری زوجہ سے میرے حقوق معاف کرا دیجئے گا (تلخیص المصیبت ج ۳ ص ۲۲۰) بعض کتب مقتل میں ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس کے سر مبارک کو اپنے زانو پر رکھ لیا۔ جب حضرت عباس کو محسوس ہوا۔ کہ ان کا سر امام حسین کے زانو پر ہے تو انہوں نے اپنا سر ہٹا لیا۔ اور عرض کی۔ مولا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ میرا دم اس حال میں نکلے کہ میرا سر آپ کے زانو پر ہو۔ کیونکہ بعد عصر آپ کا سر مبارک زمین گرم پر ہو گا۔ (واقعات مقبل قلمی)

حضرت امام حسین کا فریاد کرنا

حضرت عباس کے وصیت کرتے ہی امام حسین نے فریاد شروع کردی آپ نے ارشاد فرمایا:

اخييا نور عيني يا شفيقي	فلي قد كنت كالركن الوثيق
ايا ابن ابي نصحت اخيك حتى	سقاك الله كاسا من رحيق
اياقمرا منيرا كنت عوني	على كل النوائب في المضيق
فبعدك لا تطيب لنا حيواة	سنجمع في الغداوة على الحقيق
الا لله نشكواى و صبرى	وما القاه من ظمأ وضيق

ترجمہ: اے میرے بھائی! تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا چین ہے۔ تو میری زندگی کے لئے ایک مستحکم رکن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اے میرے بھائی تو نے اپنے بھائی کا اس طرح ساتھ دیا ہے۔ کہ اب جام موت سے سیراب ہو رہا ہے۔ اے ماہ روشن تو نے ہر مصیبت اور ہر تنگی میں میری مدد کی ہے۔ اللہ تعالیٰ شاہد ہے کہ میں تیرے بعد زندگی پسند نہیں کرتا۔ دیکھے عنقریب کل ہی ہم لازمی طور پر بارگاہِ احدیت میں جمع ہو جائیں گے بے شک ہماری صبر و شکیبائی کا مرکز اور تنگی و ترشی کا

ماویٰ ذات باری ہے۔ ہمیں اسی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ (اسرار الشہادت) ایک روایت میں ہے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے قوم نابکار کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:۔

تعدیتم یا شر قوم ببغیکم — وخالفتموا دین النبی محمد
اما کان خیر الخلق وصاکم بنا — اما کان جدی خیرۃ اللہ احمد
اما کانت الزهراء امی والدی علیا — اخا خیر الانام المسدد
لعنتم واخزیتم بما قد جنیتم — فسوف تلاقوا حر نار توقد

(ترجمہ) اے بدترین قوم۔ تم نے اپنی سرکشی کی وجہ سے ظلم پر کمر باندھ لی ہے۔ اور تم نے ہمارے بارے میں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی۔ کیا بہترین خلق محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے بارے میں تم کو وصیت نہیں کی۔ کیا اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے نانا نہ تھے۔ کیا میری ماں فاطمہ زہرا نہ تھیں۔ کیا ہدایت یافتہ اور بہترین خلق کے بھائی علی میرے باپ نہ تھے۔ سنو تم پر لعنت رہے گی۔ اور جو گناہ تم نے کیے ہیں۔ ان کا مواخذہ کیا جائے گا۔ یاد رکھو۔ عنقریب تم لوگ آگ کے بھڑکتے شعلوں میں جلو گے (دمعہ ساکبہ ص ۳۳۷ و مقتل ابی مخنف ص ۷۵ نوادر الادب ص ۱۳۱ طبع لکھنؤ۔ ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۹۱)

علامہ السید محمد حسن اپنی کتاب الدمعۃ الساکبۃ منظوم ص ۱۱ طبع لکھنؤ ۱۳۰۴ھ میں لکھتے ہیں:

ولما رأی عباسہ متجدلا — فقال ویبکی والحشا یتضرم
وبعدك ظهری یا اخی لمکسر — وما حیلتی الا ولیس تیمم

ترجمہ: اور جب آپ نے اپنے بھائی عباس ابن علی کو زخمی اور خاک و خون میں غلطان زمین پر پڑا دیکھا۔ تو یہ کلمات حسرت آپ نے ارشاد فرمائے اور آپ روتے جاتے تھے۔ اور گویا آپ کے دل و جگر سے شعلے نکل رہے تھے۔

او ہم بشہیدان دگر ملحق شد

ابو مخنف لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عباس زمین پر رخسار کے بل گر پڑے۔ اپنے خون میں تڑپ کر آواز دینے لگے۔ اے ابو عبداللہ حسین۔ آپ پر میرا آخری سلام۔ امام حسین نے جس وقت عباس کی آواز سنی۔ فرمایا ہائے میرے دل کی روح رواں "ثم حمل علی القوم فکشفهم عنه" پھر آپ نے ان لوگوں پر حملہ فرما کر اپنے بھائی کے پاس سے ہٹا دیا (مقتل ابی مخنف ص ۷۰ ۳) علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں۔ "خود را بر روئے او انداخت۔ وشیون در گرفت۔ جمعے سوار و پیادہ کہ آنجا بودند بیک بار بروے حملہ کردند و ذرہ ذرہ گوشت اعضائے اور

البسر ہائے نیزہ درر بود ِہ" حضرت عباس کی آواز سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام میدان کی طرف روانہ ہوئے۔اور وہاں پہنچ کر اپنے کو حضرت عباس پر گرادیا۔اور بے پناہ گریہ کرنے لگے۔ اتنے میں ان سواروں اور پیدلوں نے مل کر حضرت عباس پر حملہ کر دیا۔اور آپ کے جسم مطہر کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا (روضۃ الشہداء ص ۳۶۳) علامہ سماوی لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت عباس کے جسم کے قریب بیٹھ گئے اور رونے لگے۔ باا ینکہ روح مبارک پرواز کر گئی۔ حضرت نے وہاں سے اٹھ کر لشکرِ اعدا پر ایسے حملے کئے۔ کہ سارا لشکر بھیڑوں کی مانند ادھر ادھر بھاگنے لگا۔آپ فرماتے تھے۔اے میرے برابر کے بھائی کو قتل کرنے والو۔اب کہاں بھاگ رہے ہو (ترجمہ ابصار العین ص ۴۸ طبع حیدر آباد) علامہ محمد باقر البہبہانی تحریر فرماتے ہیں کہ

ان من كثرة الجراحات الواروة على العباس لم يقدر الحسين ان يحمله الى محل الشهداء فترك جسده في محل قتله و رجع باكيا حزينا الى الخيام

حضرت عباس علیہ السلام کے جسم مبارک پر اتنے زیادہ زخم تھے کہ امام حسین اس چیز پر قادر نہ ہو سکے۔ کہ انہیں گنج شہیداں تک لا سکیں۔ بنابریں محل قتل پر چھوڑ کر باصد گریہ و بکا واپس تشریف لے آئے۔

(دمعہ ساکبہ ص ۳۳۷ طبع ایران)

آقائے دربندی تحریر فرماتے ہیں "فوضعه في مكانه ورجع الى الخيمة وهو يكفكف دموعه بكم" حضرت امام حسین بصد مجبوری حضرت عباس کے جسم مطہر کو مقام قتل پر چھوڑ کر اس حال میں واپس آئے کہ آستین سے آنسو پونچھ رہے تھے۔(اسرار الشہادت ص ۳۳۷)

علامہ یزیدی رقمطراز ہیں کہ:

آنحضرت در وقتیکہ بر سر نعش حضرت عباس علیہ السلام آمد۔ آں بدن را مجروح و پارہ پارہ یافت بحدیکہ نتوانست حضرت از کثرتِ جراحت آنرا بخیمہ گاہ نقل نماید۔ آں را بحالِ خود گزاشت وتنہا مراجعت نمود (انوار الشہادت ص ۶۰)

جب امام حسین حضرت عباس کے سرہانے پہنچے۔ تو ملاحظہ فرمایا۔ کہ بدن عباس بالکل ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا گیا ہے۔اور اس کثرت جراحت کی وجہ سے آپ خیمہ گاہ میں نہ لا سکے۔ بلکہ اس حال میں اسی جگہ چھوڑ کر تنہا واپس چلے آئے۔

غرض کہ حضرت عباس علیہ السلام حضرت امام حسین علیہ السلام کا ساتھ چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔اور کس قدر رنج کی بات ہے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے اس جانباز برادر کی نعش محترم تک کثرتِ جراحت کی وجہ سے خیمہ میں نہ لا سکے۔"انا لله وانا اليه راجعون"

مسٹر عبدالمجید مدیر رسالہ "مولوی" دہلی لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عباس علیہ السلام کی شہادت یوم عاشور بعد از ظہر واقع ہوئی ہے (شہید اعظم ص ۲۲۱ طبع دہلی)

جناب سکینہ کا امام حسین سے حضرت عباس کے متعلق سوال اور مخدرات عصمت کا گریہ

آقائے دربندی ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت عباس کے جسم مطہر کو میدان میں چھوڑ کر آستین سے آنسو پونچھتے ہوئے جیسے ہی خیمہ میں پہنچے ہیں۔ "اتت الیہ سکینۃ ولزمت عنا جوادہ" جناب سکینہ دوڑ پڑیں۔ اور لجام فرس سے لپٹ کر عرض کرنے لگیں۔ بابا جان "هل لك علم نعمی العباس" آپ کو میرے چچا عباس کی بھی کچھ خبر ہے۔ اے بابا۔ میں نے ان سے پانی کی خواہش کی تھی۔ وہ اب تک پلٹ کر نہیں آئے۔ بابا جان۔ وہ تو کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے تھے۔ آپ سچ بتائیے کیا ہمارے چچا جان نے پانی پی کر اپنا دل ٹھنڈا کر لیا۔ اور ہم سب کو بھول گئے۔ یا دشمنوں سے حصول آب کے لئے اب تک لڑ رہے ہیں۔ "فعندها بکی الحسین" یہ سن کر حسین بے ساختہ رو پڑے اور کہنے لگے۔ میری بیٹی! تمہارے چچا عباس قتل کر دیے گئے۔ اور ان کی روح جنت کو پرواز کر گئی۔ "فلما سمعت زینب صرخت و نادت" یہ سننا تھا۔ کہ جناب زینب بھی چلا کر روئیں اور آواز دی۔ "واعباساہ" اے میرے بھائی عباس۔ آپ نے تو سخت مایوسی پیدا کر دی۔ اس کے بعد تمام بیبیاں رونے لگیں۔ اور انہیں کے ساتھ ساتھ امام حسین بھی گریہ فرمانے لگے۔

زگفتار او عرش شدا اشکبار جہاں گشت از گریہ اش بے قرار

(اسرار الشہادت ص ۳۳۷ و جواہر الایقان ص ۳۱۳)

حضرت عباس کی خبر شہادت سے خیمہ میں کہرام

عالم اہل سنت امام ابو اسحاق اسفرائنی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عباس کی خبر شہادت کا خیمہ میں پہنچنا تھا کہ "خرجت النساء وبکین علیہ وعلت اصواتهن بالبکاء والنحیب حتی بکت لبکائهن ملئکة السماء فادخلهن الحسین فی الخیام" عورتیں خیمہ سے نکل پڑیں اور بے پناہ گریہ کیا ان کی آوازیں بلند تھیں۔ اور ان کے رونے سے ملائکہ گریہ کن تھے۔ یہ دیکھ کر امام حسین نے عورتوں کو داخل خیمہ کر دیا۔

پراز گریہ شد از سما تا بہ سمک　　　پر از نوحہ بود از زمیں تا فلک

(نور العین ص ۶۰ طبع بمبئی)

"سر دیں را برید بے دینے"

مذکورہ مصرعہ سے مولانا روم نے حضرت عباس کی تاریخ شہادت نکالی ہے۔ لفظ دین سے دال کو علیحدہ کرنے سے تاریخ شہادت حضرت عباس نکلتی ہے۔ اس کے علاوہ مظفر حسین صاحب اسیر شاعر دربار واجد علی شاہ تاجدار اودھ نے "سیّد بے ید" سے تاریخ نکالی ہے۔ اور جناب یاس آزدی نے فقط "حسین" کا سر کاٹ کر حروف منقوطہ وغیر منقوطہ سے علیحدہ علیحدہ تاریخ نکالی ہے (اقول) اگرچہ ہر ایک سے ۶۰ ھ ہجری نکلتی ہے۔ لیکن بلاغت کی وجہ سے قابل قدر ہے۔

آپ کی کنیت ابو قربہ:

علامہ اسفرائنی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے چونکہ کربلا میں کمال بے جگری سے سقائی فرمائی تھی۔ لہٰذا آپ کا لقب سقا قرار پایا تھا۔ اور چونکہ آپ کی شہادت مشکیزہ کے پر از آب کرنے کے سلسلہ میں واقع ہوئی ہے۔ لہٰذا آپ کی کنیت ابو قربہ قرار پائی۔ (ابصار العین ص ۲۹ طبع نجف اشرف) علامہ عبد الرزاق موسوی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی کنیت ابو الفضل۔ ابو قربہ اور ابو القاسم تھی۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری نے زیارت اربعین میں اس طرح سلام کیا ہے۔ "السلام علیك یا ابا القاسم یا عباس بن علی" الخ (قمر بنی ہاشم ص ۲۵)

حضرت عباس کی عمر شریف

شہادت کے وقت حضرت عباس کی عمر شریف کیا تھی؟ اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں (۱) کتاب ذبح عظیم ص ۳۱۵ میں ۲۴ سال۔ (۲) شرعۃ المصائب ج ۲ ص ۱۷۸ میں تیس سال۔ (۳) ید بیضاء ص ۱۰۳ میں بتیس سال۔ (۴) واقعہ کربلا اور اس کے اسباب و نتائج ص ۹ میں بتیس سال (۵) چراغ زندگی حصہ ۳ ص ۱۹۴ میں ۳۵ سال (۶) جواہر البیان ص ۲۳۶ میں ۳۶ سال (۷) حدائق الانس ص ۶۱ میں ۳۵ سال سے زائد (۸) مرقات الایقان ص ۱۷ میں ۳۵ سال مرقوم ہے۔ لیکن علمائے تاریخ کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کی عمر شریف بوقت شہادت ۳۴ سال کی تھی۔ "عباس در وقت شہادت سی و چہار سالہ بود۔ ملاحظہ ہو ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۹۱ عبد المطالب ص ۲۵۱ مفاتیح الجنان ص ۵۵۰ فوائید المشاہد ص ۲۲۳ دمعہ ساکبہ ص ۳۳۷ مقاتل الطالبین ص انوار الحسینیہ ص ۶۶ اخذ الثار ص ۳۹۸۔ تاریخ ائمہ ص ۲۹۶۔ البتہ تاریخ ولادت ۴

شعبان ۲۶ھ اور تاریخ شہادت ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ کو ملانے سے چند ماہ کا اضافہ مستنبط ہوتا ہے یعنی آپ کی عمر ۳۴ سال چند ماہ تھی۔

حضرت عباس اپنے حقیقی بھائیوں میں آخری شہید ہیں

اس امر میں اختلاف ہے۔ کہ بنی ہاشم کا آخری شہید جو میدان میں جا کر لڑ سکتا ہو۔ امام حسین سے قبل کون ہے۔ علامہ اسفرائنی نے حضرت عباس کو قرار دیا ہے۔ لیکن تقریباً تمام ارباب مقاتل نے حضرت علی اکبر کو تسلیم کیا ہے۔ البتہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت عباس اپنے حقیقی بھائیوں میں سب سے آخری شہید ہیں۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں "**وهو اخر من قتل من اخوته لا بيه ومه**" حضرت عباس اپنے حقیقی بھائیوں میں سب کے بعد قتل ہوئے ہیں۔ (بحار الانوار ج ۱ ص ۲۲۳)

حضرت عباس کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی تعداد

حضرت عباس کے ہاتھوں سے کتنے دشمنان اسلام قتل ہوئے ہیں۔ اس کی تفصیل بتانی مشکل ہے۔ کیونکہ وہ ایک ایسے بہادر تھے جو حضرت علی کی طرح جب تلوار اٹھاتے تھے۔ پرے کے پرے صاف کر دیتے تھے۔ اور تلوار سے قتل کئے جانے والوں کی تعداد کا لکھنا اس لئے بھی مشکل ہے۔ کہ تقریباً ہر مجاہد میدان میں آپ سے مدد چاہتا تھا۔ اور آپ جا کر تلوار چلاتے رہے۔ البتہ آپ نے نیزے سے جتنے دشمنوں کو قتل کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

طاویہ پر سوار ہونے سے پہلے ۵۴۰۔ طاویہ پر سوار ہو کر ۲۸۰ نہر فرات میں اترنے سے پہلے ۸۰۰ داہنا ہاتھ کٹنے سے پہلے ۴۵۰۔ بایاں ہاتھ کٹنے سے پہلے ۵۰ دونوں ہاتھ کٹ جانے کے بعد دانتوں اور کٹی ہوئی کلائی کے ذریعہ سے ۳۰۵ دشمنوں کو واصل جہنم کیا۔ (نور العین امام اسحاق اسفرائنی ص ۵۸ تا ص ۶۰ طبع بمبئی و اسرار الشہادت آقائے دربندی ص ۳۲۷ طبع ایران)

امام معصوم کا حضرت عباس علیہ السلام پر سلام

حضرت صاحب العصر علیہ السلام زیارت ناحیہ میں حضرت عباس پر ان لفظوں میں سلام فرما رہے ہیں "**السلام على ابى الفضل العباس بن امير المومنين المواسى اخاه بنفسه الاخذ لغده من امسه الفادى له الواقى الساعى اليه بمائه المقطوعة يداه لعن الله اتليه يزيد بن رقاد الحيى وحكيم ابن طفيل الطائى**"

ترجمہ: امیر المومنین حضرت علی کے فرزند جناب ابوالفضل العباس علیہ السلام پر سلام ہو جو اپنی جان اپنے بھائی پر نثار کرنے والے اور ان پر قربان ہونے والے۔ انہیں اپنی روح کے ذریعہ سے بچانے والے اور طلب آب میں اپنے ہاتھوں کو کٹانے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے قاتلوں یزید ابن رقاد اور حکیم ابن طفیل پر لعنت کرے۔ (بحار الانوار ج ۱۰ ص ۲۰۸ طبع ایران)

حضرت عباس کے خوں بہا لینے کی تاکید

حضرت عباس علیہ السلام کی شہادت کے سلسلہ میں یہ جملہ ملتا ہے "ودمه فی بنی حنیف" (دمعہ ساکبہ ص ۳۳۷) کنتوری بحوالہ عمدۃ الطالب تحریر فرماتے ہیں "ودم العباس فی بنی حنفیة" یہ جملہ اگر مصنف کی طرف سے ہے۔ تو محض خبر ہے۔ اور اگر حدیث صادق آل محمد کا تتمہ ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے ماننے والوں کو بتا رہے ہیں کہ وہ نسلاً بعد نسل آگاہ رہیں۔ اور جب حضرت حجت ظہور فرما کر شہداء کربلا کے خون کا بدلہ لینے لگیں۔ تو انہیں باخبر کریں۔ کہ حضرت عباس کے خون کی ذمہ داری بنی حنفیہ پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت عباس کے خون کا بدلہ لینا بے انتہا ضروری ہے۔ (مائتین ص ۲۴۴)

حضرت عباس کی شہادت کے بعد امام حسین کا چہرہ اتر گیا

مورخین کا بیان ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے کسی کے قتل سے تاثر حاصل نہیں کیا۔ یعنی آپ پر کسی کی شہادت کا زیادہ اثر نہیں ہوا۔ البتہ حبیب ابن مظاہر کی شہادت کا اثر ہوا تھا۔ مگر حضرت عباس کی وجہ سے انہیں زیادہ پروا نہیں ہوئی۔ مگر جب حضرت عباس علیہ السلام شہید ہوئے۔ تو "بان الانکسار فی وجه الحسین فجلس مهموما مغموما ودموعه تجری علی خدیه" تو آپ کے چہرے پر مایوسی اور انکساری ظاہر ہو گئی۔ اور آپ خاموش ہو کر نہایت غم اور الم کی حالت میں بیٹھ گئے۔ اور آنسو آپ کے رخساروں پر جاری تھے۔ "فاتی الیه ولده" یہ دیکھ کر حضرت علی اکبر حاضر ہوئے اور عرض پرداز ہوئے بابا جان "قتل عمی العباس فلا خیرلی فی الحیواة بعده" ہمارے چچا عباس قتل ہو چکے ہیں اب میں ان کے بعد زندہ نہیں رہ سکتا۔ مجھے اجازت دیجئے۔ کہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ امام حسین نے فرمایا۔ بیٹا۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ حضرت علی اکبر نے عرض کی۔ بابا جان! اب تو یہ ہونا ہے۔ اور مجھے آپ پر نثار ہونا لازمی ہے۔ تاریخوں میں یہ بھی موجود ہے۔ کہ حضرت عباس کے شہید ہو جانے کے بعد "تدافعت الرجال" دشمن بالکل بے لحاظ ہو کر ٹوٹ پڑے۔ (دمعہ ساکبہ ص ۳۳۸ ناسخ ج ۶ ص ۲۹۲)

حضرت عباس کے بارے میں امام حسین سے امام زین العابدین کا سوال

حضرت عباس کے بعد حضرت علی اکبر اور ان کے بعد جناب علی اصغر شہید ہو گئے۔ اب آپ کا کوئی صغیر و کبیر مددگار باقی نہ رہا۔ آپ نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ تو بہتر شہید دکھائی دیے۔ بعدہ آپ خیمہ اہل حرم میں تشریف لائے۔ اور آواز دی۔ اے سکینہ اے فاطمہ۔ اے زینب۔ اے ام کلثوم۔ تم پر سلام آخری ہو یہ سن کر جناب سکینہ نے چلا کر کہا۔ اے بابا جان کیا آپ نے موت کا فیصلہ کر لیا ہے آپ نے فرمایا۔ بیٹی وہ شخص کیونکر موت کا استقبال نہ کرے۔ جس کا کوئی مددگار باقی نہ رہے۔ جناب سکینہ نے عرض کی بابا جان۔ اگر آپ نے اپنی شہادت کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تو "ردنا الی حرم جدنا" ہمیں نانا کے روضے تک پہنچا دیجئے۔ امام حسین نے فرمایا "هيهات لو ترك القطا لنام" افسوس! اے بیٹی۔ اگر قطا طائر چھوڑ دیا جاتا۔ تو سو رہتا۔ یعنی اے بیٹی یہی تو ناممکن ہے۔ یہ سن کر تمام عورتیں چیخ مار کر رونے لگیں۔ امام حسین نے سب کو خاموش کیا۔ اور صبر کی تلقین فرمائی۔ علامہ محمد باقر تحریر فرماتے ہیں۔ کہ جب امام حسین علیہ السلام پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا۔ اور آپ تنہا رہ گئے تو اپنے بھائیوں کے خیموں کی طرف تشریف لے گئے۔ اور انہیں خالی پایا۔ پھر اصحاب کے خیموں کی طرف تشریف لے گئے۔ انہیں بھی خالی پایا۔ تو بار بار "لا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم" فرمایا اور مخدرات عصمت کے خیمے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کے بعد امام زین العابدین کے خیمہ میں آئے۔ اور ملاحظہ فرمایا کہ وہ ایک کھال پر پڑے ہیں۔ اور جناب زینب ان کی تیمارداری میں مشغول ہیں۔ جب امام زین العابدین علیہ السلام کی نظر جناب امام حسین پر پڑی۔ تو آپ اٹھنے لگے۔ مگر اٹھ نہ سکے۔ پھر آپ نے جناب زینب سے کہا۔ کہ پھوپھی اماں مجھے اٹھا کر بٹھائیے۔ انہوں نے اپنے سہارے اٹھا کر بٹھایا۔ اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے پوچھا۔ کہ بیٹا تمہارا مرض اب کیسا ہے اور طبیعت کیسی ہے؟ آپ نے عرض کی۔ بابا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ اس کے بعد امام زین العابدین نے امام حسین علیہ السلام سے پوچھا بابا جان۔ ان منافقوں کے ساتھ کیا ٹھہری۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹا۔ ان پر شیطان چھا گیا ہے۔ اور جنگ جاری ہے۔ اور سنو۔ زمین مقتل خون سے رنگین ہو چکی ہے۔ "فقال علي عليه السلام يا ابتاه واين عمي العباس فلما ساله عن عمه اختفت زينب بغيرتها و جعلت منتظراً اخيها كيف يجيبه لانه لم يخبره بشهادة عمه العباس خوفا لان يشتد مرضه" یہ

سن کرامام زین العابدین نے پوچھا۔ بابا جان میرے چچا عباس کہاں ہیں۔ ان کے اس سوال کے کرتے ہی زینب کی ہچکی بندھ گئی۔ اور وہ اپنے بھائی کی طرف دیکھنے لگیں۔ کہ بھائی اس اہم سوال کا کیا اور کیسے جواب دیں گے۔ اس لئے کہ امام حسین شہادت عباس کو امام زین العابدین سے چھپائے ہوئے تھے۔ کیونکہ مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ تھا۔ امام حسین نے فرمایا "یبنی ان عمك قد قتل" اے بیٹا تمہارے چچا عباس قتل کردیے گئے۔ اوران کے دونوں ہاتھ برلب فرات قطع کردیے گئے۔ "فبکی علی ابن الحسین بکاء شدیدا" یہ سن کرامام زین العابدین علیہ السلام اس بے قراری سے روئے کہ بیہوش ہوگئے۔ تو پھر جب افاقہ ہوا۔ تو ہر ایک کے متعلق پوچھنے لگے۔ امام حسین ہر ایک کے جواب میں فرماتے گئے "قتل" بیٹا وہ بھی قتل ہوگئے۔ بالآخر امام حسین نے فرمایا۔ اے بیٹا۔ "لیس فی الخیام رجل الا انا وانت" اب خیمہ میں میرے اور تمہارے سوا کوئی زندہ نہیں ہے۔ تم جن کے متعلق پوچھو گے۔ وہ سب قتل ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر امام زین العابدین نے انتہائی شدت کے ساتھ رونا شروع کیا۔ اور اپنی پھوپھی زینب سے فرمانے لگے۔ پھوپھی جان میرا عصا اور میری تلوار دیجئے۔ امام حسین نے پوچھا۔ بیٹا کیا کرو گے۔ عرض کیا۔ عصا پر تکیہ کرکے تلوار سے لڑوں گا۔ اور آپ پر قربان ہوجاؤں گا۔ یہ سن کر امام حسین نے "ضمہ الی صدرہ" انہیں اپنے سینے سے لگا کر فرمایا۔ بیٹا تم میرے بعد خلیفۃ الارض ہو۔ ان سب کی نگرانی بھی تمہارے ذمہ ہے (دمعہ ساکبہ ص ۳۴۴) اس کے بعد آپ نے زینب سے فرمایا۔ کہ بہن پرانا کپڑا دے دو۔ تاکہ میں اسے اپنے تمام کپڑوں کے نیچے پہن لوں۔ زینب نے عرض کی۔ بھیا اسے آپ کس لئے پہنیں گے۔ فرمایا۔ بہن اس واسطے پہنوں گا کہ اسے میری شہادت کے بعد کوئی میرے جسم سے نہ اتارے۔ اس کے بعد جناب زینب پرانے کپڑے لائیں آپ نے انہیں اور چاک کر کے سب کپڑوں کے نیچے پہن لیا۔ یہ حال دیکھ کر "فارتفعت اصوات النساء بالبکاء والنحیب" خیمہ اہل حرم میں کہرام عظیم برپا ہوگیا۔ بعدہ امام حسین ان سب کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر رخصت ہوگئے۔ (ابصار العین ص ۲۸ و دمعہ ساکبہ ص ۳۴۰ مجمع النورین مجلس ۵۷ ص ۳۱۹)

امام حسین کے گھوڑے کی رکاب جناب زینب کے ہاتھوں میں

حضرت امام حسین علیہ السلام خیمہ سے برآمد ہو چکے ہیں۔ اور آپ میدان میں جانا چاہتے ہیں۔ آپ کی کمر ٹوٹ چکی ہے۔ بازو شکستہ ہو چکے ہیں جسم سے اتنا خون نکل چکا ہے۔ کہ

اب آپ بلا اعانت گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتے۔ نہ قاسے نہ علی اکبرے نہ عباسے۔ کوئی موجود نہیں جو رکاب تھامے۔ اکسلنسی راجہ سرکشن پرشاد صدر اعظم حکومت حیدر آباد لکھتے ہیں۔ ''کیا یہ برداشت کے قابل تھا۔ کہ حسین کو رخصت کرنے کے لئے کوئی مرد نہیں ہے۔ کہ رکاب تھام کر سوار کرے۔ علی کی بیٹی یہ رسم (فریضہ) ادا کرتی ہیں۔ شجاعانِ عالم اس بی بی کے قدم کی خاک اپنی آنکھوں میں لگائیں۔ اور فخر کریں۔ شہدائے عالم دیکھیں اور وجد کریں۔ کہ کوئی بے یار و مددگار بی بی جو اس کے بعد اپنے لئے دنیا کی مصیبتیں دیکھ رہی ہے۔ اس فرض کو کس طرح ادا کرتی ہے۔
(شہید کربلا ص ۱۳۔۱۴ طبع لکھنؤ ۱۳۵۸ھ)

نعشِ عباس پر خط صغریٰ

حضرت امام حسین علیہ السلام مخدرات عصمت سے رخصت ہو کر میدان کی طرف روانہ ہو چکے ہیں اور آپ کے قدم مقتل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ کہ ناگاہ ایک زائر نجف نظر پڑا۔ اس نے قریب آ کر پوچھا آپ کون ہیں؟ اور یہ قتل و غارت کا کیا واقعہ ہے۔ آپ نے حالات پر ہلکا سا تبصرہ کیا۔ وہ قدموں پر گر پڑا آپ نے فرمایا۔ تو جس کی زیارت کو نجف آیا تھا۔ ہم انہیں کے فرزند ہیں۔ اس نے عرض کی۔ مولا۔ عباس ابن علی کہاں ہیں۔ امام حسین نے فرمایا۔ وہ بھی قتل ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر زائر نجف نعرے مار کر رونے لگا۔ اور امیر المومنین کو مخاطب کر کے فریاد کرنے لگا۔ مولا آیئے۔ اور اپنے فرزندوں کی خبر لیجئے۔ (ریاض الشہداء ص ۲۵۵) پھر امام حسین اس مقام سے آگے بڑھ کر اس پہاڑی کی طرف جا رہے تھے۔ جس پر علی اصغر نے شہادت پائی تھی۔ کہ دشمنوں نے زبردست حملہ کر دیا۔ علامہ سماوی لکھتے ہیں کہ پھر امام حسین نے شیر غضبناک کی طرح حملہ کیا۔ اور آپ کے زخموں سے خون برابر جاری رہا۔ لشکر والے حضرت کے سامنے سے بھاگتے پھرتے تھے۔ پھر وہ اشقیا حضرت کے خیموں کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ دیکھ کر امام حسین نے شمر کو آواز دی اور کہا۔ اے آل ابی سفیان تمہاری غیرت و حمیت کیا ہو گئی ہے۔ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہے۔ تو کم از کم عرب کے دستور کا لحاظ کرو۔ ارے جنگ ہم سے اور تم سے ہو رہی ہے۔ میری زندگی میں خیام کو تاراج کرنا کوئی انسانیت نہیں ہے۔ ارے شمر۔ اپنے ہم لشکر والوں اور سرہنگوں کو منع کر۔ اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک زبردست حملہ کیا۔ ادھر سے ان لوگوں نے بھی نیزہ و تیر و تلوار تیزی سے برسانا شروع کر دیا۔ (ابصار العین ص ۲۹) علامہ شیخ جعفر شوشتری لکھتے ہیں۔ کہ امام حسین نے ان جفا کاروں کو متوجہ کر کے کہا۔ اگر تم ہم کو پانی نہیں

دیتے "افلا بایں زنہا آب دہید" کم از کم غریب عورتوں کو پانی دے دو۔ مگر ادھر سے ایک ہی جواب تھا۔ کہ پانی کا ایک قطرہ نہ دیا جائے گا۔ (المواعظ والبکاء ص ۱۰۹) علامہ سماوی لکھتے ہیں کہ حملوں کے درمیان میں آپ بار بار اتمام حجت کے لئے پانی طلب فرما رہے تھے۔ تا اینکہ آپ کو زخموں نے چور چور کر دیا اور آپ نے دم لینے کے لئے گھوڑے کو ٹھہرایا۔ (ابصار العین ص ۲۹)

حسین اور طلب آب اے معاذ اللہ — تمام کرتے تھے حجت سوال آب نہ تھا

اتنے میں آپ نے دیکھا کہ ایک سانڈنی سوار سامنے سے چلا آ رہا ہے۔ آپ اس کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے۔ وہ ناقہ سے اترا۔ قریب پہنچا۔ اور پیروں پر گر پڑا۔ امام نے فرمایا۔ کہاں سے آئے ہو اور کیوں آئے ہو۔ مسافر نے جواب دیا۔ میں مدینہ منورہ کا رہنے والا ہوں۔ اور بنی فاطمہ کا غلام ہوں۔ ایک روز دوپہر کے وقت جب گرمی غضب کی پڑ رہی تھی۔ میں ایک گلی سے جا رہا تھا۔ میں نے یا حسین یا حسین کی جگر خراش آواز سنی۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک لڑکی زمین پر بیٹھی حسین حسین کے نعرے لگا رہی تھی۔ میں نے پاس جا کر پوچھا۔ تو کون ہے۔ اس دل بھر آیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اور کہا۔ واسطہ اللہ تعالیٰ کا باپ سے بچھڑی ہوئی۔ بھائیوں سے چھوٹی ہوئی صغریٰ کا خط باپ تک پہنچا دے۔

(سیّدہ کا لال علامہ راشد الخیری و رسالہ مولوی دہلی محرم ۱۳۵۱ھ ص ۵۴)

علامہ قزوینی لکھتے ہیں:

نامۂ فاطمہ رابدست حضرت داد۔ اوگرفت۔ ملاحظہ کرد۔ دید۔ از دختر علیلہ ہجراں کشیدہ اش فاطمہ است۔ کہ وعدہ وصال بادداہ بود خیلے بر آمدہ صعب و سخت گزشت۔

کہ ناقہ سوار نے ایک خط حضرت امام حسین کے ہاتھ میں دیا۔ آپ نے اسے ملاحظہ فرمایا۔ دیکھا کہ فاطمہ صغریٰ کا خط جن سے وعدہ کیا تھا۔ کہ میں تمہیں جلد بلاؤں گا۔ یہ خط دیکھ کر آپ کو سخت رنج پہنچا۔

آپ اس خط کو لیے ہوئے خیمہ میں تشریف لائے۔ اور زینب و ام کلثوم رقیہ اور رباب کو پکار کر کہا فاطمہ صغریٰ کا خط آیا ہے۔ ان عورتوں میں کہرام مچ گیا۔

(ریاض القدس ج ا ص ۱۱۶ طبع ایران)

بعض ارباب مقاتل لکھتے ہیں۔ کہ حضرت امام حسین اس کو لئے ہوئے حضرت عباس اور علی اکبر کی لاش پر آئے۔ اور پکار کر کہا۔ اے عباس تمہاری بھتیجی فاطمہ صغریٰ کا خط آیا ہے۔ اس نے تمہاری شکایت لکھی ہے۔ کہ تم اس کو لانے کے لئے نہیں گئے۔ یہ کہہ کر بے انتہا روئے اور آنسو

پونچھتے ہوئے واپس آئے (فضائل الشہداء باب ۲ فصل ۸ ص ۱۰۵)

علامہ قزوینی لکھتے ہیں کہ وہ قاصد ملائکہ میں سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جانتا تھا۔ کہ امام حسین کربلا میں ہیں۔ اور جلد سے جلد کربلا پہنچ گیا۔ کیونکہ بشر کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ اتنی جلدی کربلا پہنچ جاتا۔ (ریاض القدس ج ۱ ص ۱۱۶) مولانا آغا مہدی صاحب نے بھی صحت روایت کی تائید کی ہے (شہزادہ علی اصغر ص ۱۰۸)

علامہ قزوینی لکھتے ہیں کہ "جواب نامہ معلوم نیست کہ وادہ شدہ باشد" کہ خط کا جواب دیا جانا معلوم نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں۔ کہ بقول شاعر

فاطمہ صغریٰ کے خط کا شاہ کیا دیتے جواب　　　کربلا کا واقعہ تحریر کے قابل نہ تھا

البتہ قدرتی نامہ بر نے اپنے پروں کو خون حسین سے تر کر کے بعد شہادت مدینہ منورہ پہنچ کر شہادت حسین کی خبر دی (روضۃ الشہداء ناسخ ج ۶ ص ۳۳۷)

حضرت امام حسینؑ کا گھوڑے سے گرنا اور عباس کو پکارنا

مسٹر جمیس کارکرن اپنی تاریخ چین دفتر دوم ج ۲ باب ۱۶ میں لکھتے ہیں۔ کہ امام حسین جن کی بہادری کے سامنے رستم کا نام لینا تاریخ سے واقفیت کی دلیل ہے۔ کربلا کے میدان میں ۸ قسم کے دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے۔ چاروں طرف فوج' دو دشمن بھوک اور پیاس' دو دشمن دھوپ اور ریگ گرم کی تپش' ان کے باوجود کمال دلیری اور انتہائی بہادری کا ثبوت دیا۔ تاریخ بتا رہی ہے۔ کہ حضرت عباس کی شہادت کے بعد دشمنوں نے آپ پر یورش کر دی ہے۔ اور آپ کو قتل کر دینے کی سعی پیہم میں لگے ہوئے ہیں۔

مورخین کا بیان ہے کہ واقعہ خط صغریٰ کے بعد آپ واپس تشریف لائے۔ "دفعتہً ایک پتھر آپ کی پیشانی مبارک پر آ لگا۔ اور خون جاری ہوا۔ خون پونچھنے کے لئے حضرت نے رومال نکالا تھا۔ کہ ایک تیر سہ پہلو زہر میں بجھا ہوا سینہ اقدس پر لگا۔ اور پشت مبارک کی طرف سے نکل گیا۔ اس زخم سے فوارے کی طرح خون جاری ہوا۔ اور اب حملہ کی طاقت حضرت میں باقی نہ رہی۔ اور اسی جگہ آپ ٹھہر گئے۔ یہ دیکھ کر شمر شقی پکارا۔ کیا دیکھتے ہو۔ حضرت کا کام تمام کرو۔ یہ سننا تھا۔ کہ صالح بن وہب مرنی نے حضرت کے پہلو پر نیزہ مارا۔ اور حضرت گھوڑے سے زمین پر داہنے رخسا کے بل یہ کہتے ہوئے گرے۔ "بسم الله وبالله وعلى ملة رسول الله" گرنے کے بعد حضرت پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اب زرعہ ابن شریک ملعون نے بائیں شانے پر تلوار لگائی۔

اور کسی دوسرے نے بھی تلوار ماری۔ اور حضرت پھر زمین پر گر پڑے۔ اتنے میں سنان ابن انس ملعون نے حضرت کی ہنسلی پر نیزہ مارا۔ پھر دوسرا نیزہ سینہ اقدس پر لگایا۔ اس صدمہ سے حضرت اٹھ بیٹھے۔ اور خون چلو میں لے کر منہ پر مل لیا۔ پھر مالک ابن نسر کندی ملعون نے سر پر تلوار لگائی (ابصار العین ص ۲۹ طبع حیدر آباد۔ خلاصۃ المصائب ص ۱۱۴) ابومخنف کا بیان ہے۔ کہ جب آپ گھوڑے سے تشریف لائے۔ "فبکی بکاء عالیا فنادی" تو با آواز بلند روئے اور "واعباساہ" عباس علمدار کو پکارا۔ اے عباس میری مدد کو پہنچو۔ اے عباس تم کہاں چلے گئے۔ کہ مجھ پر یہ مصیبت نازل ہوگئی۔ (مقتل ابی مخنف ص ۷۶ ۳۔ ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۳۰۴)

امام حسینؑ کا جب کوئی عضو کٹتا تھا تو عباس کو پکارتے تھے

علمائے تاریخ کا بیان ہے کہ دشمنوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ پھر وہ وقت آیا کہ آپ کے سینے پر شمر سوار ہو گیا۔ آپ نے فرمایا "اے شمر۔ از سینۂ من برخیز کہ وقت نماز است" اے شمر۔ میرے سینے سے اٹھ جا۔ تاکہ میں روبقبلہ ہو کر نماز آخر ادا کرلوں۔ شمر سینے سے اترا آپ سجدے میں تشریف لے گئے۔ شمر نے پس گردن سے سر مبارک جدا کر دیا۔ (روضۃ الشہداء ص ۳۷۷) ابومخنف کا بیان ہے۔ "کلما قطع عضو نادی" امام حسین کا جب کوئی عضو بدن کٹتا تھا۔ تو آپ عباس علمدار کو آواز دیتے تھے۔ اے عباس۔ خبر لو۔ حسین مصیبت میں مبتلا ہے۔ (مقتل ابی مخنف ص ۷۷ ۳ طبع ایران)

خیام اہل بیت میں آگ لگ گئی
اور بیبیاں حضرت عباس کو پکار رہی تھیں

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد دشمنانِ اسلام خیمہ ہائے اہل حرم کی طرف متوجہ ہو گئے خیموں میں آگ لگا دی اور طنابوں کو تلوار سے کاٹ دیا۔ عورتوں کے لباس اور زیورات دشمن اتارنے لگے۔ بچوں کو طمانچے مارے۔ نوک نیزہ سے اذیتیں دیں۔ عورتوں اور بچوں کی پشت پر تازیانے لگائے۔ امام زین العابدین کے نیچے جو چمڑے کا ایک بستر تھا۔ اسے گھسیٹ لیا (نور العین ص ۴۷) اس وقت مخدرات عصمت کی یہ حالت تھی کہ "یلتفتن شمالاً و یمیناً" وہ گھبرا کر داہنے بائیں دیکھتی تھیں۔ نہ امام حسین نظر آتے تھے۔ نہ حضرت عباس دکھائی دیتے تھے۔ صاحب ریاض الاحزان لکھتے ہیں کہ اس آفت کے ہنگامے میں حضرت زینب کے

حواس پریشان تھے اور وہ گھبرا گھبرا کر "فنادت یا الحسین ویا للعباس" اے بھیا حسین اور اے بھیا عباس۔ آؤ اور ہماری خبر لو ہم پر دشمن چھائے ہوئے ہیں اور ہمیں ستا رہے ہیں، مگر اللہ اکبران غریبوں کا نہ کوئی پرسان حال تھا اور نہ خبر گیر۔

عباس سر کٹائے دریا پہ سو رہے تھے ۔۔۔ اہل حرم کی حافظ جنگل میں بے کسی تھی

(ریاض القدس ج ۱ ص ۱۸۱ طبع ایران)

جناب سکینہ کا عباس کو پکارنا:

حمید ابن مسلم کا بیان ہے کہ جب خیموں میں آگ لگی ہوئی تھی میں نے ایک بچی کو دیکھا جس کی عمر تین سال کی ہی ہوگی۔ کہ وہ ایک جانب کو دوڑ رہی ہے۔ اور اس کے دامن میں آگ لگی ہوئی ہے۔ اور اس کے کانوں سے خون جاری ہے۔ جیسے جیسے وہ دوڑتی ہے آگ بھڑکتی جاتی ہے۔ اور وہ ان لفظوں میں فریاد کرتی ہے۔ "یا اباہ یا عماہ یا اخاہ" اے بابا حسین۔ اے چچا عباس۔ اے بھائی علی اکبر۔ ہماری خبر لو۔ میں نے دوڑ کر اس کے دامن کی آگ بجھا دی اور اس سے پوچھا "من انت یا صغیرۃ" اے بچی تیرا کیا نام ہے۔ "فقالت انا سکینۃ بنت الحسین" اس نے کہا میں سکینہ بنت حسین ہوں۔ (توضیح عزا مجلس ۵۵ ص ۳۰۸)

مخدرات عصمت کی کربلا سے روانگی اور حضرت زینب کا حضرت عباس کو پکارنا

عاشورے کا دن گزرا۔ رات آئی اور اپنے مخصوص حالات کے ساتھ گزر گئی۔ یہاں تک کہ صبح ہوئی آقائے دربندی لکھتے ہیں۔ کہ صبح ہوتے ہی عمر سعد نے حکم دیا۔ کہ امام حسین کے اہل بیت کو بلا محمل و کجاوہ کے ناقوں پر سوار کیا جائے۔ یہ سن کر ابن سعد کے لشکری آ حاضر ہوئے اور عورات بنی ہاشم کو گھیر لیا۔ اور کہا کہ جلد سے جلد سوار ہو جاؤ۔ ناقے آ گئے ہیں۔ یہ دیکھ کر جناب زینب نے فرمایا۔ عمر سعد ہم رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت ہیں۔ اپنے لشکریوں سے کہہ دے کہ یہ ہٹ جائیں ہم ایک دوسرے کو سوار کر لیں گے۔ اس کے بعد امام زین العابدین کے پاس گئیں۔ بیٹا چلو تم کو بھی سوار کر دوں۔ آپ نے فرمایا۔ بہن تم سوار ہو جاؤ۔ میرا اللہ حافظ ہے۔ حضرت زینب ناقہ کے قریب آئیں اور چاہا کہ سوار ہو جائیں۔ مگر ممکن نہ ہو سکا۔ پھر آپ نے داہنے بائیں نظر کی۔ تو زمین کربلا پر جسم اور نیزوں پر سر نظر آئے۔ "فصرخت وقالت واغربتاہ واخاہ واحسیناہ واعباساہ" یہ دیکھ کر زینب چلا کر روئیں۔ اور کہنے لگیں۔ بھیا حسین اٹھو بھیا

عباس آؤ۔آ کر زینب کو سوار کرو۔ یہ حال ملاحظہ فرما کر حضرت امام زین العابدین اپنے مقام سے اٹھے اور کانپتے ہوئے ناقہ کے قریب آ بیٹھے اور کہا۔ پھوپھی اماں۔ آپ میرے گھٹنوں پر پاؤں رکھ کر سوار ہو جایئے۔ زینب نے سوار ہونا چاہا۔ مگر امام بار نہ اٹھا سکے۔ اور گر پڑے۔ شمر نے تازیانہ علم کیا۔ اور امام زین العابدین کے پشت پر لگایا۔ آپ رو پڑے اور زینب بھی رونے لگیں۔ اس کے بعد فضہ سامنے آئیں اور انہوں نے حضرت زینب کو سوار کیا۔ پھر امام علیہ السلام کو ایک برہنہ پشت ناقہ پر سوار کیا۔ اور چونکہ وہ سنبھل نہ سکتے تھے۔ لہٰذا ان کے دونوں پاؤں ناقہ کی پشت سے باندھ دیے گئے۔ (اسرار الشہادت ص ۳۶۷)

جناب ام کلثوم نعش حضرت عباس پر:

اسی حال میں اہل حرم حسین کو لے کر دشمن روانہ ہوئے۔ روانگی کا راستہ ان دشمنوں نے مقتل کی طرف سے قرار دیا۔ سرہائے شہداء آگے آگے اور ان کے پیچھے اہل حرم کے ناقے تھے۔ جب یہ قافلہ قتل گاہ میں پہنچا۔ تو جناب ام کلثوم دوڑ کر نعش حضرت عباس سے لپٹ گئیں اور بے پناہ گریہ کرنے لگیں۔ (مفتاح الجنۃ ص ۱۶۵ طبع بمبئی) غرضکہ یہ لٹا ہوا قافلہ داخل دربار کوفہ ہوا۔ اور مسجد سے متصل قید خانہ میں مقید کر دیا گیا (جلاء العیون)

حضرت عباس کا سر گھوڑے کی گردن میں

کربلا سے روانگی کے وقت سرہائے شہداء کو نیزوں پر بلند کیا گیا۔ لیکن حضرت عباس کا سر مبارک بالکل ہی چور تھا۔ اور وہ نیزے پر رک نہ سکتا تھا۔ اس لئے اس گھوڑے کی گردن میں لٹکایا گیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ داخلہ شام کے وقت اسے کسی صورت سے نیزہ پر بلند کیا گیا۔ قاسم ابن اصبغ بن نباتہ مجاشعی کی روایت سے یہ واضح ہے۔ کہ آپ کا سر لٹکانے والا حرملہ بن کاہل اسدی تھا۔ جسے آپ یوم شہادت سے اس کی تاحیات عذاب جہنم سے معذب کرتے رہے۔ اسی وجہ سے وہ سیاہ فام ہو گیا تھا۔ علامہ سماوی لکھتے ہیں کہ اس کے معذب ہونے کی داستان اس کی بیوی نے اپنے ہمسایوں سے بیان کی ہے۔ اور لوگوں سے اس نے خود بھی مجبوراً بیان کیا ہے۔ وہ نقاب پوش رہتا تھا۔ "ومات علی اقبح حال" اور بری طرح مرا (ابصار العین ص ۴۹ اسرار الشہادت ص ۳۳۷۔ انوار الشہادت ص ۶۲۔ مائتین ص ۴۶۰۔ کبریت احمر ج ۱ ص ۱۱۶۔ مجالس المتقین مجلس ۹ تحفہ حسینیہ ج ۱ ص ۲۴۷ دمعہ ساکبہ ص ۳۳۸)

حضرت عباس کی تدفین

علامہ اسفرائنی تحریر فرماتے ہیں کہ محرم کی گیارھویں تاریخ بوقت صبح عمر بن سعد نے اپنے تیس ہزار مقتولین پر نماز پڑھی۔ اور انہیں دفن کیا۔ (نور العین ص ۴۷) اور فرزندانِ رسول اور حامیان اسلام کے لاشے یونہی پڑے رہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام جو امام حسین کی شہادت کے بعد حجت خدا اور امام زمانہ تھے۔ وہ اسی دن کوفہ کے دربار اور پھر قید خانہ میں پہنچ گئے۔ معصوم کی نماز اور تدفین معصوم کے سوا کوئی اور نہیں کر سکتا۔ اس لئے امام زین العابدین قید خانہ سے کربلا واپس تشریف لائے۔ اور آپ نے تمام شہداء پر نماز پڑھ کر ان کو دفن کیا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ امام زین العابدین اس وقت کربلا پہنچے جب بنی اسد وہاں پہنچ کر لاشوں کی حالت سے حیران تھے کہ کیونکر دفن کریں۔ جب آپ پہنچ گئے۔ تو آپ نے ان کی مدد سے سب کو دفن فرمایا۔ امام حسین اور حضرت عباس کی تدفین میں آپ نے کسی کو شریک نہیں کیا۔ علامہ محمد باقر فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسین کو تن تنہا قبر میں اتارا۔ اور اپنے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنا رخسارہ امام حسین کی کٹی ہوئی گردن پر رکھ دیا۔ اور رونے لگے۔ پھر اپنے ہاتھ سے مٹی ڈالی۔ اور قبر بند کر کے اپنی انگلی سے اس پر لکھا۔ یہ حسین ابن علی ابن ابی طالب کی قبر ہے۔ اس کے بعد بنی اسد کو ہمراہ لے کر شطِ فرات پر پہنچے۔ اور ایک بالکل پارہ پارہ لاش سے لپٹ کر رونے لگے۔ اور کہتے جاتے تھے اے قمر بنی ہاشم آپ پر میرا سلام ہو۔ پھر بنی اسد کو قبر تیار کرنے کا حکم دیا۔ اور تن تنہا قبر میں اتار کر لحد بند کر دی۔ اور بنی اسد کو حکم دیا کہ دیگر دونوں لاشوں کو آپ ہی کے نزدیک دفن کریں۔ بعدہ آپ گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہونے لگے۔ تو بنی اسد نے آپ کو گھیر لیا۔ اور عرض کی کہ آپ فرمائیں آپ ہیں کون؟ آپ نے اس کا جواب نہ دیا۔ اور یہ فرمانے لگے کہ "تم کو معلوم ہے کہ امام حسین کی ذریح کونسی ہے۔ لیکن پہلا گڑھا۔ اس میں خود امام دفن ہیں اور حضرت کی قبر کے متصل آپ کے فرزند علی اکبر کی قبر ہے۔ اور دوسرے گڑھے میں آپ کے اصحاب دفن ہیں۔ لیکن جو قبر علیحدہ بنی ہے وہ حبیب ابن مظاہر کی ہے اور جو قبر ترائی میں۔ اس جوان کی ہے جو زخموں سے چور چور تھا۔ وہ عباس بن علی کی قبر ہے۔ اور ان کے گرد جو دو لاشیں تھیں وہ بھی اولاد علی بن ابی طالب کی ہیں۔ یہ سب کچھ بتا کر آپ نے فرمایا کہ میں علی ابن الحسین ہوں۔ قید خانہ کوفہ سے آیا ہوں۔ اور واپس جا رہا ہوں۔ اس کے بعد وہ غائب ہو گئے۔ (اسرار الشہادات ص ۴۵۰ دمعہ ساکبہ ص ۳۵۵ ماتئین ص ۳۹۵۔ کبریت احمر ص ۱۲۸ قمر بنی ہاشم ص ۵۸۔ ناسخ ۶ ص ۳۱۸)

محذرات عصمت کا کوفہ سے روانہ ہو کر شام پہنچنا اور جناب سکینہ اور امام زین العابدین کا عباس کو پکارنا

دربار کوفہ میں سر حسین اور محذرات کی جو توہین کی گئی۔ وہ تاریخ میں موجود ہے۔
مؤرخین کا بیان ہے کہ چند دن کوفہ میں گزرنے کے بعد محذرات عصمت وطہارت اور سرہائے شہداء کو امام زین العابدین کے ساتھ شام کے لئے روانہ کر دیا گیا۔ یہ تباہ حال قافلہ حسینی اس طرح روانہ کیا گیا۔ کہ آگے آگے سرہائے شہداء۔ ان کے پیچھے محذرات عصمت تھیں۔ علامہ قاینی فرماتے ہیں: کہ سروں میں حضرت عباس کا سر سب سے آگے اور امام حسین کا سر سب سے پیچھے تھا (کبریت احمر ص ۱۲۰) علامہ سپہر کاشانی کی تحریر سے مستفاد ہوتا ہے کہ ان حضرات کی روانگی کا انداز یہ تھا۔ کہ راستے میں جابجا جناب زینب خطبہ فرماتی تھیں جناب ام کلثوم مرثیہ پڑھتی تھیں۔ جناب سکینہ "نحن سبايا ال محمد" کہتی تھیں۔ اور امام حسین کا سر تلاوت سورہ کہف کرتا تھا (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۳۵۰) ابو مخنف کہتے ہیں کہ اس قافلہ کا شام میں باب خیزران سے داخلہ ہوا۔ جب جناب سکینہ کی نظر سر عباس پر پڑی۔ جو قشعم جعفی اٹھائے ہوئے تھا تو آپ نے "واعباساہ" کہہ کر آواز دی۔ (مقتل ابی مخنف ص ۳۸۳) دریں وقت سیّد سجاد ایں شعر انشا کرد

اقاد ذليلا فى دمشق كانني — من الزنج عبد غاب عنه نصير

وجدى رسول الله فى كل مشهد — وشيخى امير المومنين امير

فياليت لم انظر دمشق ولم يكن — يزيد يرانى فى البلاد اسير

ترجمہ: مجھے ملک شام میں اس طرح کھینچ رہے ہیں گویا میں ایسا حبشی غلام ہوں جس کا کوئی بھی حمایتی نہیں۔ میرے نانا تمام کے رسول ہیں۔ اور میرے بزرگ امیر المومنین ان کے وزیر ہیں۔ کاش میں نہ دمشق دیکھتا' اور نہ یزید مجھے شہر بہ شہر قیدی بنا ہوا دیکھتا (ناسخ التواریخ ۶ ص ۳۵۱ مقتل ابی مخنف ص ۱۸۳) مقصد یہ ہے کہ جب ان حضرات کی نظر سر عباس پر پڑی۔ تو فریاد کی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے قبل آپ کا سر نوکِ نیزہ پر نہ تھا۔ بلکہ گھوڑے کی گردن ہی میں معلق تھا۔ اور اب کسی صورت سے نوک نیزہ پر لایا گیا۔ اس کے بعد یزید نے جناب زینب سے دربار میں کلام کرنا چاہا۔ (روضۃ الشہداء) ایک شامی نے جناب سکینہ کو اپنی کنیزی میں لینے کی خواہش کی۔ (لہوف ص ۱۶۷) نیز امام حسین کے لب ودندان کے ساتھ بے ادبی کی گئی (صواعق محرقہ) اور محذراتِ عصمت کو ایسے قید خانہ میں داخل کر دیا گیا جس میں کسی قسم کی کوئی چھت نہ تھی۔ جو انہیں

سردی اور گرمی سے بچا سکتی جس کا اثر ان کے چہروں پر نمایاں تھا۔ (لہوف ص ۱۶۸)

حضرت عباس کے قتل کا ادّعا:

علامہ کنتوری لکھتے ہیں کہ چونکہ حضرت عباس کا قتل بہت دشوار تھا۔ اس لئے یزید نے ان کے قاتل کے واسطے خاص انعام رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب سرہائے شہداء داخل دربارِ شام کئے گئے تو "**کان یدعی واحد واحد من بینهم انه قتله لا خذالجائرة**" ہر شریک جنگ حصولِ جائزہ کے لئے حضرت عباس کے قتل کا ادعا کرتا تھا۔ (مائتین ص ۴۴۵)

حضرت عباس کے گھوڑے کی وفاداری کا مظاہرہ شام میں

گھوڑے کا با احساس ہونا مسلم ہے۔ امام ابو اسحاق اسفرائنی اور علامہ قندوزی حضرت امام حسین کے گھوڑے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ کہ آپ کی شہادت کے بعد آپ کا گھوڑا اپنی پیشانی خون میں تر کر کے مخدرات کو خبر شہادت دینے گیا۔ اس کے بعد واپس آ کر دشمنوں پر حملہ آور ہوا۔ اور حضرت کے قدموں سے آنکھوں کو مل کر نہر فرات میں جا ڈوبا۔ اب قیامت میں امام مہدی آخر الزمان کی زیر ران ہوگا۔ (نور العین ص ۴۷ و ینابیع المودۃ ص ۳۰۰) حضرت عباس کے گھوڑے کے متعلق صاحب حدیقۃ الاحزان لکھتے ہیں کہ حضرت عباس کی شہادت کے بعد عمر سعد نے آواز دی۔ "**خذوہ واقبضوہ**" حضرت کے گھوڑے کو پکڑ کر اپنے قبضہ میں کرلو۔ چنانچہ انہوں نے اسے گرفتار کرلیا۔ پھر یہاں سے واپس جا کر "**فاهداه الی یزید نحو الشام**" یزید کے پاس ہدیہ بھیج دیا۔ وہ بہت خوش ہوا۔ "**اراد ان یرکب علیه**" یزید نے چاہا کہ سوار ہو۔ مگر اس نے سواری نہ دی۔ پھر اس نے حکم دیا۔ کہ اس جانور کو میرے اصطبل میں بطور یادگار رکھا جائے۔ چنانچہ وہ وہاں رہا۔ اور کبھی کبھی برآمد کیا جاتا رہا۔ بروایت عین البکاء ایک دن یزید کی سواری قید خانہ کی طرف سے گزری۔ جناب سکینہ نے اسے پہچان لیا۔ اور پکارا۔ وہ جانور جناب سکینہ کے قریب جا پہنچا۔ سکینہ اپنے چچا کو یاد کر کے رونے لگیں۔ بالآخر اسی غم میں اس نے دانہ پانی چھوڑ دیا۔ اور یزید کے اصطبل میں مر گیا۔ اور یزید نے اسے دفن کرا دیا۔ (تلخیص المصیبۃ ص ۲۶۵ طبع لکھنؤ)

دمشق میں شہدائے کربلا کا ماتم اور آغوشِ ام کلثوم میں سر عباس

اہل حرم نے قید خانہ شام میں ایک سال گزارا۔ دورانِ قیام میں جناب سکینہ نے انتقال فرمایا۔ بالآخر وہ وقت آیا۔ کہ ہندہ نے رسول اکرم کو خواب میں دیکھا۔ اور یزید کو لعنت ملامت کی۔ یزید نے امام زین العابدین کو دربار میں بلا کر کہا۔ کہ اب تم لوگ رہا کئے جاتے ہو۔ اب تمہاری مرضی

پر منحصر ہے۔ چاہے شام میں رہو یا مدینہ منورہ چلے جاؤ۔ آپ نے فرمایا۔ میں اپنی پھوپھی جان سے دریافت کر کے جواب دوں گا۔ جناب زینب اور ام کلثوم نے امام زین العابدین سے جواب میں فرمایا۔ کہ بیٹا۔ یزید سے کہہ دو کہ جب سے ہمارے اعزہ قتل ہوئے ہیں۔ ہمیں رونا نصیب نہیں ہوا۔ پہلے ہمارے لئے ایک مکان خالی کرا دے۔ کہ ہم اس میں اپنے بھائی اور ان پر قربان ہونے والوں کو جی بھر کر رو لیں۔ پھر جہاں جانا ہوگا۔ چلے جائیں گے۔ یزید نے اسے منظور کیا۔ اور ایک مکان شہدائے کربلا کے ماتم کی خاطر خالی کرا دیا۔ مخدراتِ عصمت اس مکان میں اپنے اعزہ کا غم منانے اور ماتم کرنے کے لئے چلی گئیں۔ جب شام کی عورتوں کو معلوم ہوا۔ تو تمام گھروں سے عورتیں سیاہ لباس میں حاضر خانہ ہو گئیں۔ اور قیامت خیز ماتم ہونے لگا۔ اسی دوران میں جناب نے یزید سے کہلا بھیجا کہ میرے بھائی حسین اور ان پر قربان ہونے والے عزیزوں کے سر بھی دیدے۔ یزید نے سرہائے بنی ہاشم بھجوا دیے۔ جب ان بیبیوں نے اپنے وارثوں کے سرہائے بریدہ آتے ہوئے دیکھے۔ منہ پر طمانچے مارنے لگیں۔ اپنے گریبان چاک کر دیے اور روتی پیٹتی استقبال کو دوڑیں۔ ام لیلیٰ نے علی کا سر۔ ام فروہ نے قاسم کا سر۔ رباب نے علی اصغر کا سر اپنی اپنی گود میں لے لیا۔ سنتا ہوں۔ کہ جب عون ومحمد کے سر آئے۔ زینب نے منہ پھیر لیا۔ اور کہا ارے میرے بھائی کا سر لاؤ۔ صاحب بحر المصائب لکھتے ہیں پھر امام حسین کا سر آیا۔ زینب نے بڑھ کر آغوش میں لیا۔ منہ پر منہ رکھ دیا۔ فریاد وفغاں کرنے لگیں۔ آپ فرماتی تھیں۔

اخی یا ھلالا غاب قبل کمالہ   فمن فقدہ اضحی نھاری مکیلۃ

اے میرے بھائی! اے میرے چاند۔ ارے تم کمال سے پہلے زوال میں چلے گئے۔ اور تمہارے چلے جانے سے میری امیدوں کی صبح تاریک ہو گئی۔ اس کے بعد حضرت عباس کا سر آیا۔ جناب ام کلثوم آگے بڑھیں۔ اور اسے اپنی آغوش میں لے کر بے پناہ گریہ کرنے لگیں۔ (توضیح عزا ص ۳۷۱)

اس کے بعد روانگی کا فیصلہ ہوا لٹا ہوا سامان امام زین العابدین کی خواہش پر لایا گیا۔ جس میں حضرت عباس کا علم بھی تھا۔ جناب زینب کی اس پر جونہی نظر پڑی۔ بے ساختہ رونے اور فریاد کرنے لگیں (توضیح عزا مؤلفہ شیخ حسین بخش ص ۳۸۲ طبع دہلی ۱۳۲۷ھ)

حسینی قافلہ کی کربلا کو روانگی

دمشق کے خانہ خالی میں مخدراتِ عصمت نے سات شبانہ روز شہدائے کربلا پر نوحہ و ماتم

کیا۔اس کے بعد ایک راہبر کی ہمراہی میں سرہائے شہداء سمیت کربلا کی طرف روانہ ہو گئے۔اور ۲۰ صفر یوم چہلم کو وہاں پہنچ کر قبر مطہر کی زیارت فرمائی۔نوحہ و ماتم کیا اور سرہائے شہداء کو جسموں سے ملحق کر کے روانہ مدینہ منورہ ہو گئے۔

ہل رہی ہے کربلا فریاد کی تاثیر سے ۔۔۔ اربعین کو ملنے آئے ہیں حرم شبیر سے

ملا حسین واعظ کاشفی کا بیان ہے کہ امام زین العابدین کی خواہش پر تمام سران کے حوالے کر دیے گئے تھے۔(روضۃ الشہداء ص ۴۰۹) تاریخ ابوالفداء میں ہے۔کہ یزید نے نعمان بن بشیر کو حکم دیا۔کہ سامان سفر کر کے اہل بیت رسالت کو مدینے پہنچا دے۔روضۃ الاحباب میں بر بنائے۔بعض روایات مذکور ہے کہ یزید نے نعمان بن بشیر کو حکم دیا۔کہ تیس سواروں کی جمعیت ہمراہ لے کر اہل بیت رسالت کو مدینہ منورہ پہنچا آئے اور جب بیسویں صفر کو یہ قافلہ کو معہ سرہائے شہداء کربلا پہنچا۔تو امام زین العابدین نے امام حسین اور دیگر شہداء کے سروں کو ان کے بدن سے ملا کر وہاں دفن فرمایا۔

(تاریخ احمد ص ۳۱۴ و حبیب السیر النفس المہموم ص ۲۵۳ و ریاض الاحزان ص ۱۵۵ و ناسخ التواریخ)

محذراتِ عصمت کا مدینہ منورہ میں ورود اور جناب ام البنین کا اضطراب

تاریخ کامل میں ہے کہ نعمان بن بشیر نے اہل بیت کو مدینہ منورہ پہنچا دیا۔کتاب مائتین و ناسخ التواریخ میں ہے کہ یہ حضرات مدینہ منورہ سے باہر ایک مقام پر ٹھہر گئے۔روضۃ الاحباب میں ہے۔کہ جب اہل مدینہ منورہ کو آمد کی خبر ملی۔تو چھوٹے بڑے سب استقبال کے لئے حاضر خدمت ہوئے۔اور ام سلمٰی ایک ہاتھ میں وہ شیشی جس میں کربلا کی مٹی خون ہو گئی تھی اور دوسرے سے فاطمہ صغریٰ کا ہاتھ تھامے تشریف لائیں۔

امام ابو اسحاق اسفرائنی تحریر فرماتے ہیں کہ جناب ام سلمٰی نے محذرات عصمت سے ملاقات کے بعد اس خون کو جو پیغمبر اسلام ﷺ کی دی ہوئی کربلا کی مٹی سے یوم عاشور ہوا تھا۔اپنے منہ پر مل لیا۔اور فریاد کرنے لگیں (نور العین ص ۱۰۸) بعدہ محذرات عصمت روضہ رسول ﷺ پر تشریف لے گئیں۔اور فریاد و فغان کرتی رہیں علامہ سپہر کاشانی لکھتے ہیں۔کہ سنانی سنتے ہی حضرت ام البنین جو فاطمہ صغریٰ کی تیمارداری کی وجہ سے کربلا نہ گئی تھیں۔اس مقام کی طرف دوڑیں۔جہاں یہ قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔اور آپ انتہائی اضطراب کے عالم میں امام حسین سے والہانہ

محبت کے ماتحت صرف امام حسین ہی کو پکارتی رہیں۔ آپ کو اس وقت حضرت عباس وغیرہ کا خیال تک نہیں آیا۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۴۷۴)

عبداللہ ابن عباس کا حضرت عباس کے بارے میں سوال:

علامہ قردینی فرماتے ہیں کہ نعمان بن بشیر ابن جزلم جونہی شہدائے کربلا کی سنائی کے سلسلہ میں "یا اھل یثرب لا مقام لکم" الخ پڑھتا ہوا داخل شہر مدینہ منورہ ہوا۔ تو عبداللہ بن عباس نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ اے قیامت خیز سنائی سنانے والے۔ یہ تو بتا۔ کہ امام زین العابدین کے ہمراہ میرے پدر بزرگوار عباس ابن علی بھی آئے ہیں یا نہیں۔ اس نے جواب دیا۔ بیٹا۔ وہ تو نہر علقمہ پر دونوں ہاتھ کٹا کر شہید ہو گئے ہیں۔ اب تم لباس سیاہ پہنو۔ اور نوحہ و ماتم کرو۔ "کہ پدر نہ داری" کہ تمہارے والد بزرگوار دین اسلام پر قربان ہو گئے ہیں۔ اور اب تم بلا باپ کے ہو۔ (ریاض القدس ج ۱ ص ۱۵۸ طبع ایران)

مدینہ منورہ میں مجلسوں کا انعقاد:

مدینہ منورہ میں مخدرات عصمت کے پہنچنے کے بعد مجلس غم کا سلسلہ شروع ہوا۔ سب سے پہلی مجلس جناب ام لبنین مادر عباس کے گھر منعقد ہوئی۔ پھر دوسری مجلس فاطمہ صغریٰ کے گھر منعقد کی گئی۔ پھر تیسری مجلس امام حسن کے گھر منعقد کی گئی۔ پھر محمد حنفیہ کے گھر مجلس منعقد ہوئی۔ پھر روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مجلس منعقد کی گئی اور وہاں جو نوحہ پڑھا گیا اس کا پہلا شعر یہ تھا۔

الا یا رسول اللہ یا خیر مرسل   حسینک منقولٌ ونسلک ضائع

اے پیغمبر اسلام اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اے بہترین مرسل، آپ کے حسین کربلا میں قتل کر دیے گئے۔ اور آپ کی نسل ضائع و برباد کی گئی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضے پر نوحہ و ماتم کرنے کے بعد سارا مجمع حضرت فاطمہ اور امام حسن کے روضہ انور پر آیا۔ اور قیامت خیز نوحہ و ماتم کرتا رہا ابن متوج کہتے ہیں کہ اس وقت جو نوحہ پڑھا گیا۔ اس کا پہلا شعر یہ ہے۔

الا نوحوا و ضجوا بالبکاء   علی السبط الشھد بکر بلاء

اے لوگو! نوحہ کرو اور روؤ اس قتیل عطش پر جو کربلا میں تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کر دیا گیا۔ (ریاض القدس ج ۱ ص ۲۴۶)

علامہ کنتوری لکھتے ہیں کہ نوحہ و ماتم کا سلسلہ پندرہ شبانہ روز مسلسل جاری رہا۔ اور کئی روز بنی ہاشم

کے گھر میں آگ روشن نہیں کی گئی۔ (ماتمین ص ۸۰۰)

علامہ سپہر کاشانی لکھتے ہیں کہ جب عون و محمد کی خبر شہادت عبداللہ بن جعفر طیار کو پہنچی۔ تو آپ نے "انا لله و انا اليه راجعون" کہا اور آبدیدہ ہوگئے۔ یہ دیکھ کر آپ کا ایک غلام مسمی ابو السلاسل بولا "هذا ما لقينا من الحسين ابن على" حضور یہ مصیبت تو ہمیں حسین ابن علی کی وجہ سے نصیب ہوئی ہے۔ یہ سننا تھا۔ کہ عبداللہ نے ابوالسلاسل کو نعلین سے مارنا شروع کیا۔ اور کہا۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ میرے بچے حسین کے کام آ گئے۔ مجھے رنج ہے کہ میں کیوں نہ جاسکا۔ میں وہاں ہوتا تو۔ ضرور شرف شہادت حاصل کرتا۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۳۳۶ طبع بمبئی)

جناب ام البنین کی فریاد

جب کربلا کا سنگین واقعہ عالم وقوع میں آ چکا اور اس کی خبر جناب ام البنین مادر گرامی حضرت عباس علمدار علیہ السلام کو پہنچی۔ تو آپ نے اسی دن سے بقیع میں آ کر فلک شگاف نالے شروع کر دیے۔ آپ کی آواز میں وہ درد تھا۔ کہ در و دیوار گریہ کن نظر آنے لگتے تھے۔ کیا دوست کیا دشمن سب رو پڑتے تھے۔ سب کو جانے دیجئے۔ مروان شقی علیہ اللعن جو شقاوت دلی اور قساوت قلبی میں اپنی نظیر آپ تھا۔ وہ بھی آپ کے درد بھرے کلمات درد آگین لہجہ سے سن کر رو پڑتا تھا۔

قد كانت تخرج الى البقيع كل يوم لسماع رثائها اهل المدينة وفيهم مروان ابن الحكم فيبكون لشجى الندبة الخ (ابصار العين ص ۳۱ طبع نجف اشرف. تحفه حسينـــه ج۱ ص ۱۷۸ اسرار الشهادت ص ۳۳۳ ناسخ التواريخ جلد ۶ ص ۲۹۱ طبع بمبئى جلاء العيون ص ۲۰۸ ناسخ التواريخ جلد ۶ ص ۲۹۱ طبع بمبئى جلاء العيون ص ۱۰۸ مفاتيح الجنان ص ۵۵۰ مجالس المتقين ص ۲۷ طبع ايران مقتل عوالم ص ۹۴ طبع ايران. دمعه ساكبه ص ۳۳۷)

جناب ام البنین حضرت عباس علیہ السلام کے بیٹے عبید اللہ کو لے کر روزانہ بقیع میں جا کر مرثیہ کی حیثیت سے اس بے تابی سے مرثیہ کرتی تھیں۔ کہ تمام اہل مدینہ منورہ اس کے سننے کے لئے جمع ہو کر بے پناہ گریہ کرتے تھے یہاں تک کہ مروان بن حکم بھی درد بھرے نوحے کو سن کر رو دیتا تھا۔

سچ ہے۔ ماں کا دل نہایت ہی نرم اور نازک ہوا کرتا ہے۔ جناب ام البنین جس قدر بھی گریہ کرتیں کم تھا۔ ایک تو امام حسین کی مصیبت۔ دوسرے اپنے چار بیٹوں کی بے دردانہ شہادت۔ وہ بیٹے بھی ایسے کہ جن کی نظیر ناممکن۔ کوئی وفا کا بادشاہ۔ کوئی شجاعت میں بے نظیر۔ کوئی بہادری میں بے مثل۔ کوئی فرمانبرداری میں لاجواب۔ یہ وہ اسباب تھے۔ جو جناب ام البنین کو خون کے آنسو مدتوں رلاتے رہے۔

حضرت عباس علیہ السلام کے متعلق جناب ام البنین کا مرثیہ

حضرت عباسؑ کی ماں جناب ام البنین نے خبر شہادت پانے کے بعد حسب ذیل اشعار جن کو ابوالحسن اخفش نے بھی شرح کامل میں لکھا ہے۔ بطور مرثیہ پڑھے

یا من رای العباس کر　　　علی جماهیر النقد

اے وہ شخص جس نے میرے بیٹے عباس کو منتخب اور چیدہ (ٹڈی دل) جماعتوں پر حملہ آور دیکھا

ووراہ من ابناء حیدر　　　کل لیث ذی لبد

اوران کے علاوہ شیر خدا کے ایسے بیٹوں کو (حملہ کرتے دیکھا ہے) جو شیر بیشہ شجاعت تھے۔

انبئت ان ابنی اصیب　　　براسه مقطوع ید

(ذرا بتا تو سہی) مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ میری رگ جان سے زیادہ عزیز تر فرزند عباس کا سر دونوں ہاتھوں سمیت کاٹا گیا ہے (ہائے کیا یہ سچ ہے)

ویلی علی شبلی اما　　　ل براسه ضرب العمد

آہ۔ آہ میرے شیر کا سر گرز آہنی کی ضرب سے جھک گیا تھا

لو کان سیفك فی يد　　　يك لما دنا منه احد

اے میرے بہادر بیٹے (اللہ تعالیٰ کی قسم) مجھے یقین ہے کہ اگر تیرے ہاتھ میں تلوار ہوتی۔ تو تیرے نزدیک کوئی پھٹک نہیں سکتا تھا۔

(ابصار العین فی انصار الحسین ص ۳۱ طبع نجف اشرف ۱۳۴۱ھ مفاتیح الجنان ص ۵۵۰ طبع ایران ۱۳۵۲ھ)

مرثیہ ثانیہ

لا تدعونی ویك ام البنین　　　تذکرینی بلیوث العرین

ہائے اے سرزمین مدینہ منورہ کی رہنے والیو (اللہ تعالیٰ کے لئے) مجھے ام البنین کہہ کر نہ پکارو۔ اس لئے کہ میرے شیر دل (شہید شدہ نوجوان بیٹے) یاد آ جاتے ہیں۔

کانت بنون لی ادعی بهم　　　والیوم اصبحت ولا من بنین

ارے جب میرے بیٹے تھے۔ تب میں اس نام سے پکارے جانے کی مستحق تھی مگر افسوس کہ آج میری کوئی فرزند نہیں ہے۔

اربعة مثل نسور الربی　　　قدواصلوا الموت بقطع الوتین

(دراصل) میرے چار جلیل الشان بیٹے تھے جو (جماعت امام حسین میں) رگ گردن کٹا کر آغوشِ موت سے ہمکنار ہو گئے۔

تنازع الخرصان اشلائهم　　　فکلهم امسی صریعا طعین

ان بیٹوں کی اس طرح شہادت ہوئی کہ بھوک اور پیاس سے ان کے جوڑ بند خشک ہو گئے تھے۔

یا لیت شعری اکما اخبروا　　　بان عباساً قطیع الیمین

اے کاش مجھے کوئی صحیح صحیح بتا دیتا۔ کیا سچ مچ (ہمارے پیارے بیٹے) عباس کے ہاتھ شمشیر ظلم سے کاٹے گئے ہیں۔ (ابصار العین ص ۳۲ و مفاتیح الجنان ص ۵۵۰)

حضرت عباس علیہ السلام کے متعلق ان کے پوتے کا مرثیہ

فضل بن محمد بن فضل بن حسن عبید اللہ بن عباس بن علی بن ابی طالب علیہم السلام نے حضرت عباس علیہ السلام کا مرثیہ ان کے بعض فضائل پر روشنی ڈالتے ہوئے حسب ذیل اشعار میں کہا ہے:

انی لا ذکر للعباس مرقفة　　　بکربلاء وهام القوم تختطف

آج میں اپنے دادا عباس کے کربلا والے اس وقت کے کارنامے کو یاد دلاتا ہوں جبکہ لوگوں کی کھوپڑیاں اُڑ رہی تھیں۔

یحمی السحین و یحمیه علی ظمأ　　　ولا یولی ولا یثنی فیختلف

وہ اس دن فرزند رسول الثقلین امام حسین علیہ السلام کی بلا سستی اور تردد کے عالم عطش میں بے نظیر جانبازی سے مدد کر رہے تھے۔

ولا اری مشهدا یوما کمشهده   مع الحسین علیه الفضل والشرف

امام حسین کے ساتھ رزمگاہِ کربلا میں جس طرح یہ شہید ہوئے ہیں۔ میں نے کسی اور کو شہید ہوتے نہیں دیکھا۔ (دراصل) ان کے لئے یہ بہت بڑی فضیلت ہے۔

اکرم بہ مشھد ابانت فضیلته   وما اضاع لہ افعالہ خلف

شہادت کی یہ وہ بہترین منزل ہے جو اپنے دامن میں فضیلتوں کی ایک زبردست دنیا بسائے ہوئے ہے۔ اور ان کے کارناموں کو ان کے بعد والوں نے ضائع نہیں کیا۔ یعنی چونکہ وہ میرے داد اتھے۔ لہٰذا ان کا تذکرہ میرے نزدیک فریضہ سے کم نہیں۔ (ابصار ص ۳۱ طبع نجف اشرف)

حضرت عباس کا مدفن اور کربلا کی مختصر تاریخ

علامہ شیخ فخر الدین ابن احمد بن علی بن احمد بن طریح النجفی تحریر فرماتے ہیں۔ "اما العباس فانه دفن ناحیة عنهم فی موضع المعرکة عند المنساة و قبره ظاهر علی ماهو الان" حضرت عباس تمام شہداء سے علیحدہ پہاڑی کے قریب مقام قتل پر دفن کئے گئے ہیں جہاں آج بھی ان کی قبر موجود ہے۔ (منتخب شیخ طریحی مجلس ۲ ص ۲۲ طبع بمبئی ۱۳۰۸ھ) علامہ محمد باقر مجلسی تحریر فرماتے ہیں "ودفنوا العباس بن علی فی موضع الذی قتل فیه علی طریق الغاضریة حیث قبره الان" بنی اسد نے حضرت عباس کو غاضریہ کے راستہ میں اسی جگہ دفن کیا ہے جہاں آج بھی ان کی قبر موجود ہے۔ (بحار الانوار ج ۱ ص ۲۴۲) یہی کچھ کتاب ارشاد شیخ مفید۔ ابصاء العین ص ۱۲۷ تحفہ حسینیہ ج ۱ ص ۱۸۷۔ نور العین ص ۴۵ ہدایۃ الزائرین شیخ عباس قمی ص ۱۱۰ میں ہے۔ اور ابو مخنف کے علاوہ اور اہل مقاتل نے لکھا ہے کہ جناب عباس کے علیحدہ دفن کرنے کی وجہ یہ ہوئی۔ کہ آپ کی لاش پارہ پارہ ہونے سے اٹھ نہیں سکتی تھی۔ اسی وجہ سے حضرت امام حسین علیہ السلام بھی جناب عباس کی لاش اس مقام پر نہیں لا سکے۔ جہاں آپ نے اپنے خیمہ کے روبرو سب شہیدوں کی لاشیں جمع کر دی تھیں۔ (ترجمہ ابصار العین ص ۱۹۸ طبع حیدر آباد)

حضرت علامہ ہندیؒ تاریخ کربلا کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

کربلا مملکت بابل میں ہونے کی وجہ سے قدیم الایام سے مرکز توجہ رہا۔ توریت پیدائش سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک بابل کی بنیاد اولاد حضرت نوحؑ نے ڈالی۔ طوفانِ نوحؑ کے بعد وہیں سے اولاد نوحؑ اختلاف زبان کی وجہ سے اقطاع عالم منتشر ہوئی۔ مملکت ہمیشہ سے جباروں کا

ملک تھا۔ نمرود بن کوش بن حام نوح یہیں گزرا ہے۔ جس نے سب سے پہلے بادشاہت کی بنیاد ڈالی۔ ارک' اکاؤ' کلنہ ' سفاراس کے ملک تھے۔ تاریخ جب تک موجود ہے۔ سرزمین بابل کو نہیں بھول سکتی۔ اسور' نینوا' حیات' عیر ' کلح بڑے بڑے شہر تھے۔ جو بعد میں مملکت بابل میں داخل ہوئے..... کربلا' نینوا' غاضریہ' حیرہ' شطِ فرات' یہ سب وہ قطعات زمین ہیں۔ جو نینوا کے برباد ہونے پر اُسی مختلف حصوں پر آباد تھے۔ یونس نبی کی تصریح کی بنا پر نینوا جس کا صحیح تلفظ بکسر نون ہے۔ اس کا رقبہ تین روز کی راہ بتایا گیا ہے..... یہ امر قابل ذکر ہے۔ کہ جائز جہاں قبر امام حسین ہے۔ اس کو ملک حیرہ سے کوئی تعلق نہیں اور نہ وجہ تسمیہ میں حائیر سے حیرہ کو کوئی مدخلیت ہے۔ بلکہ متوکل عباسی کو ۲۳۶ھ میں نہر کاٹ کر قبر اقدس امام حسین کو بہا دینا مقصود تھا۔ اور پانی اس مقام پر رک گیا تھا اور آگے نہ بڑھا تھا۔ اس لئے اس مقام کا "حائر" ہوا..... طف کے معنے کنارہ نہر کے ہیں۔ بصرہ سے ہیت تک فرات کا کنارہ طف کہا جاتا تھا۔ اور فرات کی وجہ وشاخ جو رضوانیہ سے نکل کر کربلا کے شمال مشرقی جانب کے ریگستان سے ہوتی ہوئی ھندیہ کے اطراف سے گزرتی ہوئی ذوالکفل کے مغربی شمالی جانب سے گزر کر اس مقام سے گزرتی تھی۔ جہاں پر "روضۂ حضرت عباس" ہے۔ اور اصل دریائے فرات میں مل جاتی ہے اس کا نام نہر علقمہ تھا۔ اس نہر علقمہ کے کنارے کو جس پر کربلا واقع ہے۔ "طف" کہتے ہیں۔ جو شط فرات کا واقعہ شہادت حسین میں بار بار ذکر آتا ہے۔ اور اسی نسبت سے نہر علقمہ نہر فرات کی ایک شاخ تھی اور فرات سمجھی جاتی تھی۔ اور یہ مقام قدیم الایام سے طف اور شط فرات کے نام سے مشہور تھا۔ "یرمیاہ باب ۴۶ میں رب الافواج کے لئے اتر کی سرزمین میں دریائے فرات کے کنارے ذبیحہ مقرر ہے۔ بائبل میں جابجا اتر کی زمین کا ذکر آیا ہے۔ جو یروشلم کی سمت مراد لی گئی ہے۔ اور بے شک یروشلم کی اتر کی سمت نہر فرات ہے۔ جہاں اس ذبیحہ کی خبر دی گئی ہے۔ اور یہی ٹھیک کربلا کا محل اور مقام ہے۔ جو فرات سے غربی سمت میں واقع ہے۔ فرات کا کنارہ یرمیاہ کے زمانہ میں طف وشط فرات سے موسوم تھا۔ جواب تک اسی نام سے مشہور ہے..... غاضریہ قبیلہ بنی اسد کی شاخ بنی غاضرہ کی طرف منسوب ہے۔ اور اسی قبیلہ کی جائے سکونت کا نام ہے۔ امام حسین نے انہیں سے چار ہزار درہم کی زمین خریدی تھی..... غرضکہ مذکورہ کل نام اسی وسیع میدان کے ہیں۔ جہاں نینوا آباد تھا۔ بعد میں مختلف طبقات زمین مختلف ناموں سے مشہور ہو گئے۔ حقیقۃً سب ایک ہی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب امام حسین اس زمین پر وارد ہوئے اور لوگوں سے اس زمین کا نام پوچھا۔ تو کسی نے نینوا کہا کسی نے غاضریہ اور کسی نے کربلا۔ (نبیوں کا ماتم ص ۱۰) علامہ محمد باقر قائنی امام محمد باقر علیہ السلام کے حوالہ

سے لکھتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ کہ زمین کربلا کو عمورا بھی کہتے ہیں۔ آپ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ ''اس زمین میں قمراز ہر بھی دفن ہوگا'' میرا خیال یہ ہے کہ اس سے قمر بنی ہاشم مراد ہیں۔
(کبریت احمر ص ۱۱۱ طبع ایران ۱۳۴۳ھ و مرآۃ العقول ج ۱ ص ۱۵۱ طبع ایران)

تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد شہدائے کربلا کے مقبروں اور روضوں سے متعلق بہت تغیرات رونما ہوتے رہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر صدی کے خاص حالات مختصر لفظوں میں تحریر کردوں۔ ''پہلی صدی میں جابر ابن عبداللہ انصاری نے امام حسین کی قبر کی سب سے پہلے زیارت کی۔ اسی صدی میں جناب محمد ابن ابراہیم بن مالک اشتر نے ایک مختصر حجرہ قبر اطہر پر تعمیر کرایا۔ لیکن وہ حجرہ و نشان قبر اطہر تھوڑے ہی عرصہ میں مٹا دیا گیا۔ مومنین نے ایک بیری کا درخت قریب قبر مطہر لگا کر اس امام مظلوم کی قبر کا نشان باقی و قائم رکھا۔

''دوسری صدی'' میں خلیفہ عباسی ہارون رشید نے وہ بیری کا درخت کٹوا کر قبر حسینی پر ہل چلوا دیے اور یہی زمانہ شروع آبادی کربلا کا ہے۔ اس وقت بھی مومنین نے مخفی قبر مطہر کا نشان بنا دیا۔

''تیسری صدی'' یعنی ۲۳۶ھ میں متوکل شاہ عباسی نے ویرج یہودی کو بربادی قبر حسین پر مامور کیا۔ زمین پر ہل چلوائے۔ نہر فرات کاٹ کر قبر حسینی کو غرق کردینا چاہا۔ لیکن معجزات قبر مطہر کے ظہور سے یہودی مذکور نے مکرر بے ادبی سے گریز کی۔ اسی زمانہ میں زائرین کے لئے سخت سزائیں اور بندشیں کی گئیں اور بار بار قبر اقدس کے مٹانے کی کوششیں ہوئیں۔ ۲۴۷ھ میں مستنصر باللہ نے اپنے باپ متوکل کو قتل کردیا۔ اور تجدید روضہ اقدس کی گئی۔

''چوتھی صدی'' یعنی ۳۵۲ھ میں معزالدولہ نے عزائے امام مظلوم میں عام اجازت ہی نہیں دی بلکہ نوحہ و ماتم و سوگواری کو ترقی دی ہے۔ ایام عزا میں بازار بند کرائے۔ حکومت آل ایوب تک روز بروز عزائے امام میں ترقی ہوئی۔ لیکن آل ایوب نے سیرتِ مروان کی پیروی سے پھر سخت بندشیں عائد کیں۔ لیکن معزالدولہ ورکن الدولہ و عضدالدولہ نے روضہ ہائے مقدسہ کی از سر نو تعمیر کی۔ اور شہدائے کربلا کے مزاروں کی تزئین ہوئی۔ اور امام علیہ السلام کے نام سے ایک خزانہ قائم کیا گیا اسی صدی میں کثرت سے لوگوں نے کربلائے معلیٰ کی مجاورت اختیار کی۔ اور شہر کی آبادی بڑھ گئی بنی ہاشم میں سب سے پہلے اولاد جناب عباس اور اولاد امام موسیٰ کاظم اور اولاد جناب جعفر طیار نے کربلا کی مجاورت اختیار کی۔

''پانچویں صدی'' میں عربوں نے کربلائے معلیٰ میں تاخت کی۔ لیکن سیف الدولہ

نے حلہ سے فوج بھیج کر مفسدوں کو قتل کیا۔

"چھٹی صدی" یعنی ۵۲۸ھ میں مسترشد خلیفہ عباسی نے خزانہ حضرت کا لوٹ لیا۔ اور اپنے لشکریوں میں تقسیم کر دیا۔ لیکن اس لوٹ کے بعد مسترشد مع اپنے پسر کے راستے میں قتل ہو گیا۔

"آٹھویں صدی" میں سلطان محمد خدا بندہ نے خداموں کو روضہ اقدس کے وظائف مقرر کئے۔ ۷۴۵ھ میں سلطان احمد والئے عراق نے عراق کو لوٹ لیا۔ لیکن امیر تیمور نے اپنی فوج لے کر مقابلہ کیا اور شکست دی اور مال عراق کا واپس لیا۔

"دسویں صدی" یعنی ۹۱۴ھ میں شاہ اسمعیل صفوی نے روضۂ مقدسہ امام اور روضہ حضرت عباس کی تعمیر کی۔ اور قندیلہائے طلائی آویزاں کیں۔ ضریحیں بنوائیں۔ اور ۹۵۷ھ میں نہر کربلائے معلےٰ کی تعمیر کی۔

"گیارھویں صدی" میں عبدالوہاب نجدی نے کربلائے معلےٰ پر حملہ کیا۔ اور ضریح اقدس توڑ ڈالی اور قتل عام کیا۔ سلطان روم و خدیو مصر نے اپنی اپنی افواج بھیج کر اس سرکش کو شکست فاش دی۔

۱۲۶۳ھ میں حضرت سیّد العلماء علیین مکان جناب سیّد حسین صاحب قبلہ نے ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ حجۃ الاسلام آقا شیخ محمد حسن نجفی مصنف جواہر الکلام کو بھیج کر نہر آصفی تعمیر کرائی۔ اور نجف اشرف میں قناتی کنوئیں بنوائے۔ اور مبلغ تیس ہزار روپیہ حجۃ الاسلام آقا سیّد ابراہیم قزوینی کو بھیجا۔ تعمیر ایوان طلائی۔ حضرت عباس کے لئے اور ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ واسطے تعمیر نہر حسینی کے ۱۲۸۲ھ میں ناصر الدین شاہ قاچار مرحوم نے روضۂ اقدس کی مزید تزئین کی۔ اور ۱۲۹۵ھ میں در گنبد امام حسین پر سونا چڑھایا گیا۔ اور روضہ کی جابجا سے مرمت ہوئی۔ آئینہ بندی کی گئی۔ اور کانسی کی اینٹیں لگیں۔

"چودھویں صدی" روضۂ امام علیہ السلام اور روضۂ حضرت عباس علیہ السلام کے پھاٹکوں پر دو گھڑیاں نصب ہوئیں۔ اور روضۂ حضرت عباس کی توسیع ہوئی۔ اور چھوٹی چھوٹی برجیاں بنائی گئیں۔

کتاب معین الزائرین میں ہے۔ کہ ارباب بینش کو علم ہے۔ کہ حضرت عباس کے روضے پر سونا نہیں ہے۔ یعنی جس طرح امام حسین کے روضے کے گنبد پر سونا چڑھا ہوا ہے۔ حضرت عباس کے روضے پر نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عباس امام حسین کی برابری نہیں چاہتے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی بادشاہ نے سونا چڑھا دیا تھا۔ تو وہ بار بار گر گیا تھا۔ مجھے اس کا ذاتی

تجربہ ہے کہ کراری ضلع الٰہ آباد میں ۱۹۱۱ء سے ایک روضہ حضرت عباس کی تعمیر جاری ہے۔ لیکن چونکہ وہ وہاں کی کربلا سے زیادہ بلند بنایا جارہا ہے۔ اس لئے وہ مکمل نہیں ہونے پایا۔ جب تیاری کے قریب پہنچتا ہے۔ اس کا گنبد پھٹ جاتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت عباس کے لئے فرمایا کرتے تھے۔ کہ اے عباس۔ تم زندگی اور موت دونوں حال میں میرا پاس ولحاظ کرنے والے ہو۔ (دمعہ ساکبہ طبع ایران)۔ نیز کتاب معین الزائرین ص ۳۴ میں یہ بھی ہے کہ امام حسین کے روضہ سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر روضہ حضرت عباس واقع ہے۔ اوران دونوں کے درمیان دورویہ دکانیں ہیں اور ایک تختی پر لکھا ہوا ہے۔ "هذا طريق ابى الفضل العباس" آپ کے روضہ پر دعائیں بہت زیادہ مستجاب ہوتی ہیں۔ ص ۵۰ کتاب مہیج الاحزان ص ۱۶۱ میں ہے کہ حضرت "باب الحوائج" ہیں۔ آقائے در بندی لکھتے ہیں۔ کہ دیگر شہدائے کبار کی مانند حضرت عباس کا بدن بھی قبر میں بالکل تروتازہ قیامت تک رہے گا (اسرار الشہادت ص ۳۱۰) حاجی عبدالکریم بن خواجہ عاقبت محمود تاریخ تبہان یعنی وقائع احوال نادر شاہ قلمی ورق ۵۷ میں لکھتے ہیں۔ کہ عراق میں حلہ کے قریب ایک مسجد ہے جس کا نام "مسجد شعیب" ہے۔ اس کے مینار پر چڑھ کر اگر کوئی کہے "کہ بعشقِ عباس جنبش کن" تو وہ حرکت کرنے لگتا ہے۔ اور بید کے مانند متحرک ہوجاتا ہے۔

حضرت عباس کی میراث اور نسل

علمدار کربلا حضرت عباس علیہ السلام جب شہید ہوئے ہیں تو ان کی اولاد میں عبیداللہ ابن عباس کے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔ ان کے علاوہ ان کی والدہ جناب ام البنین بقید حیات تھیں۔ حضرت عباس کی میراث کے مالک یہی دونوں قرار پاتے ہیں۔ ان کی نسل کے بارے میں علامہ عبدالرزاق موسوی لکھتے ہیں کہ تمام علمائے انساب کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ آپ کی نسل صرف عبید اللہ ابن عباس سے بڑھی ہے۔ آپ کا شمار بہت بڑے علماء میں تھا۔ آپ کمال اور جمال میں بہت امتیاز رکھتے تھے۔ آپ نے ۱۵۵ھ میں وفات پائی ہے۔ آپ کے بیٹے حسن بن عبیداللہ تھے۔ جناب حسن نے ۶۷ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ آپ کے پانچ بیٹے تھے۔ (۱) عبیداللہ (۲) عباس (۳) حمزہ (۴) ابراہیم (۵) فضل۔ "وكلهم اجلاء فضلاء ادباء" سب کے سب عالم اجل۔ فاضل اور ادیب دہر تھے۔

ا۔ عبیداللہ ابن حسن ابن عبیداللہ ابن عباس بن علی "كان اميرا بمكة والمدينة

قاضیا علیهما" یہ امیر مکہ و مدینہ اور قاضی الحرمین تھے۔

۲۔ عباس ابن حسن ابن عبیداللہ ابن عباس "کان بلیغا فصیحا شاعرا" یہ زبردست بلاغت اور فصاحت کے مالک تھے۔ شاعری میں بھی ملکہ تامہ رکھتے تھے۔ ابونصر بخاری کا بیان ہے کہ "ماارای هاشمی اغضب لساناً منه" ان سے زبردست کوئی ہاشمی زبان کا مالک دیکھا بھی نہیں گیا۔ "کان مکینا عند الرشید" وہ رشید کے پاس رہتے تھے۔ وہ ان کا بڑا اکرام کرتا تھا۔ اس کے بعد مامون کے پاس رہے۔ علوئین انہیں اشعراولاد ابی طالب کہتے تھے۔

۳۔ حمزہ ابن حسن ابن عبیداللہ ابن عباس۔ ان کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ "و کان یشبه بامیر المومنین" یہ حضرت علی سے بہت مشابہ تھے۔ مامون رشید نے انہیں ایک لاکھ درہم ارسال کیا تھا اس کے ساتھ جو خط لکھا تھا اس میں انہیں "شبیه امیر المومنین" لکھا تھا۔

۴۔ ابراہیم جروقہ ابن حسن ابن عبیدہ ابن عباس "کان من الفقهاء الادباء الزهاد" یہ زبردست فقیہ۔ ادیب اور زاہد تھے۔

۵۔ فضل ابن حسن ابن عبیداللہ ابن عباس "کان لسنا فصیحا شدید الدین عظیم الشجاعة" یہ زبردست فصاحت کے مالک اور دینیات میں بہت پختہ تھے اور میدان شجاعت کے شہسوار تھے۔ لوگوں کی نظر میں آپ کی بے انتہا عزت تھی۔

(عمدۃ الطالب ص ۳۵۲ طبع لکھنو و تاریخ بغداد و قمر بنی ہاشم ص ۱۳۶)

حضرت عباس کی نسل کافی پھیلی ہے۔ آپ کے کثیر نبیرگان کا ذکر کتب میں موجود ہے یہ خاص بات ہے۔ کہ آپ کی نسل میں کوئی غیر عالم شاید ہی گزرا ہو۔ آپ کی نسل کے متعلق صاحب عمدالطالب لکھتے ہیں کہ مکہ' مدینہ' مصر' بصرہ' یمن' سمرقند' طبرستان' اردن' حائزو میاط' کوفہ' قم (یمن)' شیراز' آمل' آذربائی جان' جیرجان مغرب وغیرہ میں پائی جاتی ہے۔ آپ کی اولاد کو میرے نزدیک "سید علوی" کہنا چاہئے۔ اور حضرت عباس کی طرف "اعوان کا انتساب" کوئی اصل نہیں رکھتا۔

☆☆☆☆☆

خاتمہ

حضرت عباس کی جانبازی پر صادق آل محمد کا بیان:

شیخ ابونصر بخاری مفضل ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت عباس کی جاں نثاری اور مجاہدہ فی سبیل اللہ کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "جاهد مع ابی عبد الله وابلی بلاء حسنا ومضی شهیدا" میرے عم محترم حضرت عباس علیہ السلام نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی حمایت میں نہایت بے جگری سے جہاد کیا۔ اور زبردست ابتلاء کی منزل کو جھیل کر شہید ہو گئے۔

(عمدۃ الطالب ص ۳۲۳ طبع بمبئی ۱۳۱۸ھ و دمعہ ساکبہ ص ۳۳۷)

حضرت فاطمہ کی نظر میں شفاعت امت کے لئے حضرت عباس کے دونوں ہاتھ کافی ہیں:

آقائے دربندی لکھتے ہیں۔ کہ جب قیامت کا دن ہوگا۔ اور اہل محشر سخت حیران و پریشان ہوں گے۔ اس وقت رسول مقبول حضرت علی کو جناب فاطمہ کے پاس بھیج کر دریافت کریں گے کہ آج کے دن کے لئے تم نے کونسی ایسی چیز مہیا کر رکھی ہے جو بخشش امت کے کام آسکے۔ اس وقت جناب فاطمہ عرض کریں گی "کفانا لا جل هذا المقام الذان المقطوعتان من ابنی العباس" ابوالحسن آج کے دن کے لئے میرے پاس فرزند عباس کے دونوں کٹے ہوئے ہاتھ کافی ہیں۔

(اسرار الشہادت ص ۳۲۵ و جواہر الایقان ص ۱۹۴ طبع ایران۔ قمر بنی ہاشم ص ۵۹)

حضرت عباس کی زیارت نہ کرنے سے حضرت فاطمہ کی ناراضی:

آقائے دربندی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ایک شخص کا یہ اصول تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی روزانہ دن میں تین بار زیارت کرتا تھا۔ اور حضرت عباس کی ۲۰ دن کے بعد ایک بار زیارت کرتا تھا۔ ایک شب وہ سو رہا تھا۔ کہ حضرت فاطمہ کو خواب میں دیکھا کہ آپ تشریف فرما ہیں۔ اس نے آگے بڑھ کر نہایت ادب سے سلام کیا "فاعرضت عنه" انہوں نے منہ پھیر لیا۔ اس نے عرض کی۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ "لای تقصیر منی تعرضینی" حضور کس وجہ سے ناراض ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ "محض اس وجہ سے کہ تو میرے بیٹے کی زیارت نہیں کرتا۔ اس نے عرض کی۔ حضور میں تو دن میں تین بار روزانہ زیارت کے لئے جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا:

"تزوروا بنی الحسین ولا تزوروا بنی العباس" تو میرے ایک بیٹے حسین کی زیارت کرتا ہے۔ اور دوسرے بیٹے عباس کی زیارت نہیں کرتا۔ عباس میرا بیٹا ہے اور میں عباس کی ماں ہوں۔
(اسرار الشہادت ص ۳۲۵)

شہیدان کوفہ فرزندان مسلم کی زبان پر حضرت عباس کا نام:

کوفہ میں جناب مسلم بن عقیل کی ۹ ذی الحجہ کو شہادت کے بعد ان کے دونوں لڑکوں کی تلاش شروع ہوگئی۔ بالآخر وہ بچے گرفتار ہو کر قتل ہو گئے۔ جناب عبدالمجید حنفی دہلوی لکھتے ہیں۔ "ملعون حارث غلام اور بیٹے کو قتل کر کے اور بیوی کو خاک و خون میں تڑپتا چھوڑ کر بچوں کی طرف بڑھا۔ بچے جو پہلے ہی سے سہمے۔ ڈرے اور ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے تھے۔ شقی کو شمشیر بکف آتا ہوا دیکھ کر رونے لگے۔ مسلم کے بچے شاخِ گل کی مانند تھر تھر کانپ رہے تھے۔ ہاتھ جوڑ کر کہا کہ اللہ پردیسیوں پر رحم کر۔ یتیموں پر ترس کھا۔ ہم نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا۔ پھر ہم کو کیوں مارتا ہے۔ اماں سنیں گی تو بہت روئیں گی۔ ماموں جان جناب امام حسین اور حضرت عباس کو معلوم ہوگا تو سر دھنیں گے۔ ہمیں مار کر کیا ملے گا۔ ہمیں غلام بنا کر بیچ ڈال۔ مگر قتل نہ کر مگر اس سفاک کا دل کب پگھلنے والا تھا۔ (شہید اعظم ص ۹۷ طبع بمبئی)

حضرت علی کی طرح حضرت عباس بروقت مدد کو پہنچتے ہیں:

ہمارا قرآنی عقیدہ ہے کہ شہدائے راہ خدا زندہ ہیں۔ اور ہمارے مسلمات سے ہے۔ کہ ہمارے مانے ہوئے معصوم اور محفوظ شہدا ہماری مدد کو بروقت تشریف لاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم کسی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تو وہ ہماری مدد فرماتے ہیں۔ اپریل ۱۹۲۳ھ کا ذکر ہے کہ کرذری ضلع الہ آباد میں ایک عظیم بلوہ ہوا۔ جس میں مخالف نے کہا بلاؤ حضرت عباس کو۔ آ کر مدد کریں۔ یہ کہنا تھا کہ ٹھیک اس کے سینے پر گولی لگی۔ اور وہ واصل جہنم ہو گیا۔
(ملاحظہ ہو روئداد بلوہ کراری ۱۹۲۳ء مصنفہ سیّد ریاض حسین مرحوم قلمی)

حضرت عباس کی زیارت:

پروفیسر شیخ محمد طاہر فاروقی ایم اے بحوالہ راہِ وفا مصنفہ حفظ الرحمٰن ڈبائیوی زیر عنوان "سفر کربلا و نجف" لکھتے ہیں۔ ۲۷ دسمبر ۱۸۴۳ھ مطابق ۲۴ شوال۔ صبح سے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ موٹر طے کر لیا گیا تھا۔ گیارہ بجے ٹھیک روانگی ہوئی۔ کربلا کے تصور سے دل کی جو کیفیت تھی۔ اس سے اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے۔ ایک ایک کر کے ہر ایک واقعہ نظر کے سامنے آ گیا۔ اور موٹر میں

بیٹھے ہوئے آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ ریگستانی راستہ' دور تک سبزہ اور درخت کا پتہ نہیں۔ راستے میں درختوں کی جگہ چاروں طرف بگولوں کی ناہموار قطاریں' ریت کے دریا' خاکی دیواریں ضرور نظر آتی رہیں کتابوں میں پڑھا تھا۔ اور سیاحوں سے سنا تھا۔ کہ اکثر ایسے بگولے اٹھتے ہیں۔ جن میں قافلے تک گم ہو جاتے ہیں۔ اس کا بہت ہلکا سا نمونہ ہمیں بھی آنکھوں سے دیکھنا پڑا۔ "مسیب" سے پہلے اس قدر تیز ہوا چلی کہ گرد و غبار کی وجہ سے دس قدم کے فاصلہ کی چیز دکھائی نہ دیتی تھی۔ موٹر والے کو موٹر چلانا دشوار ہو گیا۔ چالیس میل کی رفتار دس میل سے بھی کم کرنی پڑی۔ ۵ منٹ تک یہی شکل رہی۔ ہمارے اللہ تعالیٰ کا شکر کہ آفت ناگہانی سے نجات ملی۔ تھوڑی دیر میں راستہ صاف نظر آنے لگا۔ اور موٹر پوری رفتار سے چلنے لگی۔ راستے میں دو قریے جو اپنی آبادی کے لحاظ سے پہلے قصبوں سے زیادہ پر رونق تھے۔ "محمودیہ" اور "اسکندریہ" ملے۔ ساڑھے بارہ بجے ہم قصبہ مسیب پہنچے۔ یہ دریائے فرات کے کنارے پر دونوں طرف آباد ہے۔ ریلوے سٹیشن بھی ہے۔ پل بنا ہوا ہے۔ یہاں ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر آبادی سے بہت دور علیحدہ جنگل میں صاحبزادگان مسلم بن عقیل کے مزارات ہیں۔ دونوں معصوم ایک گنبد میں آرام فرما ہیں۔ کربلا کے تصور ہی سے دل بھرا ہوا تھا۔ اس کے ابتدائی ظلم کی پہلی تصویر نظر کے سامنے جو آئی تحمل دشوار ہو گیا۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اشک آلودہ آنکھوں کے ساتھ فاتحہ پڑھی۔ اور دعا مانگی۔ عجیب عالم رنج میں یہاں سے روانگی ہوئی۔ دو بجے کے قریب اس جگہ پہنچے۔ جہاں ظلم کی انتہا ہوئی تھی حیف ہے کہ ساکنان کوفہ نے اپنے مرشد زادہ کے ساتھ وہ دغا کی۔ جس کی آج تاریخ عالم میں نظیر نہیں۔ ہم لوگ اپنا سامان میر ہاشم مزدور (معلم) کے مکان پر رکھ کر سب سے پہلے حضرت عباس کے مزار پر پہنچے مزار پر خوب رونق ہے۔ ہر وقت زیادہ مجمع یہیں رہتا ہے۔ فاتحہ پڑھی اور دعا مانگی۔ اور یہاں سے سیّد امام حسینؑ کے روضے پر گئے ایک ہی گنبد میں ننھے بچے اور کڑیل جوان بیٹے کو آغوش محبت میں لئے ہوئے آرام فرما رہے ہیں۔ فاتحہ پڑھنے کے لئے اشکوں کی لڑیوں' کپکپاتے ہوئے ہاتھوں' ڈگمگاتے ہوئے پیروں کو سنبھالا۔ دوگانہ ادا کر کے فاتحہ پڑھی۔ الخ (نصاب اردو حصہ ۶ ص ۱۹)

حضرت عباس کی نذر حاضری اور سبیل:

حجۃ الاسلام آقائے اصفہانی تحریر فرماتے ہیں کہ جس طرح دیگر آئمہ کی نذر ادا کرنی ضروری ہے۔ حضرت عباس کی نذر بھی ادا کرنی لازم ہے (صراط النجات ج ۲ ص ۲۲۰) لسان الملۃ مولانا سیّد آغا مہدی صاحب قبلہ لکھنوی لکھتے ہیں کہ کربلا کے بہتر شہیدوں میں کھانے پر کسی شہید

کی نذر نہیں دی جاتی۔ سوائے حضرت عباس کے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس رسم کی بنیاد ان قائم کرنے والے قمر بنی ہاشم کی گرسنگی کی مخصوص یادگار قائم کرنا چاہتے تھے۔ الخ (راز شہادت ص ۳۳) لیکن میں کہتا ہوں کہ میت کے گھر کھانا پہنچانا سنت ہے۔ (دیکھو عروۃ الوثقیٰ ص ۱۲۶) حضرت محمد مصطفےٰ صلعم نے جعفر طیار کی شہادت کے بعد ان کے گھر کئی روز تک کھانا پہنچایا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۹۹) اور یہ ظاہر ہے کہ جعفر طیار اور عباس علمدار کی شہادت میں کافی مماثلت و مشابہت ہے (مخزن المصائب طبع آگرہ ۱۳۰۹ھ) حضرت عباس کی شہادت کے بعد حضرت امام حسین یقیناً اسی طرح ان کے گھر کھانا پہنچواتے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جعفر طیار کے گھر کھانا بھیجا تھا۔ لیکن چونکہ انتہائی مجبوری کی وجہ سے وہ کھانا تو درکنار ان کے اہل بیت کو کربلا میں پانی تک نہ عنایت فرما سکے۔ بنابریں ان کے ماننے والے اسی کی یادگار میں کھانے پر حضرت عباس کی نذر دلاتے ہیں۔
اب سوال یہ ہے۔ کہ یہ رسم آٹھویں کو کیوں ادا کی جاتی ہے۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ آٹھویں ہی سے حضرت عباس کی جانفشانی حد سے بڑھ گئی تھی۔ بھوک اور پیاس کی حالت میں بار بار کنواں کھودنا۔ پانی کے لئے نہر کی طرف جانا اور خود بالکل بھوکے رہنا آپ کا خاص کارنامہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی حاضری آٹھویں کو کی جاتی ہے۔ اب رہ گئی آپ کے نام کی سبیل۔ اس کے متعلق عرض ہے۔ کہ اولاً تو کربلا کے تمام پیاسوں کی یادگار میں سبیل لگائی جانی قرین قیاس ہے۔ لیکن حضرت عباس سے اس کا اختصاص بھی مناسب ہے۔ کیونکہ حضرت عباس ہی صرف پانی لینے کی غرض سے نہر پر تشریف لے گئے تھے۔ اور طلب آب ہی میں یوم عاشور بعد از ظہر شہید ہو گئے۔ نیز یہ کہ دریا میں داخل ہونے اور چلو میں پانی لینے کے باوجود پیاسے برآمد ہوئے تھے۔ اور مشکیزہ سکینہ لئے ہوئے خیمہ کی طرف بڑھتے ہوئے شہید ہوئے۔ یعنی جناب سکینہ تک پانی لے جانے کی کوئی سبیل پیدا نہ کر سکے۔ بنابریں آپ کے نام کی سبیل رکھی جاتی ہے۔

اک مشک کا فیض اللہ اکبر مظہر ۔۔۔ ہے چار طرف رکھی سبیلِ عباس

ہدیہ بخدمتِ علمدارِ کربلا حضرت عباس علیہ السلام

آل النبی ذریعتی ۔۔۔ وھم الیہ وسیلتی
ارجوابھم اعطی غدا ۔۔۔ بیدی الیمین صحیفتی

(صواعق محرقہ ص ۱۰۸ طبع مصر ۱۳۲۴ھ)

سید نجم الحسن تجاوز اللہ عن جرائمہ کوچہ مولانا صاحب پشاور سٹی ۲۵ جنوری ۱۹۵۶ء

قطعات تاریخ بسلسلہ طبع جدید

از حضرت ابوالکیف کیفی سرحدی

جو ہر کلکِ فکرِ نجم حسن — ہست در مدح شانِ آلِ عبا
گفت تاریخ طبع نو کیفی — ذکر عباس ذوق اوج وفا

۱۹۵۶ء

ذکر عباس درسِ اہل وفا — مایہ ذوق صاحب احساس
گفت کیفی بوقت طبع جدید — سال تاریخ برغم عباس

۱۳۷۵ھ

از نتیجہ فکرِ جناب مولوی سیّد افتخار الدین صاحب کامل کراروی الہ آبادی

اہل دل نے کر کے پورا عہد و پیمان وفا مطلع — پاک رکھا داغِ رسوائی سے دامانِ وفا
رہتیں محتاجِ کفن لاشِ شہیدانِ وفا — اڑ کے لیکن پڑ گئی خاکِ بیابانِ وفا
ہستیاں اپنی مٹا دیتے ہیں دل والے مگر — دوست کے آگے نہیں ہوتے پشیمان وفا
گرمئی خورشیدِ محشر سے نہ کیوں ہوں مطمئن — آبِ خنجر پی چکے ہیں تشنہ کامانِ وفا
مقتلِ الفت میں اپنے خاک وخوں میں لوٹ کر — بن گئے تصویرِ عبرت نقشبندانِ وفا
جلوہ گاہ دوست میں آگئے ہیں ہو کر سرخرو — ڈوب کر اپنے لہو میں نادارانِ وفا
کشتگانِ عشق نے یوں قتلگہ میں جان دی — بن گیا ہر ذرہ اک تصویر ارمانِ وفا
اک جہاں روتا تھا دل کے استغاثہ پر مگر — اف رے بیدردی کہ ہنستے تھے حریفانِ وفا
جب سوادِ شامِ غربت کی سیاہی بڑھ گئی — ہو گیا روشن چراغِ داغِ پنہانِ وفا
گو سر و تن میں بظاہر پڑ گیا ہے تفرقہ — زندۂ جاوید ہیں لیکن شہیدانِ وفا
وادیٔ الفت کا ہر ذرہ یہ دیتا ہے صدا — حضرت عباس ہیں خضرِ بیابانِ وفا
کوئی منزل ہو۔ بیاباں ہو کہ میدانِ قتال — ہر جگہ تو نے کیا وہ۔ جو تھا شایانِ وفا
جسمِ نازک سے ترے ہر قطرہ تیرے خون کا — نصرتِ سرور میں نکلا بن کے ارمانِ وفا
کیجئے کامل رقم یوں سالِ تصنیف کتاب — دیکھئے اس کو یہ ہے تفسیرِ آئینِ وفا

دست بستہ پیش ہے یہ شمع وفا مطلع — کر لو تم مقبول اس کو اے شہیدانِ وفا
دامن نجم الحسن فیضِ محمدؐ سے بھرے — در فشاں ہو یوں تمہارا برنیسانِ وفا
جملہ جملہ ہے اس کتاب معرفت کا ضوفروز — نقطہ نقطہ آبرو میں در تابانِ وفا
وادیٔ تحقیق میں آ کر نہ بھٹکے پائے فکر — رہنما جب ہو گیا خضرِ بیابانِ وفا
اس کی ہر ہر سطر بستانِ محبت کی روش — ہر ورق ہے اس کا اک بابِ گلستانِ وفا
جدولوں میں جوہر رازِ فضائے کائنات — سرخیوں میں رنگت خونِ شہیدانِ وفا
اہل الفت کا عمل جس پر وہ مضموں دلفریب — اور عبارت بھی ہے ایسی جو ہے شایانِ وفا
ہے اگر دریائے عصیانی میں کشتی نجات — وادیٔ ظلمات میں ہے آبِ حیوانِ وفا
ہے کہیں پر اس بیاں میں حلم فرزند علی — اور کہیں سے سطوتِ شیر نیستانِ وفا
ہے کہیں پر معرفت افزا بیانِ صبر و شکر — اور کہیں ہے جاہ و تمکینِ سلیمانِ وفا
فاطمہ ہی داد دیں گی واں کے ہر ہر لفظ کی — جس جگہ دکھلائی ہے عباس کی شانِ وفا
مہر سے ماہِ بنی ہاشم کے کامل ہو گئی — انجم نایاب یہ تفسیر قرآن وفا

۱۳۶۱ھ

تھی ضرورت تیری دنیا کو۔ تھا کامل انتظار
مستند اے دوسری تفسیرِ قرآن وفا

۱۳۷۵ھ

احسانؔ امروہوی

چاند

وہ چار چاند وفا کو لگا گئے عباسؑ

وفا کو رُوحِ حقیقت بنا گئے عباسؑ
جو کھو چکا تھا زمانہ وہ پا گئے عباسؑ
نیاز و ناز کے جلوے دکھا گئے عباسؑ
کہ دردِ عشق ہی کو دل بنا گئے عباسؑ
اشارہ چشمِ مشیّت کا پا گئے عباسؑ
نگاہِ کون و مکاں میں سما گئے عباسؑ
پکارا جب دمِ مشکل تو آ گئے عباسؑ
بگڑ چکا تھا مقدر بنا گئے عباسؑ
رہِ حیات پہ چلنا سکھا گئے عباسؑ
تمام عالمِ ہستی پہ چھا گئے عباسؑ
دلِ حسینؑ میں آخر سما گئے عباسؑ
قریب کتنے امامت کے آ گئے عباسؑ
علیؑ کی جان تو زینبؑ کا دل حسینؑ کی رُوح
لقب یہ اپنی وفاؤں سے پا گئے عباسؑ
نظر نظر میں جوانی کی کھنچ گئی تصویر
قدم قدم پہ وہ جلوے دکھا گئے عباسؑ

وفا کا نام زمانے میں کر دیا روشن
وہ چار چاند وفا کو لگا گئے عباسؑ
یہ جُراتیں تھیں کہ نہر فرات ٹھکرا دی
شجاعتوں کے وہ دریا بہا گئے عباسؑ
یہ جلوہ ریزیاں قائم رہیں گی محشر تک
وہ شمع بزمِ ولا میں جلا گئے عباسؑ
کٹا کے ہاتھوں کو راہِ خدا میں ساحل پر
بدستِ حق پر پرواز پا گئے عباسؑ
ہے آستانِ وفا پر حیات محوِ سجود
وفا کو قبلۂ عالم بنا گئے عباسؑ
زباں پہ آج زمانے کی ہے حسینؑ حسینؑ
حسینیتؑ کا وہ سکّہ جما گئے عباسؑ
امیدِ شمرلعہ ستمگر پہ پھر گیا پانی
فریبِ دہر سے دامن بچا گئے عباسؑ
ریاضِ دہر کی رنگینیاں تصدّق ہیں
وہ نقش اپنے لہو سے بنا گئے عباسؑ
نظر اٹھی نہ کسی پیکر حسین کی طرف
نگاہِ شوق میں کچھ یوں سما گئے عباسؑ
علم کو لے کے چلے ہیں حسینؑ سے آگے
خدا ہی جانے کہ کیا رتبہ پا گئے عباسؑ

ہے آج تک بھی تو نہرِ فرات پر قبضہ
وہ نقش موجوں کے دل پر بٹھا گئے عباسؑ

رسولؐ خوش ہیں علیؑ شاد فاطمہؑ مسرور
کچھ ایسی شانِ شہادت دکھا گئے عباسؑ

نشانِ ملّتِ بیضا پہ نامِ نامی ہے
جہانِ ملّتِ بیضا پہ چھا گئے عباسؑ

اجل نے چوم لیا بڑھ کے دست و بازو کو
وفا کی منزلِ آخر میں آ گئے عباسؑ

ہے دل میں خدمتِ آقا کا آج تک جذبہ
حسینؑ کو جو پکارا تو آ گئے عباسؑ

یہ روشنی تھی نہ احسانؔ بزمِ عرفاں میں
چراغِ عشق کی وہ لَو بڑھا گئے عباسؑ

قطعہ

اب آلِ مصطفٰؐ کا حشر تک ماتم بپا ہو گا
قیامت تک شہیدانِ وفا کا تذکرا ہو گا
زباں پر نامِ عباسؑ جری آئے گا اے زائدؔ
زمانے میں جہاں بھی، جب کبھی ذکرِ وفا ہو گا

زاہد فتح پوری

قطعہ

دوش پر عباسؑ غازی کا علم رکھتے ہیں ہم
دل میں ہر دم کربلا والوں کا غم رکھتے ہیں ہم
آزمانا ہو جسے بھی آزما لے اے نظرؔ
آج بھی باطل سے ٹکرانے کا دم رکھتے ہیں ہم

حسین نظرؔ

قطعہ

وادیٔ کرب و بلا میں جب قدم رکھتے ہیں ہم
ہر قدم پر اپنی پیشانی کو خم رکھتے ہیں ہم
یا علیؑ یا حضرت عباسؑ یا مولا حسینؑ
بس یہی نعرہ زبان پر دمبدم رکھتے ہیں ہم

حسین نظرؔ